يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا
اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو (سورۃ الحجرات)
سلسلہ
ضعیف اور موضوع روایات 2
قصہ گو حضرات کی غیر مستند تحریروں اور تقریروں پر مشتمل
طبقات ابن سعد
میزان الاعتدال
سلسلہ احادیث ضعیفہ
الخصائص الکبری
اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو (سورۃ الحجرات)
ضعیف اور من گھڑت واقعات
جمع وترتیب
حافظ محمد انور زاہد حفظہ اللہ
حصہ دوم
www.KitaboSunnat.com

قصہ گو حضرات کی غیر مستند
تحریروں اور تقریروں پر مشتمل

طبقات ابن سعد
سلسلہ احادیث ضعیفہ
الخصائص الکبریٰ

ضعیف اور من گھڑت واقعات

نام کتاب

ضعیف اور من گھڑت واقعات

جمع وترتیب | حافظ محمد انور زاہد حفظہ اللہ

تاریخ اشاعت | (حصہ دوم) مئی ۲۰۱۰ء

مطبوعہ | قرطاس پرنٹرز لاہور

ناشر | نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

NOMANI KUTAB KHANA

Haq Street Urdu Bazar, Lahore-Pakistan Tel: 7321865

E-Mail: nomania2000@hotmail.com

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا

اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو (سورۃ الحجرات)

سلسلہ
2 ضعیف اور موضوع روایات

قصہ گو حضرات کی غیر مستند تحریروں اور تقریروں پر مشتمل

ضعیف اور من گھڑت واقعات

(حصہ دوم)

جمع و ترتیب

حافظ محمد انور زاہد حفظہ اللہ

نعمانی کتب خانہ
حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
7321865
E-Mail: nomania2000@hotmail.com
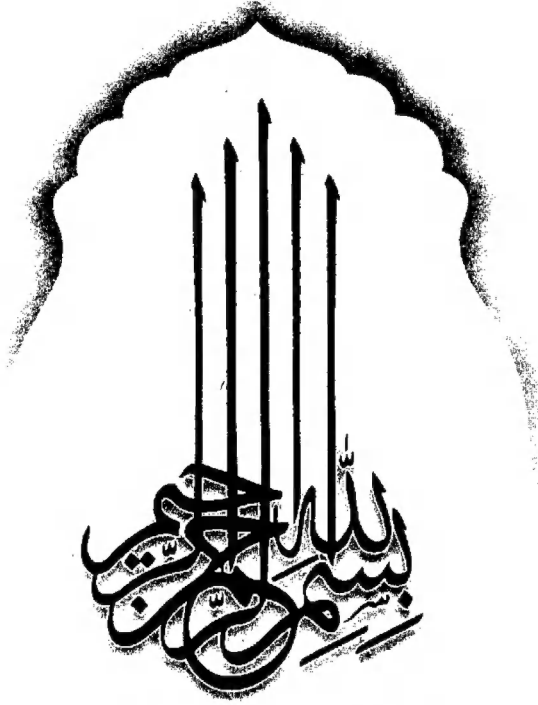
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

فہرست مضامین

تقریظ

محترم حافظ محمد انور زاہد، ایک علم دوست اور صاحب مطالعہ نوجوان ہیں۔ کسب معاش اور تلاشِ روزگار کے ساتھ ساتھ علم و تحقیق کا حق ادا کرنے کی سعی کرنا، بذاتِ خود ایک اہم اور قابل تعریف معاملہ ہے اور حافظ محمد انور زاہد اس حسن معاملگی میں بہت آگے ہیں۔ یہ ایک اچھے خطیب، بہترین مدرس اور صاحب طرز لکھاری ہیں۔ اُنھوں نے تحقیق کے میدان میں انھی واقعات و قصص کو خصوصاً اپنا ہدف ٹھہرایا ہے جو تقریر و خطابت کا لوہا منوانے کے لیے اکثر خطباء و مقررین بیان کرتے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب ان کی اس سلسلے کی دوسری کاوش ہے۔ اس کتاب میں اُنھوں نے محنت کر کے مشہور واقعات کی علمی حیثیت اور ان کے ضعیف و موضوع ہونے کو واضح کیا ہے۔ ہو سکتا ہے بعض حلقے، بعض واقعات کو کسی اور حوالے سے مستند قرار دینے کی کوشش کریں اور وہ اس کوشش کی کامیابی پر اصرار بھی کریں۔ پھر بھی ہم حافظ محمد انور زاہد کی اس سعی کی تحسین کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اُنھوں نے تحقیق کا ایک دروازہ تو کھولا ہے اور محض اپنی خطابت کا سکہ چلانے کی خواہش میں من گھڑت واقعات اور جھوٹے قصے بیان کرنے والوں کے سامنے غور و فکر کی ایک اونچی دیوار کھڑی کر دی ہے۔

خطباءِ عظام، مقررین کرام کو خصوصاً اور علماء و طلباء کو عموماً اس کتاب کو پڑھنا چاہیے، یہ کتاب ہر حال میں فائدہ مند بھی ہے اور سوچ کے نئے زاویے قائم کرنے والی بھی ہے۔

والسلام

رانا محمد شفیق خاں پسروری

27-04-2010

والدین کی خدمت کی وجہ سے ایک قصاب کو جنت میں موسیٰ علیہ السلام کی ہمسائیگی مل گئی

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے درخواست کی اے اللہ! مجھے میرا جنت کا رفیق دکھا دے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے موسیٰ (علیہ السلام) تو فلاں شہر میں چلا جا وہاں ایک قصاب سے جو جنت میں تیرا رفیق اور ساتھی ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شہر میں پہنچے اور قصاب کا گھر پوچھ کر اس کے پاس تشریف لے گئے وہ اپنی دُکان میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پاس ایک زنبیل لٹکی ہوئی تھی (یعنی چمڑے کی جھولی) قصاب نے آپ کی دعوت کرنے کی درخواست کی موسیٰ علیہ السلام نے درخواست قبول کر لی وہ قصاب آپ کو لے کر گھر گیا اور کھانا آپ کے سامنے پیش کیا جب کھانا کھانے لگے تو قصاب ایک لقمہ کھاتا اور دو لقمے زنبیل میں ڈال دیتا، اسی اثناء میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا قصاب اُٹھا اور زنبیل چھوڑ کر چلا گیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے زنبیل کو دیکھا تو اس میں ایک مرد اور ایک عورت نہایت ہی ضعیف و ناتواں ہیں۔ جب اُنھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو مسکرائے اور آپ کی رسالت کی شہادت دی اور دونوں وفات پا گئے۔ جب قصاب آیا اور زنبیل دیکھی تو موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ چوم کر کہا۔ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے رسول موسیٰ علیہ السلام ہیں؟ آپ نے دریافت کیا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ میں موسیٰ علیہ السلام ہوں؟ قصاب نے بتایا کہ اس زنبیل میں میرے والدین تھے جو بہت ہی بوڑھے ہو گئے تھے اور میں نے انھیں زنبیل میں ڈال رکھا تھا اور میری عادت تھی کہ میں اپنے والدین سے پہلے کھاتا پیتا نہیں تھا اور وہ دونوں ہمیشہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ ہماری جان اس وقت نکالنا جبکہ ہم موسیٰ علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہو لیں۔ اب جبکہ میں نے انھیں مرا ہوا دیکھا تو جان لیا کہ آپ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ

میں نے تیری ماں کو دیکھا تو اس کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ وہ کیا کہتی تھی؟ قصاب نے کہا کہ میری والدہ محترمہ کی یہ عادت شریفہ تھی کہ جب میں اسے کھانا کھلاتا تو وہ یہ دعا مانگا کرتی تھی۔ اے میرے اللہ میرے بچے کو موسیٰ علیہ السلام کا جنت میں ساتھی بنا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے قصاب تجھے مبارک ہو میں جنت میں تیرا رفیق ہوں گا۔ ①

① یہ من گھڑت اور خود ساختہ واقعہ ہے۔ اس کو نزہۃ المجالس کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے۔ کم علم خطباء اور عوام الناس میں اس واقعہ کو بڑی شہرت حاصل ہے۔ جبکہ یہ مردود اور باطل ہے۔

جنت میں صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی داڑھی ہوگی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام اہل جنت، جنت میں اپنے ناموں سے پکارے جائیں گے سوائے حضرت آدم علیہ السلام کے۔ ان کو ابو محمد کنیت سے پکارا جائے گا اور جنتی تمام مجرد ہوں گے (یعنی کسی کی داڑھی نہیں ہوگی) لیکن جنت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی داڑھی ناف تک ہوگی۔ ①

① اسنادہ موضوع۔ اس کی سند من گھڑت ہے۔ اس میں وھب بن حفص متہم بالوضع ہے۔ دیکھیں: میزان الاعتدال (٣٥١/٤) البدایہ والنہایہ (١٢٠/١) ذکرہ العجلونی فی کشف الخفا (٢٧١/١) وعزاہ لابن ابی شیبۃ وابن عساکر۔ وذکرہ ابن القیسرانی فی تذکرۃ الموضوعات (٦٢٠)

بی بی اپنے بیٹے کو معاف کر دے ورنہ ہم جلا دیتے ہیں، قصہ علقمہ اس کی والدہ اور بیوی کا

ابان سیدنا انس سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک نوجوان علقمہ نامی تھا بڑا عبادت گزار تھا، بکثرت صدقہ کرتا تھا اچانک وہ سخت بیمار ہوا، اس کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میرا خاوند نزع کے عالم میں ہے میں نے سوچا کہ آپ کو اطلاع کردوں، آپ ﷺ نے حضرت بلال، حضرت علی، حضرت سلمان اور عمار رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ علقمہ کی خیریت معلوم کرو یہ حضرات وہاں پہنچے اور اسے لا الہ الا اللہ پڑھنے کی تلقین کی مگر علقمہ کی زبان نہ چل سکی قریب المرگ ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں بھیجا کہ اس کے حالات سے آپ کو اطلاع دے، آپ نے دریافت فرمایا کہ اس کے والدین زندہ ہیں عرض کیا گیا کہ والد تو فوت ہو چکا ہے البتہ بوڑھی ماں زندہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا بلال علقمہ کی والدہ کے پاس جاؤ اسے میرا سلام کہو کہ اگر وہ چل سکتی ہے تو میرے پاس آئے ورنہ انتظار کرے میں اس کے پاس جاتا ہوں بلال نے جا کر پیغام پہنچایا تو کہنے لگی میری جان آپ پر قربان میرا حق ہے کہ خدمت عالیہ میں حاضر ہوں۔ چنانچہ وہ لاٹھی ٹیکتی ہوئی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی سلام عرض کیا آپ نے سلام کا جواب دیا وہ حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ گئی آپ ﷺ نے کہا سچ سچ بتا اگر تو نہیں بتائے گی تو مجھے وحی سے معلوم ہو جائے گا یہ بتاؤ علقمہ کیا عمل کرتا تھا کہنے لگی اتنی نماز پڑھتا تھا، اتنے روزے رکھتا تھا اور جو درہم پاس ہوتے صدقہ کر دیتا تھا نہ ان کا وزن معلوم ہوتا نہ شمار۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تیرے ساتھ اس کا کیا معاملہ تھا کہنے لگی یارسول اللہ میں اس سے ناراض ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کیوں کہنے لگی وہ میری بجائے اپنی بیوی کو ترجیح دیتا اور میری نافرمانی کرتا تھا اس کا کہنا مانتا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا ماں کی ناراضگی نے

اس کی زبان کو کلمہ شہادت سے روک رکھا ہے۔

آپ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا بہت سی لکڑیاں جمع کرو کہ میں اسے آگ میں جلا دوں بڑھیا کہنے لگی یا رسول اللہ کیا میرے لخت جگر کو میرے سامنے جلائیں گے مجھے کیسے برداشت ہو گا آپ نے فرمایا اے علقمہ کی ماں اللہ تعالیٰ کا عذاب اس آگ سے کہیں زیادہ سخت اور دیر پا ہے۔ اگر تجھے یہ پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیں تو تو اس سے راضی ہو جا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اسے نماز اور صدقہ فائدہ نہیں دے گا جب تک تو اس پر ناراض رہی۔ بڑھیا دونوں ہاتھ اُٹھا کر کہنے لگی یا رسول اللہ میں آسمان والے خدا کو، آپ کو حاضرین مجلس کو گواہ بناتی ہوں کہ میں علقمہ سے راضی ہوں آپ نے فرمایا بلال ذرا جا کر دیکھو علقمہ لا الہ الا اللہ پڑھنے لگا ہے ممکن ہے اس کی ماں نے میری شرم کی وجہ سے ایسا کہا ہو اور دل سے نہ کہا ہو۔ بلال دروازے پر پہنچے تو علقمہ کو لا الہ الا اللہ پڑھتے سنا اندر جا کر بتانے لگے کہ علقمہ سے والدہ کی ناراضگی نے اس کی زبان کو شہادت توحید سے روک رکھا تھا اور اس کی رضا مندی نے زبان کو جاری کر دیا۔ چنانچہ علقمہ اسی دن فوت ہو گئے۔ حضور ﷺ تشریف لائے اس کے غسل اور کفن کا انتظام کیا، نماز جنازہ پڑھائی، پھر قبر کے کنارے کھڑے ہو کر فرمایا اے مہاجرین وانصار جو شخص اپنی بیوی کو اپنی والدہ پر ترجیح دیتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور اس کے فرائض ونوافل کچھ بھی قبول نہیں ہوتے۔ [1]

---

[1] اسنادہ موضوع۔ من گھڑت روایت ہے۔ الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ۔ کتاب الادب (۶۸۶/۳۸) رواہ العقیلی عن عبداللہ بن ابی اوفیٰ فی الضعفاء (۴۶۱/۳) اس قصے کا دارومدار فائد بن عبدالرحمٰن ابوالورقاء العطار پر ہے اور یہ متروک اور کذاب ہے۔ ابن جوزی فی الموضوعات (۸۷/۳) ابن جوزی کہتے ہیں یہ قصہ ثابت نہیں ہے۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں فائد راوی متروک ہے۔ یحییٰ کہتے ہیں لیس بشیء۔ یہ کچھ نہیں۔ ابن حبان کہتے ہیں یہ قابل حجت نہیں، عقیلی کہتے ہیں اس کی روایت کی کوئی متابعت نہیں کرتا۔ ابوحاتم کہتے ہیں فائد راوی ذاہب الحدیث ہے۔ اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ نیز اس کی سند میں داؤد بن ابراہیم ہے ابوحاتم کہتے ہیں یہ جھوٹا ہے۔

بلال کو خواب میں زیارتِ رسول، سفرِ مدینہ، قبر پر حاضری اور اذان

اگر چہ یہ واقعہ مختصر ہے مگر اس میں بعض خطباء، قصہ گو واعظین نے خوب اپنی خطابت کے جوہر دکھائے ہیں اور مصنفین نے خوب طبع آزمائی کی ہے اور اسے اپنے اپنے اسلوب سے بیان اور نقل کیا ہے۔ ایک خاکہ نگار مصنف نے تو اسے اس انداز سے لکھا ہے کہ گویا یہ سو فیصد حقیقت ہو اور سچا ترین واقعہ ہو ہم اس کو اسی کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں پھر اس پر محدثین کی، محققین کی تحقیق پیش کریں گے۔

لکھتے ہیں: ''شہر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے بستر کا رخ کیا، اپنی پلکیں بند کیں جلد ہی نیند کی پری نے انھیں آغوش میں لے لیا وہ گہری نیند سو گئے۔ پوری کائنات پر خاموشی طاری تھی یوں معلوم ہوتا تھا کہ پوری کائنات سو گئی ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ خراٹے لینے لگے پھر نیند ہی میں ان کے جسم نے حرکت کی ان کا چہرہ مسرت سے دمکا، ان کے ہونٹوں پر ایک خفیف سا تبسم اُبھرا۔ انھوں نے خواب میں نبی حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید لباس زیب تن فرما رکھا ہے، بلال رضی اللہ عنہ لپک کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے، سلام عرض کیا اور آپ کے ساتھ کھڑے ہوئے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ بہت خوشی محسوس کر رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس لبوں کو حرکت ہوئی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کان لگا کر غور سے سننا چاہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے شکایتاً فرمایا بلال! ''یہ کتنی سخت دلی ہے کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم ہمیں ملنے کے لیے آجاتے۔'' حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آنکھ کھل گئی تو اُنھیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کی صدائے بازگشت سنائی دینے لگی۔ بلال یہ کتنی سخت دلی ہے، بلال یہ کتنی سخت دلی ہے۔ اس وقت بلال رضی اللہ عنہ کو بہت دکھ اور افسوس ہوا دل میں گہرا صدمہ محسوس کیا۔ پھر وہ پکار اُٹھے، سخت دلی، سنگ دلی نہیں یا رسول اللہ! کئی سال گزر گئے اور میں نے آپ کی مسجد کی زیارت نہیں کی۔ میں آپ کو ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں بھولا۔ میرے ہونٹ آپ

کے اسم مبارک کے ورد سے کبھی نہیں رُکے، میری زبان آپ پر درود بھیجنے سے کبھی قاصر نہیں رہی۔ میں ابھی کوچ کرتا ہوں، میں آپ کے شہر کی طرف چلتا ہوں آپ کی مسجد کی زیارت کے لیے۔

حضرت بلال دروازہ کی طرف بڑھے، دروازہ کھولا تو دیکھا کہ تاریکی نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ آسمان کی طرف دیکھا تو ستارے نظر آئے جو اپنی مدھم سی روشنی زمین پر بھیج رہے تھے، مگر اس روشنی سے گھمبیر اندھیرے میں کچھ کمی نہیں ہو رہی تھی۔ یہ رات بہت ہی تاریک و سیاہ تھی۔ دن نکلنے سے پہلے سفر کے لیے نکلنا ممکن نہ تھا، مگر صبح کب ہوگی؟ کیا بلال صبح تک انتظار کر سکیں گے؟ ان کے سینے میں شوق کی آگ بھڑک رہی تھی وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا، بلال رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں گھوم رہے تھے، وہ دروازے کی طرف جاتے، پھر واپس آتے، پھر انھیں خیال آیا کہ انھوں نے سامان سفر یعنی زادِ راہ تیار کرنا ہے، اور اب تک اس کا انتظام نہیں کیا۔ اب انھوں نے زادِ راہ کی تیاری شروع کر دی، تیاری ہو بھی چکی، لیکن ابھی تک رات ختم نہیں ہوئی تھی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اب رات کی طوالت سے اُکتا چکے تھے۔ وہ سوچتے کہ کاش میرے پر ہوتے کہ میں اڑ کر ابھی مدینۃ الرسول جا پہنچتا، اپنے محبوب کی مسجد میں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی بیوی کی آنکھ کھلی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اس کے خاوند گھر میں چل پھر رہے ہیں اور کچھ پریشان معلوم ہوتے ہیں۔ اس نے پوچھا آپ کو کیا ہوا ہے؟ میں یثرب جانا چاہتا ہوں۔ مگر کیوں؟

تاکہ میں نبی انور، حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کی زیارت کر سکوں۔

اگر آپ طلوع فجر تک سوئے رہتے تو بہتر نہ ہوتا۔

میری آنکھوں سے نیند اُڑ چکی ہے۔

آخر کار فجر کے آثار نمایاں ہونے لگے، دور افق میں روشنی کی کچھ چمک نمودار ہوئی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ تیزی سے گھر سے نکلے، اپنی سواری کی طرف بڑھے، اس پر سوار ہوئے، اسے ڈانٹا تو وہ تیزی سے مدینۃ الرسول کی طرف چل پڑی۔ آپ تھوڑی تھوڑی دیر بعد سواری کو تیز چلنے پر آمادہ

کرتے تاکہ آپ اس قافلے سے جاملیں جو ایک دن پہلے مدینہ کے لیے روانہ ہوا تھا۔ آپ کی سواری برابر بڑھتی چلی جارہی تھی۔ ایک لمبا سفر کرنے کے بعد آخر کار آپ قافلے سے جا ملے، اس لمبے سفر میں وہ خود کلامی سے دوچار رہے.......... آپ کے دل میں و دماغ اور نفس و ذہن پر رسول اللہ کی ناراضگی چھائی ہوئی تھی اور آپ آنحضرت ﷺ کے عتاب کے بارے میں ہی سوچتے رہے، آخر کار قافلہ مدینہ کے قریب جا پہنچا، مدینہ طیبہ کے مضافات آئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا دل بے تاب ہوکر مچلنے لگا۔ آپ نے اپنی سواری کو تیزی سے ہانکا اور قافلے سے علیحدہ ہو گئے، شہر محبوب میں داخل ہوئے تو آپ کا دل، آپ کے سینے میں شدت سے دھڑک رہا تھا، آپ خوف اور اُمید کے مابین کی کیفیت میں مبتلا تھے، اُمیدوار اشتیاق مسجد حبیب میں جلد پہنچنے کا، خوف اور ڈر آنحضرت ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں طویل غیر حاضری کے بعد حاضر ہونے کا۔ مسجد نبوی قریب آئی تو حضرت بلال کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی، بے قراری بڑھ گئی، ذوق وشوق میں اضافہ ہوا، سواری کو تیز کیا اور آخر کار مسجد نبوی کے دروازے پر پہنچ گئے، سواری کو بٹھایا، نیچے اترے، بڑے ادب واحترام سے آگے بڑھے، دروازہ سے اندر داخل ہوئے، جب قبر مبارک کے سامنے کھڑے ہوئے تو بے قراری بڑھ گئی، آنسو بہنے لگے، شدت جذبات سے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ السلام علیك يا رسول الله.

آپ کو اپنا گلا بند ہوتا ہوا محسوس ہوا، آنسو رکنے کا نام نہیں لیتے تھے، آنسو آپ کے رخساروں پر بہہ رہے تھے، خاموشی سے سر جھکا لیا، آپ کی روح، یادوں کے آکاش میں پرواز کرنے لگی، آنحضور ﷺ یاد آئے۔ جنگ وامن، آسانی ودشواری، جنگ وجدال، صلح وصفائی اور دکھ سکھ میں آپ کی شرکت یاد آئی تو یہ سب کچھ سوچ کر آپ کی بے پناہ بے قراری، بے چینی اور بے تابی کو قدرے سکون محسوس ہوا، راحت واطمینان کا ادراک ہوا، آپ یہیں کھڑے رہے اور وقت گزرتا رہا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو وقت گزرنے کا احساس نہیں ہو رہا تھا، ان کی روح، نبی کریم ﷺ کی روح مبارک کے ساتھ متصل تھی۔ یادوں کا سفر جاری رہا۔ رات شروع ہو چکی تھی۔ اس نے

کائنات کو اپنے پردوں سے ڈھانپ لیا تھا۔ بلال اپنی جگہ کھڑے تھے وہ اپنے اردگرد سے بالکل بے نیاز تھے۔ اتنے میں ایک آواز آئی: ''بلال! بلال! آپ اپنی اس بے خبری و وارفتگی کی کیفیت سے باہر آئے، سر اٹھایا اور جدھر سے آواز آرہی تھی ادھر متوجہ ہوئے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نظر آئے۔ آپ کے غم واندوہ میں اضافہ ہوگیا، آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے، آپ تیزی سے ان دونوں حضرات کی طرف بڑھے، انھیں اپنے سینے سے لگایا، چوما اور کہا۔ ''جب بھی میں آپ دونوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یاد آجاتے ہیں۔''

تھوڑی دیر خاموش رہے پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''آپ کب آئے۔'' جب سورج افق کی طرف جھک رہا تھا تو کاروان، مدینہ میں داخل ہوا تھا، میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے فوراً یہاں چلا آیا۔

آج رات آپ کہاں قیام فرمائیں گے؟ مسجد نبوی میں۔

آج رات آپ ہمارے یہاں ٹھہریں گے۔ ہمارے ساتھ تشریف لائیے۔ مزار اقدس سے چلے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں مختلف باتیں ہوتی رہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا۔ بلال رضی اللہ عنہ! جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی ہے آپ نے ہمیں اپنی آواز سے محروم کر رکھا ہے، ہماری خواہش ہے کہ کل فجر کی اذان آپ دیں۔'' حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں بلال رضی اللہ عنہ۔ آپ نے ہمیں اپنی شیریں آواز سے محروم کر دیا ہے۔ کیا آپ کل اذان فجر نہیں دیں گے؟

کیوں نہیں!

سب گھر میں داخل ہوگئے کسی نے ان کو نہ دیکھا، حضرت بلال نے رات قیام کیا۔ جب تاریکی کے نیام سے فجر کی تلوار باہر آئی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسجد نبوی کی طرف چل پڑے۔ مسجد کی چھت پر چڑھے۔ آپ نے فخر و رشک محسوس کیا۔ نسیم سحر اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔ آپ کے جسم کو باد صبا کے جھونکے لگے تو آپ تازہ دم ہوگئے۔ آپ نے آواز بلند کی تو مدینہ منورہ کی فضاؤں میں

یہ آواز گونجی۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر۔

اس آواز سے مدینہ کانپ اُٹھا۔ لوگوں نے سمجھا کہ وہ ایک خوبصورت خواب دیکھ رہے ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ کیا یہ بلال کی آواز ہے؟ حضرت بلال پکار اُٹھے۔

اشہد ان لا الہ الا اللہ۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ۔

لوگ اپنی نیند سے اُٹھ بیٹھے، ایک دوسرے سے کہنے لگے ''یہ بلال رضی اللہ عنہ ہیں، یقیناً مگر وہ تو شام تھے۔ شام سے کب واپس آئے اور کیوں؟'' لوگوں نے اپنے گھروں کے دروازے کھول دیے، وہ مسجد نبوی کی طرف یوں جارہے تھے جیسے ان پر کسی نے جادو کر دیا ہو۔ وہ بلال کی شیریں آواز کی گرفت میں تھے، حضرت بلال پکارے۔

اشہد ان محمد رسول اللہ۔ اشہد ان محمد رسول اللہ۔

لوگوں نے سر جھکا لیے۔ آواز حق، ان کے دلوں کے تاروں کو چھیڑ رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ عورتیں پردوں سے باہر نکلیں اور مسجد کی طرف بڑھیں۔ لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد سعادت یاد آ گیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا غم تازہ ہو گیا، آنسو بہہ پڑے، سر جھک گئے، ہر طرف خاموشی تھی، قبرستان کی سی خاموشی۔ اتنے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز بلند ہوئی، وہ نماز کے لیے بلا رہے تھے۔

حی علی الصلاۃ، حی علی الصلاۃ۔

مدینۃ النبی بیک زبان اس دعوت پر لبیک کہہ رہا تھا۔ لوگوں کی زبانوں پر لاحول ولا قوۃ الا باللہ، کے کلمات تھے۔'' حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز پھر اُبھری۔ حی علی الفلاح، حی علی الفلاح۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان مکمل کی تو لوگ اپنی جگہ پر ساکت وصامت کھڑے تھے، بلال چھت سے اتر کر ان میں شامل ہو چکے تھے، مگر لوگ اپنے اردگرد سے بیگانہ ابھی تک، ان کو آواز کے سحر میں ڈوبے ہوئے تھے۔ پھر لوگ آہستہ آہستہ، آپ کے گرد اکٹھے ہونے لگے وہ آپ کو سلام

کرتے اور خیر و عافیت دریافت کرتے، امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو آپ سے بغل گیر ہوئے، پھر نماز کھڑی ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ اللہ اکبر کہا تو سب لوگوں نے اللہ اکبر کہا، پھر وہ سب، اللہ رب العالمین کے حضور محو عبادت ہو گئے۔[1]

---

[1] اسنادہ موضوع۔ اس کی سند من گھڑت ہے۔ یہ ہے وہ داستان جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، اس سے مبتدعین کئی قسم کے استدلال کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی اُمت کا حال پوشیدہ نہیں آپ محبت کرنے والوں کو مدینہ میں بلاتے ہیں نیز قبر مبارک پر اپنا چہرہ رگڑنا وغیرہ۔ حوالہ جات کے لیے دیکھیں۔ شفاء السقام ص: (٥٢) الصارم المنكی ص (٣١٤) سیر اعلام النبلاء (١/٣٥٧، ٣٥٨) لسان المیزان (١/١٠٧، ١٠٨) الفوائد المجموعہ (ص: ٤٠) المصنوع فی معرفۃ الموضوع۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں اسنادہ لین و هو منكر۔ اس کی سند کمزور ہے اور یہ روایت منکر ہے۔

حافظ ابن حجر لسان المیزان میں کہتے ہیں وهی قصة بينة الوضع. یہ قصہ واضح طور پر من گھڑت ہے۔

علامہ شوکانی کہتے ہیں لا اصل له۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔

ملا علی قاری نے اس واقعہ پر موضوع کا حکم لگایا ہے۔

حافظ ابن عبدالہادی کہتے ہیں یہ اثر غریب و منکر ہے۔ واسناده مجهول وفيه انقطاع۔ اس کی سند مجہول ہے اور اس میں انقطاع ہے۔

اس میں ابراہیم بن محمد مجہول راوی ہے اور اس سے صرف محمد بن فیض نے یہ منکر اثر نقل کیا ہے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا عزیٰ بت کو منہدم کرنے کا واقعہ

روایت ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عزیٰ بت کو ڈھانے کے لیے روانہ کیا۔ یہ مقام نخلہ میں ایک مکان تھا قریش، کنانہ اور مضر وغیرہ سب قبائل اس کی تعظیم کرتے تھے۔ بنی سلیم کی شاخ بنی شیبان جو بنو ہاشم کے حلیف تھے اس مکان کے خادم تھے جب ان کو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اس طرف آنے کی خبر ہوئی تو اس بت خانے کے خدام کے سردار نے اس کے دروازے میں اپنی تلوار لٹکا دی اور کہا اے عزیٰ اس تلوار سے خالد اور اس کے لشکر کو اس قدر قتل کیجیے

کہ ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہے، اور پھر وہ خود پہاڑ پر بھاگ گیا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے یہاں پہنچ کر اس مکان کو مسمار کر دیا اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس چلے گئے۔[1]

[1] ابن ھشام مع الروض الانف (۲۰۳/٤) طبقات ابن سعد (۱٤٥/۲) تاریخ طبری (٦٥/۳) اس میں ولید بن جمع ہے جو صدوق ہے۔لیکن عدم اعتمادی کا شکار ہے۔ یہ روایت ضعیف ہے اور عزیٰ کی تباہی کے متعلق کوئی روایت صحیح ثابت نہیں ہے۔

لات بت کو توڑنے کے دلچسپ واقعہ کی حقیقت

واقعہ یہ ہے کہ قبیلہ ثقیف کے لوگ اپنے بت لات کو توڑنے سے خوف کھانے لگے انھیں اندیشہ ہوا کہ کہیں کوئی مصیبت نہ آ پڑے، ان کے وفد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ربّہ (اشارہ لات بت کی طرف ہے) کا کیا کریں آپ نے فرمایا کہ اسے روند ہی ڈالیں وہ بولے نہ نہ اگر لات کو علم ہو گیا کہ ہم اسے توڑنا اور روندنا چاہتے ہیں تو وہ ہمارے لوگوں کو قتل کر ڈالے گا۔ اس موقع پر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بولے "عبد یا لیل" بہت افسوس کی بات ہے تو کتنا نا سمجھ اور احمق ہے وہ لات تو پتھر ہے۔ وہ لوگ عمر رضی اللہ عنہ کی بات سن کر کہنے لگے اے ابن خطاب رضی اللہ عنہ ہم تیرے پاس تو نہیں آئے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے۔ حضرت آپ خود ہی اسے گرانے اور توڑنے کا بندوبست کریں۔ ہم تو اسے نہ گرائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کچھ لوگ بھیج دوں گا۔ جو اسے منہدم کر دیں گے۔ چنانچہ وہ وفد واپس چلا گیا اور آپ نے ایک جماعت بھیج دی جن میں ابو سفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ ثقفی شریک تھے۔ اس جماعت کے امیر حضرت خالد بن ولید تھے۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے اور بت کو توڑنے کا کام شروع ہوا تو قبیلہ کے تمام مرد، عورتیں بچے حتیٰ کہ پردہ نشین عورتیں بھی پردے سے باہر آ گئیں اور یہ لوگ وہاں سے دور چلے گئے۔ وہ لات کو منہدم ہوتا نہیں دیکھنا چاہتے تھے اور ان کا گمان تھا کہ وہ بت اپنی حفاظت خود کرے گا، چنانچہ مغیرہ بن شعبہ نے ایک بڑا سا کلہاڑا لیا اور پھر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے کیا میں تمھیں ایک تماشا نہ

دکھاؤں؟ ساتھیوں نے کہا: کیوں نہیں! تو انھوں نے اس کلہاڑے سے بت پر ایک ضرب لگائی اور ایک چیخ مار کر منہ کے بل گر گئے اور یہ ظاہر کیا کہ گویا بے ہوش ہو گئے ہیں۔ ادھر وادی طائف ان لوگوں کی خوشی اور شور و شغب سے گونج اُٹھی کہ لات نے مغیرہ کو گرا لیا ہے! اور بولے اب بتاؤ مغیرہ! اگر ہمت ہے تو اور مارو! کیا تمھیں خبر نہ تھی کہ یہ اپنے دشمن کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔ جس میں ہمت ہو آگے بڑھے اور اسے توڑ دکھائے! اللہ کی قسم! اس کا کچھ نہیں بگاڑا جا سکتا۔

وہ لوگ اسی قسم کی باتیں بنا رہے تھے کہ مغیرہ رضی اللہ عنہ ہنستے ہوئے اُٹھے اور بولے واللہ! اے بنو ثقیف! میں تمھارے ساتھ مذاق کر رہا تھا۔ یہ کمینی تو مٹی اور پتھر ہے۔ پھر دروازے پر چوٹ لگائی اور اسے پاش پاش کر دیا۔ پھر اس کی دیواروں پر چڑھ گئے اور اسے گرانے لگے حتیٰ کہ اسے زمین کے برابر کر دیا۔

اس کا چابی بردار بولا...... اس کی بنیاد کو ضرور غصہ آئے گا اور انھیں زمین میں دھنسا دے گا۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بولے مجھے چھوڑیے میں اس کی بنیاد بھی کھود ہی ڈالوں گا۔ حتیٰ کہ اس کی مٹی تک نکال باہر کی اور پھر اسے جلا کر خاکستر کر دیا اور اس کے اچھاڑ اور زیورات لے کر چلتے بنے۔[1]

---

[1] ادیان العرب فی الجاهلیة از نعمان بن الجارم (ص:۵۰) سیرة ابن هشام مع الروض الانف للسهیلی (۳۱۴/۴) طبع دار الکتب العلمیه بیروت۔ البدایه والنهایه (۳۴،۳۳/۵) ابن اسحاق نے اس کو بغیر سند کے بیان کیا ہے، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے موسیٰ بن عقبہ سے بغیر سند نقل کیا ہے، بغیر سند کے کسی واقعہ کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔

عمرو بن الجموع کا واقعہ اپنے بت کے ساتھ

ابو نعیم اصفہانی ''دلائل النبوۃ'' میں کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بیعت کرنے کے بعد جب انصار مدینہ طیبہ میں آئے تو اسلام خوب پھیلا۔ تاہم کچھ لوگ

اپنے عقیدہ شرک پر قائم تھے جن میں ایک عمرو بن جموع بھی تھے جب کہ ان کا بیٹا معاذ بن عمرو عقبہ میں نبی کریم ﷺ کی بیعت کر کے آیا تھا۔ عمرو بن جموع بنوسلمہ کے معزز ترین فرد اور سرداروں میں سے ایک سردار تھے۔ انھوں نے اپنے گھر میں لکڑی سے بنا ہوا ایک بت رکھا تھا جسے مناۃ کہتے تھے۔ دیگر سرداروں کا بھی یہی حال تھا وہ اس کی عبادت کرتے اور اسے صاف ستھرا رکھتے تھے۔ جب بنوسلمہ کے کچھ نوجوان جن میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور خود عمرو کے بیٹے معاذ بھی تھے اسلام لے آئے تو وہ اکثر عمرو بن جموع کا بت اُٹھا کر باہر لے جاتے اور بنوسلمہ کے کھودے ہوئے کسی گڑھے میں جہاں لوگوں نے کوڑا کرکٹ ڈالا ہوتا تھا منہ کے بل پھینک آتے۔ ایک دن عمرو نے صبح کے وقت قوم سے کہا۔ تمھارا برا ہو یہ رات کو ہمارے خدا کے ساتھ زیادتی کون کرتا ہے؟ پھر وہ بت کو تلاش کرنے نکلے جب وہ مل گیا تو اسے گھر لائے بت کو دھویا اسے صاف کیا اور خوشبو لگا کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا۔ پھر اسے کہنے لگے اللہ کی قسم! اگر مجھے معلوم ہو گیا کہ تمھارے ساتھ یہ حشر کس نے کیا ہے تو میں اسے ذلیل کر کے رکھ دوں گا۔

اگلی شام کو جب عمرو بن جموع سو گئے تو بنوسلمہ کے نوجوان پھر آئے اور بت کو پھر وہیں پھینک آئے۔ پھر آئے دن ایسا ہونے لگا اور عمرو ہر بار اسے ڈھونڈ کر لاتے اور دھو کر اپنی جگہ رکھ دیتے۔

ایک دن حسب معمول انھوں نے بت کو دھو کر خوشبو لگا کر اور صاف کر کے اپنی جگہ رکھا اور اپنی تلوار لے کر اس کے کندھے پر لٹکا دی اور کہا اے بت مجھے معلوم نہیں کہ روزانہ تیرا یہ حشر کون کرتا ہے۔

اگر تجھ میں کوئی بھلائی ہے تو آج اس تلوار کے ساتھ خود ہی مقابلہ کر لینا۔ جب رات پڑی اور عمرو بن جموع نیند کی وادی میں جا بسے تو مسلمان نوجوان آئے۔ دیکھا تو تلوار بت کے کندھے پر لٹک رہی تھی تلوار اُنھوں نے اتار لی اور باہر لے جا کر ایک مرا ہوا کتا رسی کے ذریعے بت کے ساتھ باندھ دیا اور کوڑا کرکٹ کے کسی گڑھے میں پھینک آئے۔

عمرو بن جموع نے صبح جب بت کو موجود نہ پایا تو اس کی تلاش میں نکلا۔ جب وہ ملا تو دیکھا کہ بت گندگی میں پڑا ہے اور ساتھ ایک مرا ہوا کتا بھی بندھا ہے۔

عمرو بن جموع نے جب اس کی حالت زار دیکھی تو اس سے متنفر ہو گئے۔ پھر جب بنو سلمہ کے مسلمان افراد نے آپ کو مے توحید الٰہی کا ایک گھونٹ پلایا تو آپ کی زبان پر کلمہ جاری ہو گیا اور پکے سچے مسلمان ہو گئے۔[1]

---

[1] سیرة ابن هشام مع الروض الانف للسهيلی جلد دوم، ص:۲۷۸۔ محمد بن اسحاق نے اس کی کوئی سند بیان نہیں کی اس لیے یہ روایت ضعیف و منقطع ہے۔ عمرو بن جموع کے حالات کے لیے دیکھیں الثقات (۳/۲۷۶) الاصابه (۲/۵۲۹) الاستيعاب (۳/۱۱۶۸) اديان العرب فی الجاهلية (ص: ۱۵۷).

دشت تو دشت دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے، بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

ابن رفیل سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے نہر شیر میں پڑاؤ کیا یہ دریائے دجلہ سے ادھر کا شہر ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کشتیاں طلب کیں تا کہ دریا عبور کر کے دوسری طرف والے شہر (مدائن) میں اپنا لشکر لے جائیں مگر وہاں کچھ نہ ملا۔ ایرانیوں نے تمام کشتیاں قبضے میں کر لی تھیں۔

تو اہل اسلام نہر شیر میں ماہ صفر کے چند دن اقامت پذیر رہے۔ وہ دریا عبور کرنا چاہتے تھے مگر مسلمانوں کی جانیں تلف ہونے کا خطرہ اس سے مانع تھا۔ تا آنکہ ان کے پاس کچھ عجمی کافر آئے، انھوں نے بتلایا کہ دریا میں فلاں جگہ گھٹنے کی جگہ ہے (تھوڑا پانی ہے) جہاں سے وہ وادی میں اتر سکتے ہیں۔ مگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے انکار کیا اور تردد میں پڑ گئے پھر اچانک دریا میں طوفان آ گیا۔

ایک روز آپ رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ مسلمانوں کے گھوڑے دریا میں گھس گئے ہیں اور اسے عبور کرلیا ہے اور چڑھے ہوئے دریا کے باوجود ایک عظیم معاملہ ظاہر کر دکھایا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس خواب کو عملی شکل دینے کی ٹھان لی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے لشکر کو جمع کیا اور اللہ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا تمھارا دشمن اس دریا کے سبب تم سے محفوظ ہے۔ تم دشمنوں تک نہیں پہنچ سکتے مگر وہ جب چاہیں تم تک پہنچ سکتے ہیں وہ تمھیں پکڑ کر کشتیوں میں بٹھالیں گے۔ جبکہ پیچھے کی طرف سے کسی حملہ آور کا کوئی ڈر نہیں ہے۔ اس لیے میں نے اس دریا کو عبور کر کے دشمن تک پہنچنے کا صمیم عزم کرلیا ہے۔ تو سب لشکریوں نے کہا اللہ آپ رضی اللہ عنہ کو اور ہمیں ہدایت پر گامزن رکھے، آپ رضی اللہ عنہ اپنا ارادہ پورا کریں۔

تو آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو دریا عبور کرنے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا تم میں سے کون ہے جو لشکر کی حفاظت کے لیے پہل کرتا ہے تا کہ دوسرے بھی اس کے پیچھے چل پڑیں اور ان کے لیے اس راہ پر نکلنے سے کوئی رکاوٹ نہ رہے تو عاصم بن عمر لبیک کہتے ہوئے سامنے آگئے ان کے ساتھ اہل نجدات کے چھ سو آدمی بھی نکل آئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عاصم بن عمر کو ان کا امیر بنایا عاصم انھیں لے کر دجلہ کے کنارے پر جا کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اپنے لشکر کی حفاظت کے لیے کون میرے ساتھ دریا میں کودنے کے لیے تیار ہے؟ تو ان میں سے ستر آدمی تیار ہوئے۔ انھوں نے دو صفیں بنادیں کچھ گھوڑوں پر سوار تھے اور کچھ گھوڑیوں پر، یہ اس لیے کیا تا کہ گھوڑے آسانی سے ایک دوسرے کے پیچھے چل پڑیں۔ پھر وہ دریا میں داخل ہو گئے۔ پھر جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ باقی لشکر عاصم رضی اللہ عنہ کی پیروی نہیں کر رہا تو آپ رضی اللہ عنہ نے تمام لشکر کو (بیک وقت) دریا میں کود پڑنے کا آرڈر دے دیا اور فرمایا: یہ پڑھو:

((نَسْتَعِينُ بِاللّٰهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ))

''ہم اللہ سے مدد چاہتے ہیں اسی پر بھروسا رکھتے ہیں۔ وہ ہمیں کافی ہے وہ سب سے بہتر ذمہ دار ہے اور خدائے بلند و عظیم کے سوا کسی کی پناہ ہے نہ طاقت۔''

چنانچہ تمام لشکر آگے پیچھے چلتا ہوا دریا کے وسط پر سوار ہو گیا۔ دجلہ طغیانی کے سبب ان دنوں جھاگ اڑا رہا تھا اور پانی کا سیاہ رنگ تھا مگر اہل لشکر باتیں کرتے ہوئے تیرتے جا رہے تھے، وہ باہم گفتگو کرنے کے لیے ایک دوسرے سے قریب ہو گئے تھے جیسے زمین پر سفر کرتے ہوئے ان کا طریقہ کار ہوتا تھا۔

اہل فارس یہ منظر دیکھ کر بوکھلا اُٹھے یہ ماجرا تو ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ اُنھوں نے فوراً اپنا سامان اکٹھا کیا اور شہر خالی کر گئے۔ اسلامی لشکر صفر ۱۶ھ میں وہاں داخل ہوا اور کسریٰ کے محلات میں سے باقی ماندہ تین کروڑ درہم انھیں ملا۔ علاوہ ازیں شاہ فارس شیرویہ اور اس کے بعد والوں نے جو کچھ جمع کر رکھا تھا سب کچھ ان کے ہاتھ لگا۔

ہمیں شعیب نے یوسف سے اور اُنھوں نے ایک راوی کے ذریعے ابو عثمان نہدی سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے دریا عبور کرنے کے لیے لوگوں کو دعا سکھلانے کا واقعہ روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سواروں، پیادوں اور جانوروں سے دجلہ کا چہرہ ڈھانپ دیا اور دریا سے پار کھڑا کوئی شخص دجلہ کا پانی دیکھ نہ پاتا تھا۔ گھوڑوں نے ہمیں دوسرے کنارے پر جا اتارا۔ گھوڑے گردن کے بال جھٹکتے ہوئے ہنہنانے لگے، دشمن فوج نے جب یہ دیکھا تو اُلٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوئے۔

ابوبکر بن حفص بن عمر سے روایات ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو پانی میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ساتھ لے جا رہے تھے گھوڑے لوگوں کو لے کر پانی پر تیرنے لگے حضرت سعد رضی اللہ عنہ ایسے میں کہہ رہے تھے:

((حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ، وَاللّٰهِ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ وَلِيَّهُ وَلَيُظْهِرَنَّ دِيْنَهُ وَلَيَهْزِمَنَّ عَدُوَّهُ اِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي الْجَيْشِ بَغْيٌ اَوْذُنُوْبٌ تَغْلِبُ عَلَى الْحَسَنَاتِ))

''ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی سب سے بہتر کارساز ہے۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے دوست کی مدد کرتا ہے۔ اپنے دین کو غالب رکھتا ہے اور اپنے دشمن کو شکست دیتا ہے۔ اگر لشکر میں بدی اور گناہ نہ ہوں تو یہ نیکیوں پر حکمران بن جائیں۔''

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہا: اسلام واقعتاً اسی عظمت کے لائق ہے۔ اللہ کی قسم! اہل اسلام کے لیے سمندر بھی ایسے ہی تابع کر دیے گئے ہیں جیسے خشکی اور اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں سلمان کی جان ہے۔ یہ لشکر جس طرح دریا میں اترا تھا اسی طرح گروہ در گروہ باہر نکل جائے گا۔

چنانچہ دریا کا چہرہ چھپ گیا اور کنارے سے دریا کا پانی نظر نہ آرہا تھا اہل لشکر خشکی کی نسبت دریا میں زیادہ باتیں کر رہے تھے تا آنکہ وہ پار نکل گئے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کسی کا کچھ نقصان نہ ہوا اور نہ ہی کوئی پانی میں غرق ہوا۔

سیف نے ابوعمرو ثاب سے اور انھوں نے ابوعثمان نہدی سے روایت کیا ہے کہ سب اہل لشکر سلامتی سے نکل گئے۔ البتہ بنی بارق کا ایک آدمی جسے عرقدہ کہتے تھے اپنے سرخ و زرد گھوڑے کی پشت سے پھسل گیا۔ آج بھی وہ منظر میرے سامنے ہے جب اس کا گھوڑا اپنے بال جھٹک رہا تھا اور آدمی پانی میں تیرنے لگا۔ قعقاع بن عمرو نے اپنے گھوڑے کی لگام اس کی طرف پھیری۔ اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچ کر کنارے پر پہنچا دیا۔

ایک آدمی کا پیالہ گم ہوگیا، دریا نے واپس کر دیا:

کہتے ہیں پانی میں لشکر کی کوئی چیز نہ گری البتہ ایک آدمی کا پیالہ جس کی رسی پرانی ہو چکی تھی جو ٹوٹ گئی اور اسے پانی بہا لے گیا۔ جو شخص پیالے والے آدمی کے ساتھ دریا پر تیر رہا تھا اس نے اسے عار دلاتے ہوئے کہا قدرت کا فیصلہ پیالے کو آپہنچا اور وہ ضائع ہوگیا (اب افسوس کس کا؟)

اس نے کہا اللہ کی قسم! مجھے تو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام لشکر میں سے میرا پیالہ مجھ سے نہ چھینے گا۔

چنانچہ جب لوگ کنارے پر اترے تو ایک آدمی جو سب سے پہلے دریا میں اترنے والوں میں سے تھا وہی پیالہ ہاتھ میں لیے کھڑا تھا کیونکہ ہواؤں اور پانی کی لہروں نے اسے دھکیلتے ہوئے کنارے پر لا پھینکا تھا۔ جسے اس آدمی نے اپنے نیزے سے پکڑ لیا اور لشکر میں لے آیا۔ چنانچہ پیالے والے نے اسے پہچان کر لے لیا۔

سیف نے قاسم بن ولید سے اور انھوں نے عمیر صائدی سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں

جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ لشکر کو لے کر دجلہ میں داخل ہو گئے۔ جبکہ ان کے ساتھ ساتھ چلنے والے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے (بے اختیار) کہا ذالك تقدير العزيز العلیم. یہ غالب علم والے خدا کی قدرت کے سوا کیا ہے؟

حالت یہ تھی کہ پانی لشکر کو لے کر چل رہا تھا اور گھوڑے بدستور سیدھے کھڑے تھے۔ جب وہ کھڑے کھڑے تھک جاتے تو پانی میں سے ریت کی ڈھلوان سی نمودار ہو جاتی اور وہ اس پر یوں آرام کر لیتے جیسے خشکی پر کرتے ہیں۔

مدائن میں اس سے بڑھ کر اور کون سی عجیب تر چیز ہو سکتی تھی اسی لیے یوم مدائن کو یوم جراثیم کہتے ہیں۔ کیونکہ جب بھی کوئی گھوڑا تھک جاتا تھا اس کے لیے ایک جرثومہ (ریت کا تودہ) نمودار ہو جاتا جس پر وہ آرام کر لیتا۔

سیف نے اسماعیل بن ابو خالد کے واسطہ سے قیس بن ابو حازم سے روایت کی ہے کہتے ہیں جب ہم دجلہ میں داخل ہوئے تو وہ کناروں تک بھرا ہوا تھا مگر جہاں زیادہ گہرا پانی تھا وہاں یہ حالت تھی کہ گھڑ سوار کھڑا رہتا اور پانی اس کی زین کی رسی کو پہنچ نہ پاتا تھا۔

سیف نے اعمش کے واسطہ سے حبیب بن صہبان ابی مالک سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں یوم مدائن میں مسلمان جب دجلہ کو عبور کر رہے تھے تو اہل مدائن نے انھیں دیکھ کر فارسی میں یہ کہنا شروع کر دیا ''دیوانہ آمد'' پاگل آ گئے اور وہ آپس میں کہنے لگے اللہ کی قسم! تم انسانوں سے جنگ نہیں کر رہے تمھارا مقابلہ جنوں سے ہے اور وہ بھاگ اُٹھے۔ [1]

---

[1] اسنادہ موضوع۔ اس کی سند من گھڑت ہے۔ دلائل النبوۃ ص: ۵۲۵ مترجم۔ اس قصہ کا مرکزی راوی سیف بن عمر الضبی تمیمی ہے اور یہ محدثین کے نزدیک کذاب ہے۔ اسی نے اس واقعہ کو گھڑا ہے اور اس کی مختلف سندیں تیار کی ہیں۔ ابوداؤد کہتے ہیں لیس بشیء یہ کچھ نہیں۔ ابوحاتم کہتے ہیں متروک ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں یہ متہم بالزندقہ ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں اس کی حدیث منکر ہے۔ مزید دیکھیں تہذیب الکمال (۵٦٦/۱) تہذیب التہذیب (۲۹۵/٤) تقریب التہذیب (۳٤٤/۱) خلاصہ تہذیب الکمال (٤۳٦/۱) الکاشف (٤۱٦/۱) الجرح والتعدیل (۱۱۹۸/٤) الوافی بالوفیات (٦٦/۱٦) ابو زرعہ الرازی (۳۲۰

المعرفة ليعقوب (۵۸،۲۹/۳) الضعفاء والمتروكين للنسائي ترجمه (۲۵٦) ، المجروحين لابن حبان (۳٤٥/۱) ضعفاء الدارقطني ترجمه (۲۸۳) ، المغني (۱ترجمه (۲۷۱٦) الكشف الحثيث (۳۳۵).

دحیہ کلبی حضور ﷺ کا خط لے کر قیصر کے پاس، آج رات میرے رب نے اس کے رب کو قتل کر دیا ہے

روایت ہے کہ حضرت دحیہ کلبی قیصر کو حضور ﷺ کا خط دے کر واپس آئے تو وہاں کسریٰ کے صنعاء علاقے کے جو گورنر تھے ان کی طرف سے قاصد آئے ہوئے تھے اور کسریٰ نے صنعاء کے گورنر کو دھمکی آمیز خط لکھا تھا اور بڑے زور سے لکھا تھا کہ تم اس آدمی کا (یعنی نبی کریم ﷺ) کا کام تمام کردو جو تمھارے علاقے میں ظاہر ہوا ہے اور وہ مجھے اس بات کی دعوت دے رہا ہے کہ یا تو میں اس کا دین قبول کرلوں نہیں تو میں اسے جزیہ دینے لگ جاؤں اور اگر تم نے اس کا کام تمام نہ کیا تو میں تم کو قتل کردوں گا اور تمھارے ساتھ ایسا ویسا کروں گا، چنانچہ صنعاء کے گورنر نے حضور ﷺ کے پاس پچیس آدمی بھیجے جن کو حضرت دحیہ نے حضور ﷺ کے پاس موجود پایا۔ جب ان کا نمائندہ حضور ﷺ کو خط سنا چکا تو حضور ﷺ نے ان کو پندرہ دن تک کچھ نہ کہا۔ جب پندرہ دن گزر گئے تو یہ لوگ آپ کے سامنے آئے جب آپ نے ان کو دیکھا تو ان کو بلا لیا اور ان سے فرمایا کہ جا کر اپنے گورنر سے کہہ دو کہ آج رات میرے رب نے اس کے رب کو قتل کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے اور اپنے گورنر کو ساری سرگزشت سنائی اس نے کہا کہ اس رات کی تاریخ یاد رکھو اور یہ بھی کہا کہ مجھے بتاؤ کہ تم نے ان کو (یعنی نبی کریم ﷺ کو) کیسا پایا تو انھوں نے کہا کہ ہم نے ان سے زیادہ برکت والا کوئی بادشاہ نہیں دیکھا وہ عام لوگوں میں بلا خوف وخطر چلتے پھرتے ہیں، ان کا لباس معمولی اور سیدھا سادھا ہے۔ ان کا کوئی پہرے دار اور محافظ نہیں ہے۔ ان کے سامنے لوگ اپنی آواز بلند نہیں کرتے۔ حضرت دحیہ فرماتے ہیں کہ پھر یہ خبر آگئی کہ کسریٰ ٹھیک اسی

رات قتل کیا گیا جو رات آپ نے بتائی تھی۔ ①

① اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ ہیثمی مجمع الزوائد (۳۰۹/۵) کتاب الجهاد رقم الحديث (۹۵۹۱) میں کہتے ہیں اس کو بزار (رقم ۲۳۷٤) میں روایت ہے اس کی سند یہ ہے عن ابراهيم بن اسماعيل بن يحيى بن سلمه اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں جبکہ یہ دونوں ضعیف ہیں۔

عتبہ کا حضور ﷺ کو لالچ دینا سرداری، علاج اور دولت کی پیشکش

حضور ﷺ کا سورۃ فصلت تلاوت کرنا

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: مسند عبد بن حمید میں حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ سے منقول ہے کہ ایک دن قریشیوں نے جمع ہو کر آپس میں مشاورت کی کہ جادو، کہانت اور شعر وشاعری میں جو سب سے زیادہ ہوا سے ساتھ لے کر اس شخص کے پاس چلیں۔ (یعنی آنحضرت ﷺ) جس نے ہماری جماعت میں تفریق ڈال دی ہے اور ہمارے کام میں پھوٹ ڈال دی ہے اور ہمارے دین میں عیب نکالنا شروع کر دیا ہے وہ اس سے مناظرہ کرے اور اسے ہرا دے اور لاجواب کر دے سب نے کہا کہ ایسا شخص تو ہم میں سوائے عتبہ بن ربیعہ کے اور کوئی نہیں۔

چنانچہ یہ سب مل کر عتبہ کے پاس آئے اور اپنی متفقہ خواہش ظاہر کی۔ اس نے قوم کی بات رکھ لی اور تیار ہو کر حضور ﷺ کے پاس آیا۔ آ کر کہنے لگا کہ اے محمد (ﷺ)! یہ تو بتاؤ تو اچھا ہے یا عبداللہ؟ (یعنی آپ کے والد صاحب) آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے دوسرا سوال کیا تو اچھا یا تیرا دادا عبدالمطلب؟ حضور ﷺ اس پر بھی خاموش رہے۔ وہ کہنے لگا سن! اگر تو اپنے دادوں کو اچھا سمجھتا ہے تب تو تمھیں معلوم ہے وہ انہی معبودوں کو پوجتے رہے جن کو ہم پوجتے ہیں اور جن کی تو عیب گیری کرتا رہتا ہے اور اگر تو اپنے آپ کو ان سے بہتر سمجھتا ہے تو ہم سے بات کر ہم بھی تیری باتیں سنیں۔ قسم اللہ کی دنیا میں کوئی انسان اپنی قوم کے لیے تجھ سے زیادہ ضرر رساں

پیدا نہیں ہوا۔ تو نے ہماری شیرازہ بندی کو توڑ دیا۔ تو نے ہمارے اتفاق کو نفاق سے بدل دیا۔ تو نے ہمارے دین کو عیب دار بتایا اور اس میں برائی نکالی۔ تو نے سارے عرب میں ہمیں بدنام اور رسوا کر دیا۔ آج ہر جگہ یہی تذکرہ ہے کہ قریشیوں میں ایک جادوگر ہے۔ قریشیوں میں کاہن ہے۔ اب تو یہی ایک بات باقی رہ گئی ہے کہ ہماری آپس میں سر پھٹول ہو، ایک دوسرے کے سامنے ہتھیار لگا کر آجائیں اور یونہی لڑا بھڑا کر تو ہم سب کو فنا کر دینا چاہتا ہے، سن! اگر تجھے مال کی خواہش ہے تو لے ہم سب مل کر تجھے اس قدر مال جمع کر دیتے ہیں کہ عرب میں تیرے برابر کوئی اور تونگر نہ نکلے اور تجھے شادی کی خواہش ہے تو ہم میں سے جس کی بیٹی تجھے پسند ہو تو بتا ہم ایک چھوڑ دس دس شادیاں تیری کرا دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ کہہ کر اب اس نے ذرا سانس لیا تو حضور ﷺ نے فرمایا بس کہہ چکے؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اب میری سنو! چنانچہ آپ نے ((بسم اللہ)) پڑھ کر اسی ((سورۃ فصلت)) کی تلاوت شروع کی اور تقریباً ڈیڑھ رکوع ﴿مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ﴾ تک پڑھا اتنا سن کر عتبہ بول پڑا بس کیجیے بس کیجیے آپ کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ اب یہ یہاں سے اُٹھ کر چل دیا قریش کا مجمع اس کا منتظر تھا۔ اُنھوں نے دیکھتے ہی پوچھا کہو کیا بات رہی؟ عتبہ نے کہا سنو! تم سب مل کر جو کچھ اسے کہہ سکتے تھے میں نے اکیلے ہی وہ سب کچھ کہہ ڈالا۔

اُنھوں نے کہا پھر اس نے کچھ جواب بھی دیا کہا ہاں جواب تو دیا لیکن باللہ میں تو ایک حرف بھی اس کا سمجھ نہیں سکا البتہ اتنا سمجھا ہوں کہ اُنھوں نے ہم سب کو عذاب آسمانی سے ڈرایا ہے جو عذاب قوم عاد، ثمود پر آیا تھا اُنھوں نے کہا تجھے اللہ کی مار ایک شخص عربی زبان میں جو تیری زبان ہے تجھ سے کلام کر رہا ہے اور تو کہتا ہے میں سمجھا ہی نہیں کہ اس نے کیا کہا؟ عتبہ نے جواب دیا کہ میں سچ کہتا ہوں بجز ذکر عذاب کے میں کچھ نہیں سمجھا۔ [1]

[1] اسنادہ ضعیف۔ مصنف ابن ابی شیبۃ (١٤/٢٩٥، ٢٩٧) مسند ابی یعلیٰ (٣/٣٤٩) (١٨١٨) دلائل النبوۃ بیهقی (٢/٢٠٢، ٢٠٤) اس میں زیال بن حرملہ مجہول الحال ہے اور اس کی توثیق صرف ابن حبان نے کی

ہے۔ الثقات (٤/٢٢٢،٢٢٣) نیز اس میں اجلح الکندی کو نسائی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ اس روایت کا دارومدار انہی دونوں پر ہے۔ دلائل النبوۃ ابی نعیم اصفہانی اُردو ترجمہ ص: ۲۱۵۔ اس کی سند میں مثنیٰ بن زرعہ مجہول ہے۔ مزید دیکھیں مجمع الزوائد (٦/٢٠) رقم (٩٨٢٤) اس کو بزار اور طبرانی نے بھی روایت کیا ہے اس کی سند میں معلیٰ بن عبدالرحمٰن کذاب ہے۔ سیرت ابن ہشام مع الروض الانف (۲/۴۷) مرسل سند کے ساتھ۔ اس کو حافظ ابن کثیر نے بغوی (۱۸۶۳) کے حوالے سے بھی روایت کیا ہے اس کی سند بھی کمزور ہے۔

معراج کی رات حضور ﷺ کی ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات اُمت محمدیہ کو سلام اور لاحول ولاقوۃ...... کی فضیلت

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے ارشاد فرمایا جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں نے آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ تمھارے ساتھ کون ہیں؟

حضرت جبریل علیہ السلام نے جواباً فرمایا میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مجھے خوش آمدید اور مرحبا کہا پھر فرمایا اپنی اُمت کو حکم دیجیے کہ وہ جنت میں اپنے لیے پودے لگالیں۔ کیونکہ جنت کی مٹی بڑی پاکیزہ اور اس کی زمین بڑی کشادہ ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں میں نے سوال کیا کہ جنت میں پودے لگانے کا کیا طریقہ ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ کثرت سے پڑھنا جنت میں پودے لگانا ہے۔ [1]

[1] اسناده ضعيف ـ اخرجه الطبری (٢٣٠٩٩) اس کی سند ابوصخر حمید بن زیاد کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دعوت مصطفیٰ ﷺ اور ایک سو بیس سالہ گستاخ رسول بوڑھا

حضرت عبداللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضور ﷺ نبوت کے بعد تین سال تک

چھپ کر دعوت کا کام کرتے رہے پھر چوتھے سال آپ نے علی الا اعلان دعوت کا کام شروع کر دیا جو وہاں دس سال تک چلتا رہا۔ اس عرصہ میں آپ موسم حج میں بھی دعوت کا کام کیا کرتے تھے اور عکاظ اور مجنہ اور ذی المجاز بازاروں میں حاجیوں کے پاس ان کی قیام گاہوں میں جایا کرتے تھے اور انھیں اس بات کی دعوت دیا کرتے تھے کہ وہ آپ کی مدد کریں اور آپ کی حفاظت کریں تاکہ آپ اپنے رب عزوجل کا پیغام پہنچا سکیں اور ان کو اس کے بدلہ میں جنت ملے گی لیکن آپ اپنی مدد کے لیے کسی کو بھی تیار نہ پاتے۔ حتی کہ آپ ایک ایک قبیلہ کے بارے میں اور اس کی قیام گاہ کے بارے میں پوچھتے اور ہر قبیلہ کے پاس جاتے اور اسی طرح چلتے چلتے آپ بنی عامر بن صعصعہ کے پاس پہنچے۔ آپ کو کبھی کسی کی طرف سے اتنی اذیت نہیں پہنچی جتنی ان کی طرف سے پہنچی یہاں تک کہ جب آپ ان کے پاس سے واپس چلے تو وہ آپ کو پیچھے سے پتھر مار رہے تھے۔ پھر آپ بنو محارب بن خصفہ کے پاس تشریف لے گئے ان میں آپ کو ایک بوڑھا ملا جس کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ آپ نے اس سے گفتگو فرمائی اور اس کو اسلام کی دعوت دی اور اس بات کی دعوت دی کہ وہ آپ کی مدد اور حفاظت کرے تاکہ آپ اپنے رب کا پیغام پہنچا سکیں۔ تو اس بوڑھے نے جواب دیا او آدمی! تیری قوم تیرے حالات کو (ہم سے) زیادہ جانتی ہے۔ اللہ کی قسم! جو بھی تجھے اپنے ساتھ اپنے علاقہ میں لے کر جائے گا۔ وہ حاجیوں میں سے سب سے زیادہ بری چیز کو لے کر جائے گا۔ (نعوذ باللہ) اپنے آپ کو ہم سے دور رکھو۔ یہاں سے چلے جاؤ اور ابولہب وہاں کھڑا ہوا اُس محاربی بوڑھے کی باتیں سن رہا تھا تو وہ اس محاربی بوڑھے کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگا۔ اگر سارے حاجی تیری طرح (سخت جواب دینے والے) ہوتے تو یہ آدمی اپنے دین کو چھوڑ دیتا۔ یہ ایک بے دین اور جھوٹا آدمی ہے (نعوذ باللہ)۔ اس محاربی بوڑھے نے جواب دیا تم اس کو زیادہ جانتے ہو یہ تمھارا بھتیجا اور رشتہ دار ہے۔ اے ابو عتبہ! شاید اسے جنون ہے ہمارے ساتھ قبیلہ کا ایک آدمی ہے جو اس کا علاج جانتا ہے۔ ابولہب نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن وہ جب بھی آپ کو عرب کے کسی قبیلہ کے پاس کھڑا ہوا دیکھتا تو دور ہی سے چلا کر کہتا یہ بے

دین اور جھوٹا آدمی ہے۔ ①

① اسنادہ ضعیف ۔ دلائل النبوۃ ابی نعیم اصفہانی (۲۷۱/۱) اس میں محمد بن عمر الواقدی متروک اور سخت مجروح ہے۔

اے اللہ آج شام تک میں اس سے راضی ہوں تو بھی راضی ہو جا

قصہ عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کا

ابونعیم کہتے ہیں واقدی نے غزوہ تبوک کے معجزات میں یہ بھی ذکر کیا ہے جو ہمیں محمد بن احمد بن حسن نے ان کو حسن بن جہم نے ان کو حسین بن خرج نے اور ان کو محمد بن عمر نے بتلایا ہے کہ عبداللہ ذوالبجادین غزنی یتیم اور بے مایہ تھے ان کا باپ مرا تو میراث میں ان کے لیے کچھ نہ چھوڑ گیا۔ ان کا چچا مالدار تھا۔ اس نے اُنھیں اپنی کفالت میں لے لیا تا آنکہ وہ مالدار ہو گئے ان کے پاس اونٹوں، بکریوں اور غلاموں کی ایک کھیپ جمع ہو گئی۔

نبی کریم ﷺ جب مدینہ طیبہ کو ہجرت کر گئے تو ان کا دل اسلام لانے کے لیے تڑپنے لگا۔ مگر چچا سے بچ کر جا نہ سکتے تھے۔ اسی حالت پر کئی سال گزر گئے تمام غزوات رونما ہو چکے اور نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے بعد مدینہ طیبہ لوٹ گئے۔ تب عبداللہ نے اپنے چچا سے کہا۔ چچا! میں تمھارے اسلام لانے کا منتظر تھا مگر تم تو محمد (ﷺ) کو نبی مانتے ہوئے نظر نہیں آرہے۔ تو مجھے اسلام قبول کرنے کی اجازت دے دو۔ اس نے کہا اللہ کی قسم! اگر تم نے محمد (ﷺ) کی پیروی کی تو میں نے جو کچھ تمھیں دیا ہے چھین لوں گا، عبد عزیٰ نے (یہ عبداللہ کا پہلا نام تھا) کہا میں تو اللہ کی قسم! محمد ﷺ) کی پیروی کر چکا ہوں اور پتھروں کی پرستش سے رک گیا ہوں۔ جو کچھ تم نے مجھے دیا تھا یہ :ا ہے سنبھال لو، چچا نے سب کچھ لے لیا اور کپڑے تک اتروا لیے۔ وہ اپنی والدہ کے پاس ئے۔ اس نے انھیں ایک کمبل دیا اُنھوں نے اس کے دو ٹکڑے کیے ایک کا تہبند بنا لیا اور

دوسرے کی چادر، اور چلتے چلتے مدینہ پہنچ گئے۔ سحری کے وقت مسجد میں آ کر لیٹ گئے۔ نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھائی اور فارغ ہو کر ایک ایک آدمی کو بنظر غائر دیکھنے لگے اس نو وارد کو آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا تم کون ہو؟ اُنھوں نے کہا میں عبدعزیٰ ہوں آپ ﷺ نے فرمایا تم عبداللہ ذوالبجادین (دوکمبلوں والا) ہو پھر فرمایا تم میرے قریب رہا کرو تو وہ نبی کریم ﷺ کے مہمانوں میں سے تھے۔ آپ ﷺ انھیں قرآن کریم سکھلایا کرتے تا آنکہ انھوں نے بہت سا قرآن یاد کر لیا۔ پھر صحابہ تبوک جانے کی تیاری کرنے لگے۔ عبداللہ بلند آواز آدمی تھے پوری آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس اعرابی کی آواز آپ ﷺ نے سنی ہے کتنا زور سے قرآن پڑھتا ہے اور دوسروں کو پڑھنے نہیں دیتا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا عمر رضی اللہ عنہ اسے چھوڑ دو یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے آیا ہے۔

جب صحابہ تبوک کو روانہ ہوئے تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے لیے شہادت کی دعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس کسی درخت کا چھلکا لاؤ۔ وہ لے آئے۔ نبی کریم ﷺ نے اسے ان کے بازو پر باندھ دیا اور فرمایا اے اللہ میں اس کا خون کفار پر حرام قرار دیتا ہوں۔ اُنھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں تو ایسا نہیں چاہتا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا جب تم راہ خدا میں جہاد کے لیے نکلو اور تمھیں بخار آ لے جس کے صدمے سے تم فوت ہو جاؤ تو تم شہید ہو اور اگر راہ خدا میں تمھاری سواری کا جانور تمھیں گرا کر تمھاری گردن توڑ کر مار دے تو بھی تم شہید ہو ان دونوں میں سے کوئی تمھیں ملے گی۔ جب صحابہ نے تبوک میں پڑاؤ کیا اور وہاں چند دن ٹھہرے تو اسی دوران (بخار سے) عبداللہ ذوالبجادین فوت ہو گئے۔

بلال بن حارث مزنی کہا کرتے تھے میں اس وقت نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آگ کا شعلہ لیے قبر کے پاس کھڑے تھے اور نبی کریم ﷺ قبر میں تھے جبکہ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما عبداللہ رضی اللہ عنہ کے جسد خاکی کو آپ ﷺ کے قریب لا رہے تھے اور آپ ﷺ کے لب پر یہ الفاظ تھے ''اپنے بھائی کو میرے قریب لاؤ۔'' جب آپ ﷺ نے انھیں لحد میں لٹا دیا تو فرمایا:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَمْسَیْتُ عَنْهُ رَاضِیًا فَارْضَ عَنْهُ))

''اے اللہ! میں اس سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔''

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے اے کاش وہ صاحب قبر میں ہوتا۔[1]

[1] اسنادہ ضعیف ۔اس کی سند ضعیف ہے۔ابونعیم اصفہانی نے دلائل النبوۃ ص۴۸۹ میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔مگر اس میں واقدی متروک اور سخت مجروح ہے۔مجمع الزوائد للھیثمی(۳۶۹/۹)کتاب المناقب۔ حدیث رقم(۱۵۹۸۳) اس میں عباد بن احمد العرزمی متروک ہے۔رواہ البزار، رقم (۲۷۳۶)۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اُونچی آواز سے بولنا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عائشہ رضی اللہ عنہا کو ڈانٹنا

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کو اجازت چاہی گھر میں داخل ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو قدرے اُونچی آواز سے بولتے ہوئے دیکھا تو حضرت عائشہ کو طمانچہ مارنے کے لیے پکڑا اور بولے کہ میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چلاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں ۔ یہ دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ رضی اللہ عنہا کو بچانے لگے اور حضرت ابوبکر غصے کی حالت میں باہر نکل گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: دیکھا میں نے تم کو اس آدمی سے کیسے بچایا۔ چند یوم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی ۔تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان صلح ہوگئی ہے۔تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دونوں سے کہا آپ دونوں مجھے اپنی صلح میں بھی اسی طرح شریک کر لیجیے جس طرح کہ آپ نے مجھے اپنی لڑائی میں شریک کیا تھا یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((قد فعلنا ، قد فعلنا))''ہم نے شریک کرلیا،ہم نے

شریک کرلیا۔"①

① اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ سنن ابی داؤد ، کتاب الادب، باب ماجآء فی المزاح ، حدیث (٤٩٩٩) اس کی سند ابی اسحاق السبیعی مدلس کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ اور ایجاب وقبول

جناب خاتم النبیین رحمت العالمین شفیع المذنبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی پیاری بیٹی فاطمہ سیدہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کی تو یہ خطبہ پڑھا:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَحْمُوْدِ بِنِعْمَتِهٖ ط الْمَعْبُوْدِ بِقُدْرَتِهٖ ط الْمُطَاعِ بِسُلْطَانِهٖ ط الْمَرْهُوْبِ مِنْ عَذَابِهٖ وَسَطْوَتِهٖ ط النَّافِذِ اَمْرُهٗ فِیْ سَمَآئِهٖ وَاَرْضِهٖ ط الَّذِیْ خَلَقَ الْخَلْقَ بِقُدْرَتِهٖ ط وَمَیَّزَهُمْ بِاَحْكَامِهٖ ط فَاَعَزَّهُمْ بِدِیْنِهٖ ط وَاَكْرَمَهُمْ بِنَبِیِّهٖ ط مُحَمَّدٍ ﷺ ط اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ اسْمُهٗ ط وَتَعَالَتْ عَظْمَتُهٗ ط جَعَلَ الْمُصَاهَرَةَ سَبَبًا لَّا حِقًا ط وَاَمْرًا مُفْتَرَضًا ط اَوْشَجَ بِهِ الْاَرْحَامَ ط وَاَكْرَمَ بِهِ الْاَنَامَ ط فَقَالَ عَزَّ مِنْ قَائِلٍ ط هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا وَّكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ط فَاَمْرُ اللّٰهِ یَجْرِیْ اِلٰی قَضَآئِهٖ ط وَقَضَآؤُهٗ یَجْرِیْ اِلٰی تَقْدِیْرِهٖ ط وَلِكُلِّ قَدْرٍ اَجَلٌ ط وَلِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ط یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابِ ط ثُمَّ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَمَرَنِیْ اَنْ اُزَوِّجَ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ فَاشْهَدُوْا اَنِّیْ زَوَّجْتُهٗ عَلٰی اَرْبَعِ مِائَةِ مِثْقَالِ فِضَّةٍ ط اِنْ رَّضِیَ بِذٰلِكَ عَلِیٌّ))

"سب تعریف واسطے اللہ کے ہے۔ جو اپنی (بے شمار) نعمتوں کی بخشش کے باعث درخور ستائش ہے۔ اپنی (لامثال) قدرتوں کی وجہ سے معبود برحق ہے۔ اپنی سلطنت اور دبدبے کے باعث لائق عبادت وطاعت ہے، اس کا عذاب سطوت اور جلال اتنا

سخت ہے کہ ہر دم ڈرتے اور کانپتے رہنا چاہیے، اس کا حکم آسمان اور زمین میں جاری ہے۔ وہ ایسی لازوال ذات ہے کہ اپنی قدرت سے تمام مخلوق کو پیدا کیا اور اپنے احکام منوانے کے لیے انسان کو منتخب کیا اور انھیں اپنے دین کے ساتھ عزت دی اور اپنے نبی حضرت محمد (ﷺ) کے ساتھ سربلند کیا۔ بابرکت ہے نام اللہ کا اور بلند ہے عظمت اس کی۔ اس نے عورت مرد کے تعلق کو قرابت کا ذریعہ بنایا اور اسے ضروری امر قرار دیا۔ اسی سے صلہ رحمی ہوتی ہے اور اسی کے ساتھ لوگوں کی بزرگی ہے۔ جیسا خدائے بزرگ وبرتر نے فرمایا ہے: ''وہی ذات برحق ہے۔ جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا اور اس کے لیے نسب اور سسرال کے رشتے بنا دیے اور رب تیرا قدرت والا ہے۔'' (سنو!) اللہ کا حکم جاری ہوتا ہے اس کی قضا پر اور اس کی قضا تقدیر کو پہنچتی ہے۔ ہر تقدیر کے لیے ایک وقت مقرر ہے اور وقت مقرر لکھا ہوا ہے۔ مٹا دیتا ہے اللہ جسے چاہے اور ثابت رہنے دیتا ہے جسے چاہے۔ اس کے پاس ہے لوح محفوظ (لوگو! سنو!) مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں (اپنی بیٹی) فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کا نکاح علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ کر دوں۔ پھر تم گواہ رہو کہ میں نے یہ نکاح کر دیا اور مہر چار سو مثقال چاندی (ایک سو پچاس روپیہ) مقرر کیا ہے۔ اس شرط پر کہ علی رضی اللہ عنہ اس پر راضی ہو (حضرت علی رضی اللہ عنہ راضی ہو گئے اور نکاح ہو گیا۔''[1]

---

[1] المواهب للدنية ١٩٩/١ طبع دار الكتب العلمية بيروت - حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں (یہ روایت) کتاب الموضوعات لابن الجوزی ج ۱ صفحہ ۴۱۷۔ ۴۱۶ پر محمد بن زکریا بن دینار: حدثنا شعيب بن واقد: حدثنا حسين بن زيد عن عبدالله بن الحسن بن الحسن عن زيد بن علي بن الحسين عن ابيه عن جابر بن عبدالله کی سند سے مروی ہے اور موضوع ہے۔ حافظ ابن جوزی نے کہا: هذا حديث موضوع و صفه محمد بن زكريا: قال الدارقطني كان يضع الحديث۔ الموضوعات ٤١٨/١ سیوطی نے یہ بات مختصراً: الآلي المصنوعة فى الحاديث الموضوعة ج ١، ص ٣٩١ پر نقل کی ہے اور کوئی تعاقب واعتراض نہیں کیا۔ اس کا استاد شعیب بن واقد بھی مجروح ہے۔ ابن دینار کی روایت مذکور کو ذہبی

(میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ۵٤۲ تا ۷۵۰۵) اور ابن حجر (لسان المیزان ج ۵ صفحہ ۱۸٤ تا ۷۳۳۵) نے کذاب قرار دیا ہے۔ وہاں ابن دینار۔ نے دوسری سند فٹ کر رکھی ہے۔ الفلابی کے بارے میں جرح ہی راجح ہے اور ابن حبان کی توثیق مردود ہے۔ ابن حبان نے اپنی توثیق کو الفلابی عن ثقہ کی شرط پر مشروط کیا ہے۔ جو کہ شعیب بن واقد کی وجہ سے یہاں مفقود ہے۔ لہٰذا یہ روایت ابن حبان کے نزدیک بھی مردود ہے۔ ماہنامہ شہادت اکتوبر ۲۰۰۲ صفحہ ۳۹۔ بحوالہ اصلاح معاشرہ تخریج شدہ۔

چوپائے اور درخت آپ ﷺ کو سجدہ کرتے ہیں

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مہاجرین وانصار صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں تشریف فرما تھے اس موقعہ پر ایک اونٹ آیا اور اس نے نبی ﷺ کو سجدہ کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول جب آپ کو چار پائے اور درخت سجدہ کرتے ہیں تو ہمارا زیادہ حق ہے کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اعبدو ربکم واکرمو اخاکم))

"اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی عزت کرو۔"[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ مسند احمد (٦/٧٦) رقم الحدیث (٢٤٩٧٥) اس کی سند میں علی بن زید بن جدعان راوی ضعیف ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ کے سامنے توراۃ کے اوراق کی تلاوت کرنا اور حضور ﷺ کا غصہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ توراۃ کا نسخہ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ

ﷺ هذه نسخة من التوراة - یہ تورات کا نسخہ ہے آپ ﷺ خاموش رہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تورات کا نسخہ پڑھنا شروع کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا غصہ کی وجہ سے قریب کھڑے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب یہ صورتحال دیکھی تو عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کیا تمھیں رسول اللہ ﷺ کا چہرہ نہیں نظر آ رہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نظریں اُٹھائیں تو پکار اُٹھے:

((اعوذ بالله من غضب الله و من غضب رسوله رضينا بالله ربا و بالاسلام دينا و بمحمد نبيناً))

''میں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے غصہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔''

پھر نبی ﷺ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے اگر آج حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئیں اور میری بجائے تم ان کی اتباع کرو تو سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے اور مزید فرمایا:

((ولو كان موسىٰ حيا وادرك نبوتي لا تبعني))

''اور اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو وہ بھی میری ہی اتباع، اطاعت اور فرمانبرداری کرتے۔''[1]

---

[1] اسناده ضعيف - اس کی سند ضعیف ہے۔ سنن دارمی رقم الحدیث (٤٣٥) اس میں مجالد بن سعید راوی ضعیف ہے۔ ذہبی کہتے ہیں ضعیف ہے۔ ابن معین وغیرہ کہتے ہیں قابل حجت نہیں۔ احمد کہتے ہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ نسائی کہتے ہیں قوی نہیں۔ دارقطنی کہتے ہیں ضعیف ہے۔ مزید دیکھیں: میزان الاعتدال (٦/٢٣) تهذيب الكمال (٣/١٣٠٤)۔ تقريب التهذيب (٢/٢٢٩) تهذيب التهذيب (١٠/٣٩)۔ الكاشف (٣/١٢٠) تاريخ البخاری الكبير (٨/٩) تاريخ الصغير (٢/٧٧) الجرح والتعديل (٨/١٦٥٣، ٨/١٦٥٣) تاريخ الثقات (٤٢٠) ترغيب (٤/ ٥٧٨) تراجم الاحبار (٣/٣٧٨) طبقات ابن سعد (٦/٦٣) مجمع (١/١٠٩) معرفة الثقات (١٦٨٥)۔

نیز یہ روایت مسند احمد (٣/٤٧٠، ٤/٢٦٥) حدیث رقم (١٥٩٥٨) و (١٨٥٢٥) میں بھی مروی ہے۔ علامہ شعیب الارناؤط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ اس میں جابر جعفی راوی غایت درجہ ضعیف ہے۔ دیکھیں: میزان الاعتدال (٢/١٠٣) تهذيب الكمال (١/١٨١) تهذيب التهذيب (٢/٤٦) تقريب التهذيب (١/١٢٣) خلاصه تهذيب الكمال (١/١٥٧) الكاشف (١/١٧٧) تاريخ البخاري الكبير (٢/٢١٠) تاريخ البخاري الصغير (٢/١٠٠٩) الجرح و التعديل (١/٤٩٧) وغیرہ۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا لشکر سے پیچھے رہنا تاکہ مسجد نبوی میں نماز جمعہ پڑھ سکیں

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کے ساتھ روانہ کیا اس دن جمعۃ المبارک تھا۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی صبح ہی چلے گئے جبکہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ میں ٹھہر جاتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا کر کے لشکر کے ساتھ جاملوں گا جب اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ کو دیکھا اور پوچھا تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ کیوں نہیں گئے۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں نے چاہا کہ آپ کی اقتداء میں نماز ادا کر کے ان کے ساتھ جاملوں گا۔ آپ نے فرمایا اگر تو زمین کی تمام چیزوں کو خرچ کرے تو ان کے صبح کے وقت روانہ ہونے کے ثواب کو نہیں پاسکے گا۔[1]

---

[1] اسناده ضعيف ۔اس کی سند ضعیف ہے۔ سنن ترمذی (٢/٤٠٥) كتاب الجمعه (٤) باب ماجاء في السفر يوم الجمعه (٢٨) رقم الحديث (٥٢٧) المشكاة المصابيح رقم الحديث (٣٩٢٣) ورواه احمد في المسند مختصراً (٢٣١٧) والبيهقي في السنن الكبرىٰ (٣/ ١٨٧) شیخ البانی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ شعبہ کہتے ہیں حکم نے مقسم راوی سے صرف پانچ احادیث سنی ہیں اور یہ حدیث ان پانچ میں شامل نہیں ہے۔ غرض اس میں حکم راوی کا مقسم سے سماع ثابت نہیں۔ نیز اس میں حجاج بن ارطاۃ

راوی ضعیف ہے۔ دیکھیں: تھذیب الکمال (۱/ ۲۳۲) تھذیب التھذیب (۱۹٦/۲) تقریب التھذیب (۱۵۲/۱) الکاشف (۲۰۵/۱) تاریخ البخاری الکبیر (۳۷۸/۲) تاریخ البخاری الصغیر (۱۱۰/۲) الجرح و التعدیل (٦۷۳/۳) طبقات الحفاظ (۸۱) الطبقات الکبریٰ (۳٤۳/٦) البدایه و النهایه (٥٤/۱۰) شذرات الذهب (۲۲۹/۱) طبقات ابن سعد (۳۵۹/٦) تذکرة الحفاظ (۱۸٦/۱) دیوان الضعفاء (ت ۸۳۹) تهذیب الاسماء و اللغات (۱۵۲/۱، ۱۵۳)

اے اسماء رضی اللہ عنہا جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے نظر نہیں آنا چاہیے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا باریک لباس پہنے رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائیں تو نبی ﷺ نے اس سے چہرہ پھیر لیا اور فرمایا اے اسماء (رضی اللہ عنہا)! جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس کے لیے درست نہیں کہ اس کے جسم سے اس کے علاوہ ظاہر ہوں اور آپ نے اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کیا۔ ①

① اسناده ضعيف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ ابو دائود : كتاب اللباس - فيما تبدى المرأة من زينتها رقم الحديث (٤١٠٣) امام ابوداود رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ روایت مرسل ہے اور خالد بن دریک نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہیں پایا اور سعید بن بشیر راوی قوی نہیں ۔ جو حضرات چہرے کے پردے کے قائل نہیں وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ یہ روایت ضعیف ہے لہٰذا اس سے استدلال باطل اور مردود ہے ۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ یہ واقعہ حجاب کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا ہو۔ یہ روایت چار وجوہ کی بنیاد پر ضعیف ہے۔ ①ولید بن مسلم مدلس ہے اور سماع کی صراحت نہیں ۔② سعید بن بشیر راوی ضعیف ہے۔③ قتادہ راوی مدلس ہے اور سماع کی صراحت نہیں ۔④ خالد بن دریک اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان انقطاع ہے ۔

آیت اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ کی تفسیر میں اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد کا عجیب وغریب واقعہ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایک بہت عجیب واقعہ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ میں ایک خچر پر لوگوں کو دمشق سے زبدانی لے جایا کرتا تھا اور اسی کرایہ پر میری گزر بسر تھی۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے خچر مجھ سے کرایہ پر لیا۔ میں نے اسے سوار کیا اور چلا ایک جگہ جہاں دو راستے تھے جب وہاں پہنچے تو اس نے کہا اس راہ پر چلو۔ میں نے کہا میں اس سے واقف نہیں ہوں۔ سیدھی راہ یہی ہے۔ اس نے کہا نہیں میں پوری طرح واقف ہوں، یہ بہت نزدیک کا راستہ ہے۔ میں اس کے کہنے پر اسی راہ پر چلا تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک لق ودق بیابان میں ہم پہنچ گئے ہیں جہاں کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ نہایت خطرناک جنگل ہے۔ ہر طرف لاشیں پڑی ہوئی ہیں، میں سہم گیا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا ذرا لگام تھام لو مجھے یہاں اترنا ہے میں نے لگام تھام لی وہ اترا اور اپنا تہبند اونچا کر کے، کپڑے ٹھیک کر کے، چھری نکال کر مجھ پر حملہ کیا۔ میں وہاں سے سرپٹ بھاگا لیکن اس نے میرا تعاقب کیا اور مجھے پکڑ لیا میں اسے قسمیں دینے لگا لیکن اس نے خیال بھی نہ کیا میں نے کہا اچھا یہ خچر اور کل سامان جو میرے پاس ہے تو لے لے اور مجھے چھوڑ دے اس نے کہا یہ تو میرا ہو ہی چکا لیکن میں تو تجھے زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا میں نے اسے اللہ کا خوف دلایا آخرت کے عذابوں کا ذکر کیا لیکن اس چیز نے بھی اس پر کوئی اثر نہ کیا اور وہ میرے قتل پر تلا رہا۔ اب میں مایوس ہو گیا اور مرنے کے لیے تیار ہو گیا اور اس سے بہ منت التجا کی تم مجھے دو رکعت نماز ادا کر لینے دو۔ اس نے کہا اچھا جلدی پڑھ لے۔ میں نے نماز شروع کی لیکن اللہ کی قسم میری زبان سے قرآن کا ایک حرف نہیں نکلتا تھا۔ یونہی ہاتھ باندھے دہشت زدہ کھڑا ہوا تھا اور وہ جلدی مچا رہا تھا۔ اسی وقت اتفاق سے یہ آیت

میری زبان پر آ گئی:

﴿اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ﴾

”یعنی اللہ ہی ہے جو بے قراری کی بے قراری کے وقت کی دعا کو سنتا اور قبول فرماتا ہے اور بے بسی، بے کسی کو، سختی اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے۔“

پس اس آیت کا زبان سے جاری ہونا تھا جو میں نے دیکھا کہ بیچوں بیچ جنگل میں سے ایک گھڑ سوار تیزی سے اپنا گھوڑا بھگائے ہاتھ میں نیزہ تانے ہماری طرف چلا آ رہا ہے اور بغیر کچھ کہے اس ڈاکو کے پیٹ میں اس نے اپنا نیزا گھونپ دیا جو اس کے جگر کے آر پار ہو گیا۔ وہ اسی وقت بے جان ہو کر گر پڑا۔ سوار نے باگ موڑی اور جانا چاہا لیکن میں اس کے قدموں سے لپٹ گیا اور بہ الحاح کہنے لگا اللہ کے لیے یہ تو بتاؤ کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں اس کا بھیجا ہوا ہوں جو مجبوروں، بے کسوں اور بے بسوں کی دعا قبول فرماتا ہے اور مصیبت و آفت کو ٹال دیتا ہے۔ میں نے اللہ کا شکر کیا اور وہاں سے اپنا خچر اور مال لے کر صحیح سالم واپس لوٹا۔ [1]

---

[1] اس روایت کی کوئی حیثیت نہیں یہ واقعہ کسی صحیح سند سے ثابت نہیں۔

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام اور بنت حاتم عدی کی بہن کا واقعہ

ابن ہشام لکھتے ہیں: عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں عرب میں مجھ سے زیادہ کوئی شخص رسول اللہ ﷺ سے نفرت کرنے والا نہ ہوگا اور میں ایک شریف آدمی نصرانی تھا اور میں اپنی قوم کا بادشاہ تھا اور اُن کے سارے انتظام میں ہی کرتا تھا۔ میرا ایک غلام عربی تھا۔ میں نے اُس سے کہا کہ تو میرے عمدہ عمدہ موٹے اور فربہ اونٹ جمع کر کے تیار رکھ اور جب تو محمد ﷺ کے لشکر کے اس طرف

آنے کی خبر سنے تو مجھ کو خبر کر دینا۔ غلام نے ایسا ہی کیا اور دوسرے روز مجھ سے کہا کہ اے عدی! تجھ کو جو کچھ کرنا ہے وہ اب کر لے۔ کیونکہ میں نے ایک لشکر کے نشان دیکھے اور دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ لشکر محمد ﷺ کا ہے۔

عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے غلام سے کہا کہ تو جلد جا کر اُونٹوں کو لے آ۔ غلام اُونٹوں کو لے آیا اور میں اپنے اہل وعیال کو اُن پر سوار کر کے ملک شام کو روانہ ہوا۔ فقط ایک میری بہن حاتم طائی کی بیٹی رہ گئی اُس کو میں اُس جلدی میں اپنے ساتھ نہ لا سکا اور ملک شام میں میں نے سکونت اختیار کی۔ میرے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے لشکر نے بنی طے پر حملہ کیا اور قیدیوں کے ساتھ میری بہن بھی گرفتار ہوئی اور میرے شام کی طرف بھاگنے کی خبر بھی رسول اکرم ﷺ کو ہوگئی اور ان سب قیدیوں کو ایک خیمہ میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے دروازے کے آگے رکھا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کا حسن سلوک:

انھی میں میری بہن بھی تھی اور بڑی ہمت اور جرأت اور عقل والی عورت تھی۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ جب اُس کے خیمہ کے پاس سے گزرے اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! والد ہلاک ہوا اور وافد غائب ہوگیا۔ اب آپ ﷺ مجھ پر احسان فرمائیں۔ خدا آپ ﷺ پر احسان کرے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تیرا وافد کون ہے؟ اس نے عرض کیا عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہی جو خدا اور رسول سے بھاگ گیا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے۔ دوسرے روز پھر آنحضرت ﷺ کا اُدھر سے گزر ہوا۔ یہ عورت کہتی ہیں میں نے وہی عرض کیا جو پہلے روز عرض کیا تھا۔ آپ ﷺ نے وہی جواب دیا اور تشریف لے گئے۔ جب تیسرے روز پھر رسول کریم ﷺ تشریف لائے تو میں نا اُمید ہوگئی تھی۔ ایک شخص نے جو آپ ﷺ کے پیچھے تھے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ کھڑے ہوکر حضور ﷺ سے عرض کر۔ میں نے کھڑے ہوکر وہی عرض کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں نے تمھاری درخواست منظور کی۔ اب تم

جانے میں جلدی نہ کرو اور جب کوئی معتبر آدمی تمھاری طرف کا جانے والا آئے تو مجھ کو خبر کرنا میں اُس کے ساتھ تم کو روانہ کر دوں گا۔

کہتی ہیں میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون شخص تھے جنھوں نے مجھ کو اشارہ کیا تھا۔ لوگوں نے کہا یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ کہتی ہیں میں وہیں تھی یہاں تک کہ بنی قضاعہ کے چند لوگ آئے۔ یہ شام کو جا رہے تھے اور میں بھی اپنے بھائی عدی کے پاس شام میں جانا چاہتی تھی۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری قوم کے چند معتبر لوگ آئے ہیں جن پر مجھ کو بھروسہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو جانے کی اجازت دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو کپڑے اور کھانا اور خرچ سب عنایت کیا اور سواری کے لیے ایک اُونٹ بھی عنایت کیا۔ میں اُن لوگوں کے ساتھ ملک شام کو روانہ ہوئی۔

عدی رضی اللہ عنہ کو مشورہ:

عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ نے ایک روز دیکھا کہ اُونٹ پر ایک عورت سوار چلی آ رہی ہے۔ دل میں کہا کہ ہو نہ ہو حاتم کی بیٹی ہو۔ جب وہ قریب آئی تو دیکھا کہ وہی ہے جب وہ اُونٹ پر سے اُتری تو کہنے لگی اے ظالم! اے قطع رحمی کرنے والے! تو اپنے بال بچوں کو تو لے آیا اور مجھ کو وہاں چھوڑ آیا یہ تو نے کیا حرکت کی۔ عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے شرمندہ ہو کر کہا اے بہن! تم کو مجھے ایسا کہنا نہ چاہیے میں اُس وقت بالکل مجبور ہو گیا تھا ورنہ تم کو اپنے ساتھ ضرور لاتا۔

پھر میں نے پوچھا کہ یہ تو بتاؤ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں کیا کہتی ہو۔ بہن نے کہا کہ میری تو رائے یہ ہے کہ تم اُن سے جلد جا کر ملو۔ اگر وہ نبی ہیں تب تو تم کو سبقت کی فضیلت حاصل ہو گی اور اگر وہ بادشاہ ہیں تب تمھاری عزت میں فرق نہیں آئے گا۔ میں نے کہا بے شک تم نے یہ بہت اچھی رائے دی ہے۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ مدینہ میں پہنچا اور مسجد میں داخل ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور اسلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہو؟ میں نے عرض کیا میں عدی بن حاتم ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور مجھ کو اپنے مکان میں

لے جانے لگے کہ اتنے میں ایک ضعیف عورت آگئی اور اُس نے بڑی دیر تک آپ ﷺ سے کچھ اپنی حاجت عرض کی۔ آنحضرت ﷺ اُس کی خاطر سے کھڑے رہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ بادشاہ نہیں ہے۔ بادشاہوں کے ایسے اخلاق نہیں ہوتے۔ پھر رسول کریم ﷺ مجھ کو لے کر اپنے مکان میں داخل ہوئے اور ایک موٹا گدّا اُٹھا کر میری طرف ڈال دیا اور فرمایا اس پر بیٹھو۔ میں نے عرض کیا آپ ﷺ تشریف رکھیں۔ فرمایا: نہیں تم ہی بیٹھو۔ آخر میں اُس پر بیٹھا اور رسول اللہ ﷺ زمین پر بیٹھے۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ بات ہرگز بادشاہوں کی سی نہیں ہے۔ [1]

---

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: الاصابہ میں ہے، احمد نے، بغوی نے اپنی معجم میں اور دیگر حضرات نے اس حدیث کو ابوعبیدہ بن حذیفہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ مسند احمد (۳۷۸/٤، ۳۷۹) میں یہ روایت اسی سند سے مذکور ہے۔ ابوعبیدہ کو ابن حبان کے علاوہ کسی نے ثقہ نہیں کیا اسی لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب التھذیب میں اس پر اعتماد نہیں کیا ہے اور اسے مقبول لکھا ہے اور مقبول کی روایت متابعت کی محتاج ہوتی ہے جبکہ اس کی متابع روایت نہیں پائی جاتی اس لیے ضعیف ہے۔ ابن ھشام مع الروض الانف (٤/٣٦١) ابن اسحاق نے اس کو بغیر سند روایت کیا ہے۔ جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب المناقب میں ایک دوسری سند سے، عدی سے مذکورہ روایت کا آخری حصہ انتہائی اختصار سے روایت کیا ہے اور اس کا صرف اسی قدر حصہ صحیح ہے۔

جنگ یرموک میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایثار کا مشہور واقعہ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسی طرح وہ واقعہ ہے جو جنگ یرموک میں حضرت عکرمہ اور ان کے ساتھیوں کو پیش آیا کہ میدان جہاد میں زخم خوردہ پڑے ہوئے ہیں ریت اور مٹی زخموں میں بھر رہی ہے کراہ رہے ہیں، تڑپ رہے ہیں، سخت دھوپ پڑ رہی ہے، پیاس کے مارے حلق چیخ رہا ہے۔ اتنے میں ایک مسلمان کندھے پر مشک لٹکائے آجاتا ہے اور ان مجروح مجاہدین کے سامنے پیش کرتا ہے۔

لیکن ایک کہتا ہے اس دوسرے کو پلاؤ، دوسرا کہتا ہے اس تیسرے کو پلاؤ اور ابھی تیسرے تک پہنچا بھی نہیں کہ ایک شہید ہو جاتا ہے، دوسرے کو دیکھتا ہے کہ وہ بھی پیاسا ہی چل بسا، تیسرے کے پاس آتا ہے لیکن دیکھتا ہے کہ وہ سوکھے ہونٹوں ہی اللہ سے جا ملا۔ [1]

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ مستدرک حاکم (۳/۲۴۲) رقم الحدیث (۵۰۵۸) کتاب معرفۃ الصحابہ۔ اس کی سند میں حبیب بن ابی ثابت راوی مدلس ہے۔

عکرمہ کا فتح مکہ کے موقع پر بھاگ جانا، کشتی میں سوار ہونا، بیوی کا امان حاصل کرنا اور قبول اسلام

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضرت عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی اُم حکیم بنت الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہا مسلمان ہوگئیں۔ پھر حضرت اُم حکیم نے کہا یارسول اللہ! عکرمہ آپ سے ڈر کر یمن بھاگ گئے ہیں انہیں ڈر تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں قتل کر دیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو امن دے دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انھیں امن ہے۔ اپنے ساتھ اپنا رومی غلام لے کر وہ عکرمہ کی تلاش میں نکلیں۔ اس غلام نے حضرت اُم حکیم کو پھسلانا چاہا۔ وہ اسے اُمید دلاتی رہیں یہاں تک کہ قبیلہ عک میں پہنچ گئیں۔ تو انھوں نے اس قبیلہ والوں سے اس غلام کے خلاف مدد طلب کی۔ اُنھوں نے اس غلام کو رسیوں میں جکڑ دیا۔ حضرت اُم حکیم عکرمہ کے پاس جب پہنچیں تو وہ تہامہ کے ایک ساحل پر پہنچ کر کشتی پر سوار ہو چکے تھے اور کشتی بان ان سے کہہ رہا تھا کہ کلمہ اخلاص پڑھ لو۔ عکرمہ نے پوچھا میں کیا کہوں؟ اس نے کہا لا الہ الا اللہ کہو۔ عکرمہ نے کہا میں تو صرف اسی کلمہ سے ہی بھاگ رہا ہوں۔ اتنے میں حضرت اُم حکیم وہاں پہنچ گئیں اور (کپڑے ہلا کر) ان کی طرف اشارہ کرنے لگیں۔ (یا ان پر اصرار کرنے لگیں، اور وہ ان سے کہہ رہی تھیں اے میرے چچازاد بھائی! میں تمھارے پاس ایسی ذات کے پاس سے آرہی ہوں جو لوگوں میں

سب سے زیادہ جوڑ لینے والے اور سب سے زیادہ نیکی کرنے والے اور سب سے زیادہ بہترین انسان ہیں اپنے آپ کو ہلاک مت کرو چنانچہ عکرمہ یہ سن کر رک گئے اور وہ ان کے پاس پہنچ گئیں اور ان سے کہا میں تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ سے امن لے چکی ہوں۔ انھوں نے کہا واقعی تم لے چکی ہو؟ انھوں نے کہا ہاں میں نے ان سے بات کی تھی انھوں نے تمھیں امن دے دیا ہے۔ چنانچہ وہ ان کے ساتھ واپس چل پڑے۔ حضرت ام حکیم نے عکرمہ کو اپنے رومی غلام کی ساری بات بتائی۔ انھوں نے (غصہ میں آ کر) اس غلام کو قتل کر دیا اور وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور جب یہ مکہ کے قریب پہنچے تو حضور ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ عکرمہ بن ابی جہل تمھارے پاس مومن اور مہاجرین بن کر آ رہے ہیں۔ آئندہ اس کے باپ کو برا بھلا نہ کہنا کیونکہ مرے ہوئے کو برا کہنے سے اس کے زندہ رشتہ داروں کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ اس مردہ تک پہنچتا نہیں۔ [1]

---

[1] اسنادہ ضعیف ۔اس کی سند ضعیف ہے۔ مستدرك حاكم (٣/٢٤١، ٢٤٢) رقم (٥٥_٥) مجمع الزوائد (٦/١٧٤) رقم الحديث (١٠٢٤٥) كتاب المغازى مختصراً۔ ہیثمی کہتے ہیں اس کو طبرانی نے کبیر (١٧/٣٧٢، ٣٧٣) میں روایت کیا ہے اور یہ مرسل (ضعیف) ہے اور اس میں ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ مزید دیکھیں: سلسلة الاحاديث الضعيفة للالبانى (٣/٦٤٣)

حضور ﷺ دعا کریں اللہ مجھے خوب مال دے تاکہ میں سخاوت کروں۔ ثعلبہ بن حاطب کے مشہور واقعہ کی حقیقت

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ثعلبہ بن حاطب انصاری نے نبی ﷺ سے درخواست کی کہ میرے لیے مالداری کی دعا کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھوڑا جس کا شکر ادا ہو اس سے بہت اچھا ہے جو اپنی طاقت سے زیادہ ہو۔ اس نے پھر دوبارہ یہی درخواست کی تو آپ ﷺ نے سمجھایا کہ

تو اپنا حال اللہ تعالیٰ کے نبی جیسا رکھنا پسند نہیں کرتا؟ واللہ! اگر میں چاہتا تو یہ پہاڑ سونے چاندی کے بن کر میرے ساتھ چلتے۔ اس نے کہا حضور! اللہ کی قسم! میرا ارادہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے مالدار کر دے تو میں خوب سخاوت کی داد دوں ہر ایک کو اس کا حق ادا کروں۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے مال کی برکت کی دعا کی۔ اس کی بکریوں میں اس طرح زیادتی شروع ہوئی جیسے کیڑے بڑھ رہے ہوں۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ اس کے جانوروں کے لیے تنگ ہو گیا یہ ایک میدان میں نکل گیا ظہر و عصر تو جماعت کے ساتھ ادا کرتا تھا باقی نمازیں جماعت سے نہیں ملتی تھیں۔ جانوروں میں اور برکت ہوئی اسے اور دور جانا پڑا۔ اب سوائے جمعہ کے اور سب جماعتیں چھوٹ گئیں، مال اور بڑھتا گیا ہفتے کے بعد جمعہ کے لیے آنا بھی اس نے چھوڑ دیا۔ آنے جانے والے قافلوں سے پوچھ لیا کرتا تھا کہ جمعہ کے دن کیا بیان ہوا؟

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے اس کا حال دریافت کیا۔ لوگوں نے سب کچھ بیان کر دیا۔ آپ ﷺ نے اظہار افسوس کیا ادھر آیت اتری کہ ان کے مال سے صدقہ لے کر صدقے کے احکام بھی بیان ہوئے۔ آپ نے دو شخصوں کو جن میں ایک قبیلہ جہینہ کا اور دوسرا قبیلہ سلیم کا تھا انھیں تحصیل دار بنا کر صدقہ لینے کے احکام لکھ کر انھیں پروانہ دے کر بھیجا اور فرمایا کہ ثعلبہ سے اور فلانے بنی سلیم سے صدقہ لے آؤ۔ یہ دونوں ثعلبہ کے پاس پہنچے فرمان پیغمبر دکھایا صدقہ طلب کیا تو وہ کہنے لگا واہ واہ! یہ تو جزیے کی بہن ہے یہ تو بالکل ایسا ہی ہے جیسے کافروں سے جزیہ لیا جاتا ہے یہ کیا بات ہے؟ اچھا اب تو جاؤ لوٹتے ہوئے آنا۔ دوسرا شخص سلمی جو تھا اسے جب معلوم ہوا تو اس نے اپنے بہترین جانور نکالے اور انھیں لے کر خود ہی آگے بڑھا۔ اُنھوں نے ان جانوروں کو دیکھ کر کہا نہ تو یہ ہمارے لینے کے لائق نہ تجھ پر ان کا دینا واجب۔ اس نے کہا میں تو اپنی خوشی سے ہی بہترین جانور دینا چاہتا ہوں آپ انھیں قبول فرمایے۔ بالآخر اُنھوں نے لے لیے۔ اور وں سے بھی وصول کیا اور لوٹتے ہوئے پھر ثعلبہ کے پاس آئے۔ اس نے کہا ذرا مجھے وہ پرچہ تو پڑھاؤ جو تمھیں دیا گیا ہے پڑھ کر کہنے لگا بھئی یہ تو صاف صاف جزیہ ہے کافروں پر جو ٹیکس مقرر کیا جاتا

ہے یہ تو بالکل وہی ہے اچھا تم جاؤ میں سوچ سمجھ لوں۔ یہ واپس چلے گئے۔ انھیں دیکھتے ہی حضور اکرم ﷺ نے ثعلبہ پر اظہارِ افسوس کیا اور سلمی شخص کے لیے برکت کی دعا کی۔ اب اُنھوں نے بھی ثعلبہ اور سلمی دونوں کا واقعہ کہہ سنایا۔ پس اللہ تعالیٰ جل وعلا نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ثعلبہ کے ایک قریبی رشتہ دار نے جب یہ سب کچھ سنا تو ثعلبہ سے جا کر یہ آیت بھی پڑھ سنائی۔ یہ حضرت ﷺ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ اس کا صدقہ قبول کیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع کر دیا ہے۔ یہ اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو سب تیرا ہی کیا دھرا ہے۔ میں نے تو تجھے کہا تھا لیکن تو نہ مانا۔ یہ واپس اپنی جگہ چلا آیا۔ حضور اکرم ﷺ نے انتقال تک اس کی کوئی چیز قبول نہ فرمائی۔ پھر یہ خلافت صدیقی میں آیا اور کہنے لگا میری جو عزت حضور اکرم ﷺ کے پاس تھی وہ اور میرا مرتبہ انصار میں ہے وہ آپ خوب جانتے ہیں آپ میرا صدقہ قبول فرمایے۔ آپ نے جواب دیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا تو میں کون؟ غرض آپ نے انکار کر دیا۔ جب آپ کا بھی انتقال ہو گیا اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے والی ہوئے تو پھر یہ آیا اور کہا کہ امیر المومنین آپ میرا صدقہ قبول فرمایئے۔ آپ نے جواب دیا کہ جب حضور اکرم ﷺ نے قبول نہیں فرمایا خلیفہ اول نے قبول نہیں فرمایا تو اب میں کیسے قبول کر سکتا ہوں؟

چنانچہ آپ نے بھی اپنی خلافت کے زمانے میں اس کا صدقہ قبول نہیں فرمایا۔ پھر خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی تو یہ ازلی منافق پھر آیا اور منت سماجت کرنے لگا لیکن آپ نے بھی یہی جواب دیا کہ خود حضور اکرم ﷺ اور آپ کے دونوں خلیفہ نے تیرا صدقہ قبول نہیں فرمایا تو میں کیسے قبول کرلوں؟ چنانچہ قبول نہیں کیا اسی اثناء میں یہ شخص ہلاک ہو گیا۔[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اخرجہ الواحدی فی اسباب النزول (۵۱۷) طبرانی فی الکبیر (۷۸۷۳) طبری (۱۷۰۰۲) مجمع الزوائد للہیثمی (۳۲/۷) رقم الحدیث (۱۱۰٤۷) والاحادیث الاطوال رقم (۲۰) ہیثمی کہتے ہیں اس میں علی بن یزید الالہانی راوی متروک ہے۔ اس کی سند

ضعیف اور متن باطل ہے۔ سند میں مسلسل کئی راوی ضعیف ہیں۔

واقعہ کی مزید تحقیق:

اس کی مزید تحقیق ایک محقق نے کی ہے جو ہم اپنے قارئین کے لیے پیش کیے دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں: مفسر قرطبی سورت توبہ آیت: ۷۸ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ کا شام سے مال آرہا تھا۔ اُسکے پہنچنے میں کچھ دیر واقع ہوئی۔ اُنھوں نے انصار کی ایک مجلس میں قسم کھائی کہ اگر میرا مال صحیح سالم پہنچ گیا تو وہ اس مال میں سے صدقہ بھی کریں گے اور صلہ رحمی بھی کریں گے۔ جب وہ مال صحیح و سالم پہنچ گیا تو اُنھوں نے بخل سے کام لیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ، فَلَمَّاۤ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ [التوبة: ۷۵، ۷۶]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ بدری اور انصاری صحابی ہیں اور اہل بدر کے ایمان کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے۔ ان سے جو یہ واقعہ روایت کیا گیا ہے یہ صحیح نہیں۔

ابوعمرو بن عبدالبر بھی فرماتے ہیں جس شخص نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ آیات ثعلبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی کیونکہ اُنھوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ شاید یہ صحیح نہیں۔ (واللہ اعلم)

ضحاک مفسر کا قول ہے کہ یہ آیت ان تین منافقین میں سے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے نبتل بن الحارث، جد بن قیس اور معتب بن قشیر (تفسیر قرطبی، ج ٤، ص ۳۰٤۸)

یہ بھی اللہ کا شکر ہے کہ امام قرطبی نے خود ہی اس واقعہ کو رد کر دیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نام سے یہ شاخصانہ چھیڑ دیا کہ یہ آیت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی اور اس پر قرطبی نے کوئی کلام نہیں کیا۔ حالانکہ حضرت حاطب ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ بھی بدری صحابی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ مہاجرین مکہ میں داخل ہیں۔ اسے کہتے ہیں یک نہ شد دو شد۔ حالانکہ امام قرطبی کو چاہیے تھا کہ اس کا بھی رد کرتے۔

حیرت تو ابوعمرو بن عبدالبر پر ہے کہ وہ تردید بھی کر رہے ہیں تو شاید کہہ کر یعنی شاید صحیح بھی ہو سکتی ہے۔

عقلی طور پر تو مفسر قرطبی نے بھی اس واقعہ کو قبول نہیں کیا۔ لہٰذا ہم عقلی طور پر تو کوئی بحث چھیڑنا نہیں چاہتے۔ آیئے ہم ذرا سندی لحاظ سے بھی اس پر نظر ڈال لیں۔

امام قرطبی نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ روایت علی بن زید نے قاسم سے نقل کی ہے اور قاسم نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ باہلی سے۔ تو آیئے ہم پہلے علی بن زید کے چہرے مہرے کو دیکھیں کہ کہیں اس کا منہ ٹیڑھا تو نہیں۔

علی بن زید:

اس کا پورا نسب نامہ یہ ہے۔ علی بن عبداللہ بن زہیر ابی ملیکۃ بن جرعان۔ ابوالحسن کنیت ہے قبیلہ قریش کی شاخ

بنی تمیم سے تعلق رکھتا ہے۔ بصرہ میں سکونت پذیر تھا۔ مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اس کی روایات نقل کی ہیں۔ اس کا شمار علماء تابعین میں ہوتا ہے۔

اس نے انس رضی اللہ عنہ، ابوعثمان الہندی اور سعید بن المسیب سے احادیث روایت کی ہیں۔ اس سے شعبہ، عبدالوارث اور ایک جماعت نے احادیث روایت کی ہیں۔

اس علی بن زید کے بارے میں علماء حدیث کا اختلاف ہے۔

جریری کا بیان ہے کہ بصرے کے تین فقہاء کی اچانک بینائی جاتی رہی۔ قتادہ۔ اشعث الحدانی اور علی بن زید۔

منصور بن زاذان کا بیان ہے کہ جب حسن بصری کا انتقال ہوا۔ تو ہم نے علی بن زید سے عرض کیا کہ اب آپ حسن کی مسند سنبھالیے۔

موسیٰ بن اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے حماد بن سلمہ سے دریافت کیا کہ وہیب کا دعویٰ ہے کہ علی بن زید حدیث کو یاد نہیں رکھ سکتے۔ حماد نے فرمایا وہیب اتنی ہمت کہاں رکھتے ہیں کہ علی بن زید کے ساتھ بیٹھ سکیں۔ علی بن زید تو بڑے بڑے علماء کے روبرو بیٹھتے ہیں۔

شعبہ جب علی بن زید کی روایت بیان کرتے تو کہتے ہم سے علی بن زید نے اس وقت حدیث بیان کی تھی جبکہ اس کے دماغ نے جواب نہیں دیا تھا اور وہ پاگل نہیں ہوا تھا۔

امام سفیان بن عیینہ اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔

حماد بن زید جب اس کی روایت بیان کرتے ہیں تو فرماتے ہیں ہم سے علی بن زید نے حدیث بیان کی اور وہ حدیث میں تبدیلیاں کرتا رہتا تھا۔

فلاس کا قول ہے کہ امام الرجال یحییٰ بن سعید القطان اس علی بن زید کی روایت سے دور بھاگتے تھے۔

امام یزید بن زریع سے منقول ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ علی بن زید تو رافضی تھا۔

امام احمد کا قول ہے یہ ضعیف ہے۔ یحییٰ بن معین نے ایک بار فرمایا یہ قوی نہیں اور ایک بار فرمایا کچھ نہیں۔

احمد العجلی کا بیان ہے کہ یہ شیعہ تھا۔ یہ قوی نہیں ہے۔ بخاری اور ابوحاتم فرماتے ہیں اس کی حدیث حجت نہیں ہوسکتی۔ لیکن اس کی روایت لکھ لی جائے۔ (یعنی بغرض تحقیق) کیونکہ یہ یزید بن ابی زیاد سے زیادہ بہتر ہے۔

فسوی کہتے ہیں یہ بڑھاپے میں سٹھیا گیا تھا۔ ابن خزیمہ کہتے ہیں میں اس کے حافظہ کی خرابی کے باعث اس کی حدیث کو حجت نہیں مانتا۔

ترمذی کہتے ہیں یہ سچا ہے، دارقطنی کہتے ہیں میرے نزدیک یہ ہمیشہ ہی کمزور رہا۔ ابن عدی اور ذہبی نے اس کی متعدد روایات کو منکر قرار دیا ہے۔ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۳۹) الجرح والتعدیل ج ۶ ص ۱۸۶.

حاصل کلام یہ کہ علی بن زید سچا ہے لیکن آخر عمر میں حافظ خراب ہو گیا تھا۔ اس کا شروع ہی سے حافظ خراب تھا۔ اس کی حدیث حجت نہیں۔ یہ ضعیف ہے قوی نہیں۔ یہ کچھ نہیں۔ یہ حدیث میں تبدیلیاں کیا کرتا تھا۔ اس کی روایات منکر ہوتی ہیں، یہ شیعہ ہے، رافضی ہے۔

قاسم بن عبدالرحمٰن:

یہ شخص صاحب ابی امامہ یعنی ابوامامہ رضی اللہ عنہ صحابی کے ساتھی کے لقب سے مشہور ہے۔ اس کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے دمشق کا باشندہ ہے۔ آل معاویہ کا غلام تھا۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں علی بن زید جرعان نے اس سے عجیب وغریب روایات نقل کی ہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ سب داستانیں قاسم نے تیار کی ہیں۔ (الجرح والتعدیل ج ۷، ص ۱۱۳)

ابن حبان کہتے ہیں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے یہ معضل روایات نقل کرتا ہے۔

معضل اصطلاح حدیث میں اُس روایت کو کہتے ہیں جس کی سند میں سے دو راوی گرا دیے جائیں۔ یعنی جب یہ کسی صحابی سے روایت نقل کرتا ہے تو درمیان سے دو راوی گرا کر صحابی کی جانب منسوب کرتا ہے۔ جس سے لوگوں کو یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ اس نے اُس صحابہ سے خود حدیث سنی ہے۔

اثرم کا بیان ہے کہ ابوعبداللہ (غالباً بخاری) کے روبرو اس قاسم کی ایک روایت بیان کی گئی تو ابوعبداللہ نے اسے منکر قرار دیا اور فرمایا یہ اُس نے خود تیار کی ہوگی۔ یعنی اپنی خانگی فیکٹری میں۔

ابن حبان فرماتے ہیں یہ قاسم صاحب دعویٰ کرتے تھے کہ اس نے چالیس بدری صحابہ سے ملاقات کی ہے۔ حالانکہ یہ عام صحابہ سے بھی جو روایات نقل کرتا ہے۔ وہ سب معضل ہوتی ہیں اور روایات میں تبدیلیاں کر کے ثقہ راویوں کی جانب منسوب کرتا ہے اور میرا دل تو یہ کہتا ہے کہ یہ سب روایات خود اس کی تیار کردہ ہوتی ہیں۔

جوزجانی کہتے ہیں یہ بہت نیک اور فاضل شخص تھا۔ ترمذی کا قول ہے یہ ثقہ ہے۔ جابر بن یزید کا بیان ہے کہ میں نے قاسم ابوعبدالرحمٰن سے افضل کوئی شخص نہیں دیکھا۔ ہم قسطنطنیہ میں تھے۔ لوگوں کو بطور روزینہ یومیہ دو دو روٹیاں ملتی تھیں۔ یہ ایک روٹی صدقہ کر دیتا اور روزہ رکھتا اور ایک روٹی سے افطار کرتا۔ میزان الاعتدال ج ۳، ص: ۷۳.

حدیث کے معاملہ میں نیکی کوئی خاص کام نہیں آتی بلکہ امام یحییٰ بن سعید القطان تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ ہم نے ان نیک لوگوں سے زیادہ حدیث میں جھوٹا کوئی انسان نہیں دیکھا۔

اور ویسے بھی اس کی نیکی کا ڈھنڈورہ پیٹنے والا جابر بن یزید جیسا بزرگ ہے۔ یہ وہی بزرگ ہے جس کے بارے میں ترمذی نے کتاب العلل میں امام ابوحنیفہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

((ما رایت اکذب من جابر الجعفی کان یومن بالرجعۃ)) ”میں نے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا کوئی

شخص نہیں دیکھا۔ وہ دنیا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوبارہ آمد پر ایمان رکھتا تھا۔

یہ جابر اس پر ایمان رکھتا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور بادلوں کے اُڑن کھٹولے میں اُڑتے پھرتے ہیں۔

یہ وہی جناب جابر ہیں جس کا قول امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں نقل کیا ہے کہ یہ کہا کرتا تھا کہ میرے پاس امام باقر کی ستر ہزار احادیث ہیں اور میں نے ان میں سے آج تک ایک بھی بیان نہیں کی۔

کیا قیامت کے دن لوگ اپنی ماؤں کے نام سے پکارے جائیں گے؟

روایت ہے:

((يُدْعَى النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأُمَّهَاتِهِمْ سِتْرًا مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْهِمْ))

"قیامت کے دن لوگوں کو ان کی ماؤں کی جانب نسبت کرتے ہوئے اٹھایا جائے گا دراصل اللہ عزوجل لوگوں کے عیوب پر پردہ ڈالیں گے۔"[1]

---

[1] اسنادہ موضوع۔ اس کی سند من گھڑت ہے۔ (سلسلہ احادیث ضعیفہ والموضوعۃ للالبانی رقم الحدیث: ٤٣٣) البانی کہتے ہیں ابن عدی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو (٢/١٧) میں اسحاق بن ابراہیم الطبری سے ذکر کیا ہے اس نے کہا ہمیں مروان فزاری نے خبر دی اس نے حمید طویل سے اس نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا ذکر کیا ہے اور کہا ہے اس اسناد کے ساتھ اس حدیث کا متن منکر ہے، جبکہ اسحاق بن ابراہیم (راوی) منکر الحدیث ہے، اور ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا ہے وہ ابن عیینہ اور فضل بن عیاض سے روایت کرتا ہے اور سخت منکر الحدیث ہے، وہ ثقہ رواۃ سے موضوعات کو روایت کرتا ہے اس کی حدیث کو تحریر میں لانا جائز نہیں البتہ بطور تعجب کے لایا جا سکتا ہے۔ جبکہ حاکم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ "اس نے فضیل اور ابن عیینہ سے موضوع احادیث کو روایت کیا ہے۔"

ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس کو الموضوعات میں ابن عدی رحمہ اللہ کے طریق سے ذکر کیا ہے اور اس نے کہا ہے کہ وہ صحیح نہیں ہے اسحاق راوی منکر الحدیث ہے جب کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے اللآلی (٢/٤٤٩) میں اس کا تعاقب

کیا ہے کہ اس حدیث کا ایک اور طریق ہے جس کو امام طبرانی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے یعنی وہ حدیث جو اس کے بعد ہے جبکہ وہ حدیث اس کے ساتھ ... تھا اس حدیث کے بھی مخالف ہے اس سے شاہد کے لحاظ سے بلا شبہ اس میں صراحت ہے کہ مقصود ان کی مائیں ہیں جبکہ اس میں ان کے ناموں کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ ان دونوں الفاظ میں کتنا فرق ہے جبکہ ابن عراق نے ا... کا رد کرتے ہوئے (۳۸۱/۲) میں ذکر کیا ہے کہ:

میں کہتا ہوں: یہ ابو حذیفہ اسحاق بن ... کے طریق سے ہے لہٰذا اس کا شاہد ہونا صحیح نہیں ہے۔

(میں کہتا ہوں: شاہد میں شرط یہ ہے ... شاہد کا ضعف مشہور نہ ہو جب کہ یہاں معاملہ اس طرح نہیں ہے اس لیے کہ اس اسحاق بن بشر کا شمار ان لو... سے ہوتا ہے جو احادیث کو وضع کرتے تھے جیسا کہ (۲۲۳) میں پہلے گزر چکا ہے۔)

تحقیق مزید:

عوام و خواص میں یہ مشہور ہے کہ قیامت ... دن لوگ اپنی ماؤں کے نام سے پکارے جائیں گے۔ یہ ایک ایسا تخیل ہے جس سے نہ عوام خالی ہیں اور نہ ... اص، بلکہ یہ رام کہانی سنی سنائی اور کہانیوں کی طرح ہے جسے ہمارے علماء و دانشور حضرات برسر منبر بیان کر ... تے رہتے ہیں۔ بلکہ اسے باقاعدہ ایک روایت کی شکل دے دی گئی ہے جو ان الفاظ میں پیش کی جاتی ہے۔

''قیامت کے روز لوگ اپنی ماؤں کے نام سے ... ے جائیں گے تاکہ لوگوں پر پردہ ڈالا جا سکے'' کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

ملا علی قاری نور الدین المتوفی ۱۰۱۴ھ نے اپنی موضوعا ... ت میں - حافظ ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن ابی بکر المعروف بابن القیم المتوفی ۷۵۱ھ سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

یہ روایت کہ لوگ ماؤں کے ناموں سے پکارے جائیں گے باطل ہے۔

پھر آگے ملا علی قاری لکھتے ہیں:

محمد بن کعب کا قول تو یہ ہے کہ لوگ اماموں (یعنی امیروں) کے ناموں سے پکارے جائیں گے۔ ماؤں کے نام سے نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ماؤں کے ناموں سے پکارے جانے کی تین وجوہات ہیں۔

۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چونکہ باپ نہیں۔ اس وجہ سے ماؤں کے ناموں سے پکارا جائے گا۔

۲۔ تاکہ حرام سے پیدا شدہ اولاد قیامت کے دن رسوا نہ ہو۔

۳۔ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے مرتبہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ قاعدہ اپنایا جائے گا۔

یہ توجیہات بغوی نے ''معالم التنزیل'' میں پیش کر کے لکھا ہے کہ صحیح احادیث سے اس امر کی تردید ہوتی ہے۔

بخاری نے اپنی صحیح میں سرخی قائم کی ہے کہ "لوگ قیامت کے دن اپنے باپوں کے نام سے پکارے جائیں گے" پھر امام بخاری نے یہ حدیث بیان کی کہ قیامت کے روز ہر غدار کے سامنے اس کی غداری کے مطابق جھنڈا گاڑا جائے گا۔ جس پر لکھا ہوگا کہ یہ فلاں بن فلاں غدار ہے۔ ابن القیم لکھتے ہیں اس موضوع پر اور بھی متعدد احادیث موجود ہیں۔ موضوعات کبیر ص ۱۷۵۔

بخاری نے جو حدیث بیان کی ہے یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن مطیع کے سامنے اُس وقت بیان کی تھی کہ جب وہ اہل مدینہ میں یزید کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ کررہا تھا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مقصد یہ تھا کہ جو لوگ اس قسم کا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ اور یزید کے خلاف تحریک چلانا چاہتے ہیں وہ سب غلط کر رہے ہیں اور اس وقت روئے زمین پر علم وفضل اور سبقت اسلام حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہ تھا اور تمام لوگ انہی کے فیصلے کو قبول کرتے تھے۔

محمد بن کعب کا یہ قول کہ لوگ اماموں کے ناموں سے پکارے جائیں گے۔ تو غالباً انھوں نے اس آیت:
﴿يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ﴾ [بنی اسرائیل: ۷۱] "ہم تمام لوگوں کو ان کے اماموں کے ساتھ بلائیں گے۔" کو پیش نظر رکھ کر یہ بات فرمائی ہے۔ اس آیت میں امام سے مراد رہبری کرنے والے اور گمراہ کرنے والے افراد ہیں۔ تو گویا یہ پکار دو قسم کی ہوگی۔ ایک انفرادی اور ایک اجتماعی۔ اس وقت زیر بحث مسئلہ انفرادی پکار کا ہے۔

جہاں تک اس توجیہ کا تعلق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ نہیں تھے۔ اس لیے لوگوں کو ماؤں کے نام سے پکارا جائے گا تو ہماری عرض یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو کس کے نام سے پکارا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ آپ جو بھی اُصول مرتب کریں گے اُس سے وہ خارج ہوں گے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مستثنیٰ سمجھا جائے گا۔

جہاں تک اس توجیہ کا تعلق ہے کہ حرام سے پیدا شدہ اولاد قیامت کے دن رسوا نہ ہو۔ تو اس قسم کی جتنی بھی اولاد ہوتی ہے شریعت کی نظر میں وہ ہرگز مجرم نہیں۔ مجرم تو وہ مرد وعورت ہیں جن کی حرام کاری کے باعث یہ وجود میں آیا۔ کیا یہ دعویٰ کر کے مشکوک قسم کے لوگ اپنے شک پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں؟ اب یہ فیصلہ تو اللہ ہی کرے گا کہ ان کی اس خواہش کا احترام کیا جائے یا وہ دفتر کھول کر سامنے رکھ دیا جائے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کے پوشیدہ نگرانوں نے اُن کی یہ حرکات تحریر کی تھیں۔

اب صرف ایک وجہ باقی رہ جاتی ہے۔ یعنی حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے باعث یہ کام ہوگا۔ اس قسم کی کہانیاں اس لیے وضع کی گئیں کہ ان حضرات کو ماں کی جانب منسوب کر کے انھیں آل علی کے بجائے آل رسول کہا جا سکے۔ ہمیں اس امر پر کوئی خاص اعتراض نہیں بشرطیکہ علی بن زینب، امامہ بنت زینب اور عبداللہ بن رقیہ کو بھی آل رسول مان لیا جائے۔ تو پھر تصفیہ کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے۔ ورنہ یہ ایک ایسی طویل بحث ہے جو خود ایک جداگانہ تصنیف کی خواہاں ہے۔ ان شاءاللہ کسی اور مقام پر اس موضوع پر تبصرہ کیا جائے گا۔

علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن عمر الشیبانی الشافعی الاثری رقم طراز ہیں۔

یہ روایت کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز لوگوں کو ان کی ماؤں کے ناموں سے پکارے گا۔ تاکہ اپنے بندوں پر پردہ ڈالا جا سکے۔ یہ روایت حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی المتوفی ۳۶۰ نے ''الکبیر'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کی ہے۔ اس موضوع پر حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت مروی ہیں۔ یہ سب روایات ضعیف ہیں۔ جنھیں ابن جوزی نے موضوعات میں شمار کیا ہے اور بخاری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم قیامت کے روز اپنے اور اپنے باپوں کے ناموں سے پکارے جاؤ گے۔ اس حدیث سے ان کہانیوں کا ردہورہا ہے۔ (تمييز الطيب من الخبيث في ما يدور على السنة الناس من الحديث، ص٤٦)

حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی فرماتے ہیں:

یہ روایت کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز لوگوں کو ان کی ماؤں کے ناموں سے پکارے گا۔ تاکہ اپنے بندوں کے اعمال پر پردہ ڈال سکے۔ یہ روایت طبرانی نے ''الکبیر'' میں اسحاق بن بشر بن ابی حذیفہ کے ذریعہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کی ہے۔ اس موضوع پر ایک روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے یہ سب ضعیف ہے۔

ان سب کو ابن جوزی نے موضوعات میں داخل کیا ہے اور اس کی تردید کے لیے وہ حدیث کافی ہے جو ابوداؤد نے اپنی ''سنن'' میں ایک عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تم لوگ قیامت کے دن اپنے اور اپنے باپوں کے ناموں سے پکارے جاؤ گے۔ لہٰذا اپنے نام اچھے رکھا کرو۔

بلکہ بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ''صحیح'' میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب تمام اولین وآخرین کو جمع کرے گا تو ہر غدار کے روبرو ایک جھنڈا گاڑا جائے گا اور کہا جائے گا یہ فلاں بن فلاں غدار ہے۔ (المقاصد الحسنه في بيان كثير من الاحاديث المشتهره على الالسنه، ص ١٢٤)

احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو اُن کے باپوں کے نام سے پکارا جائے گا اس کی تائید قرآن کی ایک آیت سے بھی ہوتی ہے قرآن میں ہے:

﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ [الاحزاب:٥] ''لوگوں کو اُن کے باپوں کے ذریعہ پکارو۔ یہ اللہ کے نزدیک منصفانہ فعل ہے۔''

جب دنیا میں ہمیں یہ حکم دیا جارہا ہے کہ لوگوں کو اُن کے باپوں کے ناموں سے پکارو اور ساتھ ساتھ یہ بات بھی فرمائی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ منصفانہ بات ہے تو اشارۃ النص سے یہ امر خود بخود واضح ہو گیا کہ

کسی کو ماں کے نام سے پکارنا ایک غیر منصفانہ فعل ہے۔ اس لیے کہ اولاد باپ کی جانب منسوب ہوتی ہے ماں کی جانب نہیں اور جو لوگ زبردستی اولاد علی رضی اللہ عنہ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی جانب منسوب کرنا چاہتے ہیں اس قماش کے لوگ قرآن کی رو سے غیر منصف ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی ذہن میں رکھیے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی منصف نہیں ہوسکتا۔ وہ عادل ہے اور اس کی صفت عدل ہے اور جس شئے کو وہ خود نامنصفانہ قرار دے وہ شئے تو سراسر ظلم ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی جانب ظلم کی نسبت نہیں کی جاسکتی۔

﴿اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾[آل عمران :۱۸۲] ''یقیناً اللہ بندوں پر ظلم نہیں فرماتا ہے۔''

تو جو لوگ یہ سمجھتے یا یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ماؤں کے ناموں سے پکارے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو مخفی الفاظ میں ظالم قرار دے رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ کہانی خالص تبرا ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں، ازواج مطہرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بھی داخل ہوجاتی ہے۔ اعوذ باللّٰہ من شرھا و شرما فیھا!

اے ابو درداء میں تم سے مدینۃ الرسول سے ایک حدیث سننے آیا ہوں جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے

جناب کثیر بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں ابو درداء کے پاس دمشق کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور اس نے کہا اے ابو درداء! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینہ سے ایک حدیث کے لیے تمھارے پاس آیا ہوں مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے روایت کرتے ہیں اس کے علاوہ مجھے اور کوئی کام نہیں۔ ابو درداء نے کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''جو شخص حصول علم کی راہ پر چل نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کی راہوں میں سے ایک راہ پر چلائے گا اور بلاشبہ فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں اور عالم کے لیے زمین و آسمان کی تمام مخلوق اور پانی میں موجود مچھلیاں بخشش طلب کرتی ہیں اور بلاشبہ عالم کی عبادت گزار پر فضیلت ایسے ہی ہے جیسے کہ چودھویں کے چاند کی تمام ستاروں پر ہوتی ہے۔

بلاشبہ علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور ان انبیاء علیہم السلام کی میراث درہم و دینار نہیں ہوتے بلکہ ان کی میراث تو علم ہے پس جس نے اسے حاصل کیا اس نے وافر حصہ حاصل کر لیا۔[1]

[1] اسناده ضعيف ۔اس کی سند ضعیف ہے۔ ابو داؤد، كتاب العلم، رقم الحديث (٣٦٤١) ابن ماجه، المقدمة رقم الحديث (٢٢٣) واخرجه الترمذي في كتاب العلم راقم الحديث (٢٦٨٢) ترمذی کہتے ہیں اس کی سند متصل نہیں۔ نیز اس میں داؤد بن جمیل اور اس کا شیخ عاصم بن رجاء بن حیاۃ دونوں ضعیف ہیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا تعزیتی خطبہ اور خراج تحسین!

روایت ہے: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر پہنچی تو۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. پڑھتے ہوئے مکان سے باہر تشریف لائے اور فرمایا:

((اليوم انقطعت خلافته النبوة))

''آج خلافت نبوت کا انقطاع ہو گیا۔''

اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لائے اور نعش کے قریب کھڑے ہو کر درج ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

یہ خطبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ کا ایک حسین و جمیل اور ایمان افروز مرقع بھی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اے ابو بکر! خدا تم پر رحم کرے۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب، مونس، راحت، معتمد اور ان کے محرم راز و مشیر تھے۔ تم سب سے پہلے اسلام لائے اور تم سب سے زیادہ مخلص مومن تھے۔ تمہارا

یقین سب سے زیادہ مضبوط تھا۔ تم سب سے زیادہ اللہ کا خوف کرنے والے اور اللہ کے دین کے معاملہ میں سب سے زیادہ تکلیف اُٹھانے والے، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سب سے زیادہ تکلیف اُٹھانے والے، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سب سے زیادہ حاضر باش، اسلام پر سب سے زیادہ مہربان، رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کے لیے سب سے زیادہ بابرکت، رفاقت میں ان سب سے بہتر مناقب اور فضائل میں سب سے بڑھ چڑھ کر، پیش قدمیوں میں سب سے افضل و برتر، درجہ میں سب سے اونچے اور وسیلہ کے اعتبار سے آنحضرت ﷺ سے سب سے زیادہ قریب اور آنحضرت ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ سیرت میں، عادت میں مہربانی اور فضل صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ اُونچے مرتبے والے۔ اور حضور ﷺ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم اور معتمد تھے۔

پس اللہ اسلام اور اپنے رسول ﷺ کی طرف سے تم کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ تم آنحضرت ﷺ کے لیے بمنزلہ گوش و چشم تھے۔ تم نے حضور ﷺ کی تصدیق اس وقت کی جب کہ لوگوں نے آپ کی تکذیب کی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں تم کو صدیق کہا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ((والذی جاء بالصدق وصدق به)) سچائی لانے والے محمد ﷺ ہیں اور اس کی تصدیق کرنے والے ابوبکر رضی اللہ عنہ تم نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ غم خواری اس وقت کی جب لوگوں نے بخل کیا اور تم ناگوار باتوں کے وقت آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس وقت کھڑے ہوئے جبکہ لوگ آپ ﷺ سے بچھڑ گئے۔ تم نے سختیوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحبت و رفاقت کا حق باحسن وجوہ ادا کیا۔ تم ثانی اثنین اور رفیق غار (ثور) تھے اور تم پر سکون نازل ہوا تھا۔ تم ہجرت میں آنحضرت ﷺ کے رفیق تھے اور اللہ کے دین میں اور رسول اللہ ﷺ کی اُمت پر تم آپ (ﷺ) کے ایسے خلیفہ تھے جس نے اس وقت خلافت کا حق ادا کر دیا۔ جب لوگ مرتد ہو گئے تھے اور تم نے خلافت کا وہ حق ادا کیا جو کسی پیغمبر کے خلیفہ نے نہیں کیا تھا۔ چنانچہ تم نے اس وقت مستعدی دکھائی۔ جبکہ تمھارے ساتھی سست ہو گئے تھے اور تم نے اس وقت جنگ کی جب کہ وہ عاجز ہو گئے تھے۔ جب وہ کمزور رہے تو تم قوی رہے اور تم نے رسول اللہ ﷺ کے راستہ کو اس

وقت تھامے رکھا جب لوگ پست ہو گئے تھے۔ تم بلا انزاع وتفرقہ خلیفہ برحق تھے۔ اگرچہ اس سے منافقوں کو غصہ، کفار کو رنج، حاسدوں کو کراہت اور باغیوں کو غیض تھا۔ تم امرحق پر ڈٹے رہے۔ جب لوگ بزدل ہو گئے۔ تم ثابت قدم رہے۔ جب لوگ ڈگمگا اُٹھے۔ تم اللہ کے نور کو لیے ہوئے بڑھتے رہے۔ جب لوگ کھڑے ہو گئے۔

آخر کار اُنھوں نے آپ کی پیروی کی اور ہدایت پائی۔ آپ کی آواز ان سب سے زیادہ پست تھی۔ مگر آپ کا مرتبہ ان سب سے اونچا تھا۔ تمھارا کلام سب سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ سب سے زیادہ تمھاری گفتگو درست تھی۔ آپ سب سے زیادہ خاموش رہنے والے تھے۔ آپ کا قول سب سے زیادہ بلیغ تھا۔ شجاعت میں آپ سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ معاملات کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے۔ عمل کے اعتبار سے سب سے زیادہ اشرف تھے آپ اللہ کی قسم دین کے سردار تھے۔ جب لوگ دین سے ہٹے تو آپ آگے آگے تھے اور جب وہ دین کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ ان کے پیچھے تھے۔ آپ مومنین کے لیے رحیم باپ تھے۔ یہاں کہ وہ آپ کی اولاد کی طرح ہو گئے۔ جن بھاری بوجھوں کو وہ اٹھا نہ سکے۔ تم نے ان کو اُٹھالیا۔ جس چیز کو اُنھوں نے چھوڑ دیا تم نے ان کو رغبت دلائی اور جو چیز اُنھوں نے ضائع کر دی تھی تم نے اس کی حفاظت کی جس کو وہ نہیں جانتے تھے۔ تم نے وہ چیز ان کو سکھائی۔ جب وہ عاجز و درماندہ ہوئے تو تم نے تلوار کھینچ لی۔ (یعنی بہادری دکھائی) جب وہ گھبرائے تو تم نے صبر کیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کی تم نے دادرسی کی اور اپنی ہدایت کے لیے تمھاری رائے کی طرف رجوع ہوئے اور کامیاب ہوئے اور جس چیز کا ان کو اندازہ بھی نہیں تھا۔ وہ اُنھوں نے پالی۔ تم کافروں کے لیے عذاب کی بارش اور آگ کا شعلہ تھے۔ مومنین کے لیے رحمت، انسیت اور پناہ تھے۔ تم نے اوصاف وکمالات کی فضاء میں پرواز کی۔ تم نے ان کا عطیہ پایا۔ اس کی اچھائیاں لے لیں۔ تمھاری حجت کو شکست نہیں ہوئی۔ تمھاری بصیرت کمزور نہیں ہوئی۔ تمھارا نفس بزدل نہیں ہوا۔ تمھارے دل میں کجی پیدا نہیں ہوئی اور وہ منحرف نہیں ہوا۔ تم اس پہاڑ کی مانند تھے۔

جس کو آندھیاں حرکت نہیں دے سکتیں اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا تم رفاقت اور مالی خدمت دونوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ احسان کرنے والے تھے اور ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق جسمانی اعتبار سے گو کمزور لیکن اللہ کے معاملہ میں قوی تھے۔ اپنے نفس کے اعتبار سے متواضع، اللہ کے نزدیک بڑے اور لوگوں کی آنکھوں میں بھاری بھرکم اور بڑے تھے۔ تمھاری نسبت نہ کوئی دھوکہ میں تھا اور نہ وہ حرف گیری کر سکتا تھا۔ تم میں نہ کسی کو طمع تھی اور نہ تم کسی کی رعایت کرتے تھے۔ ضعیف اور پست آدمی تمھارے نزدیک قوی تھا۔ کہ تم اس کو حق دلاتے تھے اور قوی تمھارے نزدیک ضعیف اور ذلیل تھا کہ تم اس سے حق لیتے تھے۔ دور و نزدیک دونوں قسم کے آدمی تمھاری نگاہ میں یکساں تھے جو اللہ کا سب سے زیادہ مطیع و متقی ہوتا تھا۔ وہی تمھارا سب سے زیادہ مقرب تھا۔

تمھاری شان حق، سچائی اور نرمی تھی۔ تمھارا قول حکم قطعی اور تمھارا معاملہ بردباری اور دور اندیشی تھا اور تمھاری رائے علم اور عزم تھا۔ تم نے فساد کا قلع قمع کر دیا۔ اب آپ دنیا سے رخصت ہوئے جبکہ راستہ ہموار ہو گیا۔ مشکل آسان ہو گئی، آگ بجھ گئی اور دین معتدل ہو گیا۔ ایمان قوی ہو گیا۔ اسلام اور مسلمان ثابت قدم ہو گئے اللہ کا امر غالب آ گیا۔ اگرچہ کافروں سے اس کو تکلیف ہوتی تھی۔ تم نے سخت پیش قدمی کی اور اپنے بعد میں آنے والوں کو تھکا دیا۔ تم خیر سے کامیاب ہوئے۔ تم اس سے بلند و بالا ہو کہ تم پر آہ و بکا کی جائے۔ تمھارا مرثیہ تو آسمانوں میں پڑھا جا رہا ہے اور تمھاری مصیبت تو تمام دنیا میں ظاہر ہے۔ ہم سب اللہ کے لیے ہیں۔ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں اللہ کی قضا پر ہم راضی ہیں۔ ہم نے اپنا معاملہ اس کے سپرد کر دیا ہے۔

اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد تمھاری موت جیسا کوئی حادثہ مسلمانوں پر کبھی نازل نہیں ہوا۔ تم دین کی عزت، جائے پناہ اور حفاظت گاہ تھے۔ مومنوں کے لیے ایک گروہ، قلعہ اور دارالامن تھے۔ منافقوں کے واسطے تشدد اور غضب تھے۔ پس اللہ تم کو تمھارے نبی سے ملا دے اور

ہم کو تمھارے بعد تمھارے اجر سے محروم اور گمراہ نہ کرے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.①

① اسنادہ موضوع ۔ اس کی سند من گھڑت ہے۔ مجمع الزوائد (٩/٤٨) رقم (١٣٣٣٥) بحوالہ بزار رقم الحدیث (٢٤٨٩) ہیثمی کہتے ہیں اس کو بزار نے روایت کیا ہے اس میں عمر بن ابراہیم الہاشمی الکردی کذاب ہے۔ الریاض النضرة فی مناقب العشرة (١/١٢٧)

حضور ﷺ کے دنیا میں دو وزیر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور آسمانوں میں جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہر نبی کے دو وزیر آسمان والوں سے اور دو زمین والوں میں سے ہوتے ہیں پس میرے آسمانی وزیر حضرت جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام اور زمین میں میرے وزیر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔①

①اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ ترمذی ابواب المناقب باب ١٧ حدیث رقم (٣٦٨٠) وابن عدی فی الکامل (٢/٥١٧) والحاکم فی المستدرك (٢/٢٦٤) شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

قیامت کے دن ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کے دائیں بائیں ہوں گے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن گھر سے نکلے اور مسجد میں داخل ہوئے اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے دائیں اور بائیں تھے اور اُنھوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ((ھکذا نبعث یوم القیامة)) ''ہم قیامت

کے دن اسی طرح اُٹھائے جائیں گے۔"①

① اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ سنن ترمذی ، ابواب المناقب ، باب ۱٦ فی مناقب ابی بکر و عمر رقم الحدیث (۳٦٦۹) سنن ابن ماجه ، کتاب السنة رقم الحدیث (۹۹) ترمذی کہتے ہیں اس میں سعید بن مسلمہ راوی قوی نہیں ۔ شیخ البانی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ حوض کوثر پر حضور ﷺ کے ساتھ ہوں گے؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کہا تو حوض کوثر پر میرا ساتھی ہے اور غار میں بھی میرا ساتھی ہے۔①

① اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ سنن ترمذی، ابواب المناقب، باب فی مناقب ابی بکر و عمر ، رقم الحدیث (۳٦۷۰) شیخ البانی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

نبی ﷺ وعدے کے انتظار میں تین دن ایک جگہ بیٹھے رہے

سیدنا عبداللہ بن ابوحمساء روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے نبی ہونے سے پہلے کچھ خریدا مجھ پر قیمت کی ادائیگی میں سے آپ کا کچھ باقی رہ گیا میں نے وعدہ کیا کہ باقی قیمت میں اسی جگہ پر جہاں آپ تشریف فرما تھے لا حاضر کروں گا۔ پھر میں چلا گیا اور وعدہ بھول گیا تین دن کے بعد مجھے یاد آیا اور میں بقیہ قیمت لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ نبی ﷺ وہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو نے مجھے مشقت میں ڈال دیا کہ میں اس جگہ تین دن سے تیرے انتظار میں ہوں۔①

① اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ ابو داؤد ، کتاب الادب ، باب فی العدة رقم الحدیث

(٤٩٩٦) اس کی سند ضعیف ہے۔ شیخ البانی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ اس کی سند میں عبدالکریم بن عبداللہ بن شقیق مجہول راوی ہے۔ تنقیح الرواۃ (٣/٣٢٠).

جعفر طیار رضی اللہ عنہ جب حبشہ سے واپس آئے تو آپ نے معانقہ کیا اور پیشانی پر بوسہ دیا

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے، ان کے حبشہ سے واپس آنے کے واقعہ میں روایت ہے اُنھوں نے کہا کہ نکلے ہم حبشہ سے یہاں تک کہ آئے ہم مدینہ میں پھر ملے مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پس گلے لگایا آپ نے مجھے۔ پھر کمال محبت سے فرمایا نہ معلوم مجھے فتح خیبر سے زیادہ خوشی ہوئی ہے یا جعفر کے آنے سے اور اتفاق سے جعفر فتح خیبر کے موقع پر آئے۔ [1]

[1] اسناده ضعيف - اس کی سند ضعیف ہے۔ شرح السنة للبغوی (١٢/٢٩١، ٢٩٢) بحواله المعجم الاوسط للطبرانی (١/٥٤٤۔ حدیث (٢٠٠٣) علامہ شعیب الارناؤط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنا چہرہ قبر رسول پر رکھ دیا

مسند احمد میں روایت ہے داؤد بن صالح کہتے ہیں ایک دن مروان آیا اس نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپنا چہرہ قبر نبوی پر رکھے ہوئے ہے۔ مروان نے اس کی گردن پکڑی اور کہا تم جانتے ہو کہ کیا کر رہے ہو وہ آدمی مروان پر متوجہ ہوا تو مروان کیا دیکھتا ہے کہ وہ ابوایوب ہیں۔ ابوایوب نے کہا ہاں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ہوں پتھر کے پاس نہیں آیا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ جب دین پر اس کے اہل والی ہوں تو دین پر مت روؤ لیکن جب نااہل

والی ہوں تو دین پر رونا چاہیے۔[1]

[1] اسناده ضعيف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔رواه احمد (٤٢٢/٥) رقم الحديث (٢٣٩٨٣) والطبرانی في الكبير رقم (٣٩٩٩) والاوسط رقم (٢٨٦) هيثمي مجمع الزوائد (٢٤٥/٥) رقم الحديث (٩٢٥٢) میں کہتے ہیں اس میں کثیر بن زید کو احمد نے ثقہ اور نسائی وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔
ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ یحییٰ بن معین سے کثیر بن زید کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا وہ قوی نہیں۔ الجرح و التعديل (١٥٠/٧) ابوزرعہ سے کثیر بن زید کے متعلق پوچھا گیا تو کہا صدوق فيه لين وہ سچا ہے اور اس میں ضعف ہے اور نسائی نے الضعفاء والمتروکین میں کہا ہے کہ کثیر بن زید ضعیف ہے۔ الضعفاء المتروكين ص (٣٠٣) ط الهنديه۔
نیز اس میں داؤد بن صالح راوی مجہول ہے۔ ميزان الاعتدال (٩/٢)

اے عثمان رضی اللہ عنہ تو شہید ہوگا جبکہ تو سورۃ البقرۃ پڑھ رہا ہوگا اور تیرا خون فسيكفيكهم الله پر گرے گا

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہتے ہیں میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عثمان تجھے شہید کیا جائے گا جب کہ تو سورۃ البقرۃ پڑھ رہا ہوگا اور تیرے خون کا قطرہ (فسيكفيكهم الله)) پر گرے گا۔[1]

[1] اسناده ضعيف جدا۔ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ مستدرك حاكم (١٠٤/٣) رقم الحديث (٤٥٥٥) ذهبي مختصر مستدرك (١٢٧٥/٣) میں کہتے ہیں یہ روایت صاف جھوٹ ہے اور اس کی سند میں احمد بن محمد ابن عبدالحمید الجعفی ہے جو متہم بالکذب ہے۔

باغیوں نے وہ عصا توڑ دیا جس پر رسول اللہ ﷺ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے

روایت ہے ایک جمعہ آپ رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں وہ عصائے مبارک تھا جس پر رسول اللہ ﷺ بوقت خطبہ سہارا لیا کرتے تھے اور آپ ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی اس پر ٹیک لگاتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اس پر ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک جہجاہ نامی آدمی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کہا او بے وقوف بوڑھے اُٹھ اور منبر سے نیچے اتر جا اور وہ عصا آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں سے لیا اور اپنے دائیں گھٹنے پر رکھ کر توڑ دیا۔[1]

---

[1] اسناده ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ البدایہ و النہایہ مترجم جلد ٤، ص ١٧٧۔ اس کی سند میں واقدی متروک اور سخت مجروح ہے۔ اسی طرح اس کو حافظ ابن کثیر نے ابن جریر طبری کے حوالے سے ایک اور سند سے بیان کیا ہے اس میں احمد بن ابراہیم مجہول الحال راوی ہے۔

جو چاہتا ہے اس کی ماں اس پر روئے، اس کے بچے یتیم ہو جائیں، بیوی بیوہ ہو جائے، وہ عمر رضی اللہ عنہ کے راستے میں آئے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں جنھوں نے علی الاعلان مکہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی آپ رضی اللہ عنہ ہجرت کرنے کے ارادہ سے نکلے تو تلوار گلے میں ڈالی شانہ پر کمان لگائی اور ترکش کے تیر ہاتھ میں لیے خانہ کعبہ میں آئے جہاں کچھ معززین قریش جمع تھے اس شان کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ نے کعبہ کا سات مرتبہ طواف کیا پھر مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھی پھر معززین قریش کے اس اجتماع میں آکر فرداً فرداً ہر ایک سے کہا

تمھارا چہرہ بگڑ جائے جس کا ارادہ ہو کہ اپنی ماں سے دور ہو جائے، اپنی اولاد کو یتیم کرے، اپنی بیوی کو بیوہ کرے وہ اس میدان میں آ کر میری تلوار سے قتل اور خباثت باطنی کا ذائقہ چکھے لیکن کسی نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کا پیچھا نہیں کیا۔①

---

①اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ تاریخ الخلفاء بحوالہ تھذیب ابن عساکر (۲۷۸/۱۸) شیخ البانی کہتے ہیں اس کی سند میں مذکور ہے۔ الزبیر بن محمد بن خالد العثمانی ، حدثنا عبد اللہ بن القاسم الاملی عن ابیہ ۔ یہ تینوں راوی مجہول الحال ہیں ائمہ جرح وتعدیل نے ان کا مطلق تذکرہ نہیں کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دریائے نیل کے نام خط اور خشک دریا کی روانی

سیوطی کہتے ہیں: ابوالشیخ نے اپنی کتاب العظمۃ میں قیس بن حجاج وغیرہ کی زبانی لکھا ہے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر فتح کر کے عجمیوں کی مانند ایک دن دربار عام کیا۔ اس میں بعض لوگوں نے کہا اے امیر المومنین! دریائے نیل کے جاری رکھنے کے لیے ہمارے یہاں قدیم سے طریقہ یہ ہے کہ چاند کی گیارہویں رات کو ہم ایک نوجوان لڑکی کو اس کے والدین کی رضا مندی کے ساتھ قیمتی کپڑے اور عمدہ زیور پہنا کر اور خوب بناؤ سنگھار کر کے دریائے میں ڈال دیتے ہیں ۔ اس پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر کے گورنر نے جواب دیا۔ یہ رسوم اسلام میں ہرگز جائز نہیں اور اسلام غیر شرعی رسوم کو مٹانے آیا ہے۔ چنانچہ اس سال یہ رسم نہیں کی گئی اور دریائے نیل تقریباً خشک ہو گیا اور باشندگانِ مصر ترک وطن پر مجبور ہو گئے تو گورنر مذکورہ نے خلیفہ رسول اللہ (رضی اللہ عنہ) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حالات و واقعات کی رپورٹ روانہ کی جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمان جاری کیا ہے حالات وکوائف اور تمھارا عمل معلوم ہوا۔ واقعی اسلام تمام غیر شرعی رسوم کو ختم کر دیتا ہے۔ اسی کے ساتھ ایک اور خط بھیج رہا ہوں تم اسے دریائے نیل میں ڈال دینا جب فرمان اور ملفوفہ خط ملا تو گورنر مصر نے اس ملفوفہ خط کو پڑھا جس میں تحریر تھا:

منجانب بندۂ اللہ عمر رضی اللہ عنہ امیر المومنین دریائے نیل کے نام۔

''حمد وصلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کہ اگر تو اپنے اختیار قوت سے بہتا ہے تو ہر گز جاری نہ ہو اور اگر اللہ تعالیٰ تیری روانی اور بہاؤ کو جاری کرتا ہے تو میں اللہ واحد وقہار کی بارگاہ میں دست سوال دراز کرتا ہوں کہ وہ تجھے جاری کر دے اور تو رواں ہو جاؤ۔''

چنانچہ گورنر مصر نے ستارہ صلیب نکلنے والی رات سے ایک رات پہلے دریائے نیل میں ڈالا اور باشندگان مصر نے صبح کو خواب سے بیدار ہو کر دیکھا کہ ایک ہی رات میں اللہ تعالیٰ نے سولہ ہاتھ گہرا پانی دریائے نیل میں جاری کر دیا ہے چنانچہ اسی دن سے اللہ تعالیٰ نے باشندگان مصر کی رسم دختر کشی کا خاتمہ کر دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم پر اب تک دریائے نیل برابر جاری ہے۔ [1]

[1] اسنادہ ضعیف ۔اس کی سند ضعیف ہے۔واخرجہ ابو الشیخ فی العظمۃ ص ۳۱۸۔ ایک میں عبداللہ بن لھیعہ راوی ضعیف ہے اور اس میں اصل راوی جو واقعہ بیان کرنے والا ہے وہ مجہول ہے۔ محمد فارس کہتے ہیں یہ اثر ضعیف ہے اور اس کا قائل غیر معروف ہے۔

یہ شخص عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جنازہ نہیں پڑھائے گا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک جنازہ لایا گیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر نماز جنازہ پڑھیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ نہ پڑھی۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے ہم نے آپ کو کسی کی نماز جنازہ چھوڑتے نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا تھا تو یہ اللہ تعالیٰ کا مبغوض ہوا۔ اس لیے اللہ بھی اس سے نفرت کرتا ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث غریب (ضعیف) ہے ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں اس میں محمد بن زیاد صاحب میمون بن مہران ہیں یہ حدیث میں بہت ضعیف ہیں محمد بن زیاد

صاحب ابی ہریرہ بصری ہیں اور ثقہ ہیں۔ ①

① اسنادہ موضوع ۔ شیخ البانی کہتے ہیں اس کی سند من گھڑت ہے۔ سلسلة الاحادیث الضعیفة (١٩٦٧)
واخرجه الترذمی ، کتاب المانقب ، باب مناقب عثمان بن عفان ﷺ حدیث رقم (٣٧٠٩)۔

سورج نے عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر آدمی کا چہرہ نہیں دیکھا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یوں مخاطب کیا اے رسول کریم ﷺ کے بعد سب سے بہتر انسان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ نے تو یہ بات کہی مگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے سورج حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر انسان پر طلوع نہیں ہوا۔

ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث غریب (ضعیف) ہے۔ ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں اس کی سند قائم نہیں۔ ①

① اسنادہ موضوع ۔ شیخ البانی کہتے ہیں اس کی سند من گھڑت ہے۔ سلسلة الاحادیث الضعیفة (١٣٥٧)
واخرجه الترمذی ، کتاب المناقب ، باب مناقب ابو بکر و عمر ﷺ حدیث رقم (٣٦٨٤)

قصہ ایک لڑکی کا جس کی موت کا باعث ایک مکڑی بنی!

ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں اس موقعہ پر ایک مطول قصہ بزبان حضرت مجاہد رحمہ اللہ مروی ہے کہ اگلے زمانے میں ایک عورت حاملہ تھی جب اسے درد ہونے لگے اور بچی تولد ہوئی تو اس نے اپنے ملازم سے کہا کہ جاؤ کہیں سے آگ لے آؤ وہ باہر نکلا تو دیکھا کہ دروازے پر ایک شخص کھڑا ہے پوچھتا ہے کہ کیا ہوا لڑکی یا لڑکا؟ اس نے کہا لڑکی ہوئی ہے کہا سن یہ لڑکی ایک سو آدمیوں سے

زنا کرائے گی پھر اس کے ہاں اب جو شخص ملازم ہے اسی سے اس کا نکاح ہوگا اور ایک مکڑی اس کی موت کا باعث بنے گی۔ یہ شخص یہیں سے پلٹ آیا اور آتے ہی ایک تیز چھری لے کر اس لڑکی کے پیٹ کو چیر ڈالا اور اسے مردہ سمجھ کر وہاں سے بھاگ نکلا اس کی ماں نے یہ حال دیکھ کر اپنی بچی کے پیٹ میں ٹانکے لگا دیے اور علاج معالجہ شروع کیا جس سے اس کا زخم بھر گیا، اب ایک زمانہ گزر گیا ادھر یہ لڑکی بلوغت کو پہنچ گئی اور تھی بھی اچھی شکل وصورت کی۔ بدچلنی میں پڑ گئی ادھر ملازم سمندر کے راستے کہیں چلا گیا کام کاج شروع کیا اور بہت رقم جمع کی کل مال سمیٹ کر بہت مدت بعد یہ پھر اسی اپنے گاؤں میں آ گیا اور ایک بڑھیا عورت کو بلا کر کہا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں گاؤں میں جو بہت خوبصورت عورت ہو اس سے میرا نکاح کرا دو، یہ عورت گئی اور چونکہ شہر بھر میں اس لڑکی سے زیادہ خوش شکل کوئی عورت نہ تھی یہیں پیغام بھیجا، منظور ہو گیا، نکاح بھی ہو گیا اور وداع ہو کر یہ اس کے ہاں آ بھی گئی دونوں میاں بیوی میں بہت محبت ہو گئی۔

ایک دن ذکر، اذکار میں اس عورت نے اس سے پوچھا آخر آپ کون ہیں کہاں سے آئے ہیں یہاں کیسے آ گئے؟ وغیرہ اس نے اپنا تمام ماجرا بیان کر دیا کہ میں یہاں ایک عورت کے ہاں ملازم تھا اور وہاں سے اس کی لڑکی کے ساتھ یہ حرکت کر کے بھاگ گیا تھا اب اتنے برسوں کے بعد یہاں آیا ہوں تو اس لڑکی نے کہا جس کا پیٹ چیر کر تم بھاگے تھے میں وہی ہوں یہ کہہ کر اپنے اس زخم کا نشان بھی اسے دکھایا تب تو اسے یقین آ گیا اور کہنے لگا جب تو وہی ہے تو ایک بات تیری نسبت مجھے اور بھی معلوم ہے وہ یہ کہ تو ایک سو آدمیوں سے مجھ سے پہلے مل چکی ہو اس نے کہا ٹھیک ہے یہ کام تو مجھ سے ہوا ہے لیکن گنتی یاد نہیں۔

اس نے کہا کہ مجھے تیری نسبت ایک اور بات بھی معلوم ہے وہ یہ کہ تیری موت کا سبب ایک مکڑی بنے گی۔ خیر چونکہ مجھے تجھ سے بہت زیادہ محبت ہے میں تیرے لیے ایک بلند و بالا پختہ اور اعلیٰ محل تعمیر کرا دیتا ہوں اسی میں تو رہ تا کہ وہاں تک ایسے کیڑے مکوڑے پہنچ ہی نہ سکیں چنانچہ ایسا محل تیار ہوا اور یہ وہاں رہنے سہنے لگی۔

ایک مدت کے بعد ایک روز دونوں میاں بیوی بیٹھے تھے تو اچانک چھت پر ایک مکڑی دکھائی

دی۔ اسے دیکھتے ہی اس شخص نے کہا دیکھو آج یہاں مکڑی دکھائی دی عورت بولی اچھا یہ میری جان لیوا ہے؟ تو میں اس کی جان لوں گی غلاموں کو حکم دیا کہ اسے زندہ پکڑ کر میرے سامنے لاؤ نوکر پکڑ کر لے آئے اس نے زمین پر رکھ کر اپنے پیر کے انگوٹھے سے اسے مسل ڈالا اور اس کی جان نکل گئی لیکن اس میں سے پیپ کا ایک آدھ قطرہ اس کے انگوٹھے کے ناخن اور گوشت کے درمیان اُڑ کر چپک گیا اس کا زہر چڑھا، پیر سیاہ پڑ گیا اسی میں آخر مر گئی۔ ①

---

① یہ اثر اسرائیلیات میں سے ہے۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ واللہ اعلم۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی اور لونڈی کے ساتھ قصہ!

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے پہلو میں لیٹے ہوئے تھے اُن کی باندی گھر کے کونے میں (سو رہی) تھی۔ یہ اُٹھ کر اُس کے پاس چلے گئے اور اُس میں مشغول ہو گئے۔ اُن کی بیوی گھبرا کر اُٹھی اور اُن کو بستر پر نہ پایا تو وہ اُٹھ کر باہر چلی گئی اور اُنھیں باندی میں مشغول دیکھا۔ وہ اندر واپس آئی اور چھری لے کر باہر نکلی اتنے میں یہ فارغ ہو کر کھڑے ہو چکے تھے اور اپنی بیوی کو راستے میں ملے۔ بیوی نے چھری اُٹھائی ہوئی تھی۔ اُنھوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ بیوی نے کہا ہاں کیا بات ہے؟ اگر میں تمھیں وہاں پا لیتی جہاں میں نے تمھیں دیکھا تھا تو میں تمھارے کندھوں کے درمیان یہ چھری گھونپ دیتی۔ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا تم نے مجھے کہا دیکھا تھا؟ اُنھوں نے کہا میں نے تمھیں باندی کے پاس دیکھا تھا۔ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا تم نے مجھے وہاں نہیں دیکھا تھا (میں باندی کے پاس نہیں گیا۔ میں نے اُس کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔ اگر میں نے اس کے ساتھ کچھ کیا ہوتا تو میں جنبی ہوتا) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت جنابت میں قرآن پڑھنے سے ہمیں منع فرمایا ہے (اور میں ابھی قرآن پڑھ کر تمھیں سنا دیتا ہوں۔) اُن کی بیوی نے کہا اچھا قرآن پڑھو۔ اُنھوں نے یہ اشعار (اس طرح

سے) پڑھے (کہ اُن کی بیوی قرآن سمجھتی رہی۔ (محبت بڑھانے کے لیے میاں بیوی کا آپس میں جھوٹ بولنا جائز ہے۔)

((اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰہِ یَتْلُوْ کِتَابَہٗ ، کَمَا لَاحَ مَشْھُوْرٌ مِّنَ الْفَجْرِ سَاطِعٌ))

''ہمارے پاس اللہ کے رسول آئے جو اللہ کی ایسی کتاب پڑھتے ہیں جو کہ روشن اور چمکدار صبح کی طرح چمکتی ہے۔''

((اَتٰی بِالْھُدٰی بَعْدَ الْعَمٰی فَقُلُوْبُنَا ، بِہٖ مُوْقِنَاتٌ اَنَّ مَاقَالَ وَاقِعٌ))

''آپ ﷺ لوگوں کے اندھے پن کے بعد ہدایت لے کر آئے اور ہمارے دلوں کو یقین ہے کہ آپ ﷺ نے جو کچھ کہا ہے وہ ہو کر رہے گا۔''

((یَبِیْتُ یُجَافِیْ جَنْبَہٗ عَنْ فِرَاشِہٖ ، اِذَا سْتَثْقَلَتْ بِالْمُشْرِکِیْنَ الْمَضَاجِعُ))

''جب مشرکین بستروں پر گہری نیند سو رہے ہوتے ہیں اُس وقت آپ ﷺ عبادت میں ساری رات گزار دیتے ہیں اور آپ ﷺ کا پہلو بستر سے دور رہتا ہے۔''

یہ اشعار سن کر اُن کی بیوی نے کہا میں اللہ پر ایمان لاتی ہوں اور میں اپنی نگاہ کو غلط قرار دیتی ہوں۔ پھر صبح کو حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں جا کر یہ واقعہ سنایا تو حضور ﷺ اتنا ہنسے کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک نظر آنے لگے۔ [1]

[1] اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اس کے تمام طرق ضعیف ہیں۔ اخرجہ الدار قطنی فی السنن ، کتاب الطھارۃ رقم الحدیث (٤٢٦) اس میں زمعہ بن صالح راوی ضعیف ہے۔ نیز یہ عکرمہ سے مرسل مروی ہے۔ شیخ البانی کے شاگرد رشید ابی عبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان نے اپنی کتاب قصص لاتثبت جلد دوم میں اس کے تمام طرق جمع کر کے ان کا ضعف ثابت کیا ہے نیز انھوں نے درایۃً بھی اس کو غلط ثابت کیا ہے۔

ایک بے حیا عورت حضور ﷺ کا جھوٹا کھانے سے حیادار بن گئی

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ ایک عورت مردوں سے بے حیائی کی باتیں کیا

کرتی تھی اور بہت بے باک اور بدکلام تھی۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کے پاس سے گزری حضور ﷺ ایک اونچی جگہ بیٹھ کر ثرید کھا رہے تھے اس پر اس عورت نے کہا انھیں دیکھو ایسے بیٹھے ہوئے ہیں جیسے غلام بیٹھتا ہے ایسے کھا رہے ہیں جیسے غلام کھاتا ہے یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کون سا بندہ مجھ سے زیادہ بندگی اختیار کرنے والا ہوگا پھر اس عورت نے کہا یہ خود کھا رہے ہیں اور مجھے نہیں کھلا رہے حضور ﷺ نے فرمایا تو بھی کھالے اس نے کہا مجھے اپنے ہاتھ سے عطا فرمائیں حضور ﷺ نے اُسے دیا تو اُس نے کہا جو آپ کے منہ میں ہے اس میں سے دیں حضور ﷺ نے اس میں سے دیا جسے اس نے کھالیا اس کھانے کی برکت سے اس پر شرم وحیا غالب آگئی اور اس کے بعد اس نے اپنے انتقال تک کسی سے بے حیائی کی کوئی بات نہ کی۔ [1]

---

[1] اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر رقم (۷۸۱۲) مجمع الزوائد کتاب علامات النبوۃ حدیث رقم (۱٤۲۲۷) ہیثمی کہتے ہیں اس کو طبرانی نے روایت کیا اور اس کی سند ضعیف ہے۔

ایک صحابی کی جن کے ساتھ کشتی صحابی نے بچھاڑ دیا جن نے آیۃ الکرسی سکھادی

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ایک شخص رات کے اندھیرے میں باہر نکلا تو اس صحابی کا ایک جن سے آمنا سامنا ہو گیا جن نے صحابی کو دبوچنا چاہا تو صحابی نے اسے دھکا دے کر زمین پر گرا دیا اور اس سے کہا تم تو بڑے کمزور اور ڈرپوک ہو اور تمھارے ہاتھ تو کتے کے پنجوں جیسے ہیں اچھا یہ بتاؤ کیا سارے جنات ہی ایسے کمزور ہوتے ہیں یا تم ہی اتنے لاغر ہو اس نے کہا نہیں اللہ کی قسم میں تو ان میں سے سب سے طاقتور ہوں (ور ہاں پہلے تم نے مجھے بے دھیانی میں نیچے گرا لیا اب تم میرے ساتھ کشتی لڑو اگر تم نے دوبارہ مجھے بچھاڑ

دیا تو میں تمھیں ایک چیز بتاؤں گا جو تمھارے لیے فائدہ مند ہوگی۔ چنانچہ دوبارہ صحابی اور جن کے درمیان کشتی ہوئی تو صحابیِ رسول نے جن کو چاروں شانے چت کر دیا اور اس سے کہا کہ اب نفع بخش چیز بتلاؤ۔ اس جن نے کہا کہ تم آیت الکرسی پڑھا کرو۔ کیونکہ جب آپ گھر میں آیت الکرسی کی تلاوت کریں گے تو شیطان وہاں سے گدھے کی طرح چیختا اور ہنہناتا ہوا بھاگ جائے گا پھر صبح تک وہاں نہیں آئے گا۔ بعض روایات میں ہے جس سے کشتی ہوئی وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔[1]

[1] اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ سنن دارمی ، کتاب فضائل القرآن باب ۱۴ فضل أول سورۃ البقرۃ وایۃ الکرسی حدیث رقم (۳۳۸۱) اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ شعبی کا ابن مسعود سے سماع ثابت نہیں۔ المعجم الکبیر للطبرانی (۱۸۲/۹، ۱۸۴۔ حدیث (۸۸۲۴، ۸۸۲۶) مجمع الزوائد (۷۱/۹)

پانچ سو سال تک پہاڑ کی چوٹی پر عبادت کرنے والے ایک بزرگ کا دلچسپ قصہ

بیہقی کہتے ہیں ہمیں خبر دی ہے ابوعبداللہ حافظ نے ان کو ابونصر محمد بن محمد بن یوسف فقیہ نے ان کو عثمان بن سعید دارمی نے ان کو عبداللہ بن صالح بصری نے ان کو حدیث بیان کی ہے سلیمان بن ہرم قرشی نے ان کو محمد بن منکدر نے ان کو جابر بن عبداللہ نے وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ ابھی میرے خلیل جبرائیل علیہ السلام یہاں سے گئے ہیں اُنھوں نے کہا ہے اے محمد قسم ہے اس ذات کی جس نے تجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے بے شک اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندہ تھا جس نے پانچ سو سال تک پہاڑی چوٹی پر عبادت کی تھی۔ جو کہ سمندر کی وسط ہے جس کی لمبائی چوڑائی تیس ہاتھ ہے ضرب تیس ہاتھ۔ ہر کونے سے چار ہزار فرسخ کو اس کو احاطہ کرتے ہیں۔ اللہ نے اس کے لیے اس میں ایک میٹھا چشمہ جاری کر دیا تھا جو کہ ایک

انگلی کے برابر چوڑا تھا جو پانی پھینکتا تھا اور وہ پانی پہاڑ کی جڑ میں صاف ہو جاتا تھا اور ایک درخت انار کا جس سے ہر رات ایک انار آتا جو کہ اس کی غذا بنتا جب شام ہوتی وہ نیچے اتر کر وضو کرتا اور وہ انار لے لیتا اور اسے کھا کر پھر وہ نماز میں کھڑا ہو جاتا۔ اس نے اپنے رب سے تمنا کی کہ وہ اس کی روح سجدے کی حالت میں قبض کرے یا اللہ تعالیٰ اس کے لیے زمین کو اور ہر چیز کو ایسا کر دے کہ اس کو کوئی چیز خراب نہ کرے مرنے کے بعد یہاں تک کہ اللہ اس کو اسی حالت سجدے میں قیامت کے روز اُٹھائے اللہ نے قبول کر لی ہم اس پر سے گزرتے ہیں ہمیں جب ہم رو کے چڑھتے ہیں یا نیچے اترتے ہیں ہم اس کو علم میں پاتے ہیں قیامت کے دن وہ اُٹھایا جائے گا اور اللہ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اس کے لیے رب فرمائے گا میرے بندے کو جنت میں داخل کر دو میری رحمت کے بدلے میں وہ کہے گا اے میرے رب میرے عمل کے بدلے میں داخل کر دے اللہ فرمائے گا میرے بندے کو میری رحمت کے ساتھ جنت میں داخل کر دو وہ کہے گا بلکہ میرے عمل کے بدلے میں پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا کہ میری نعمت کا اور اس کے عمل کا مقابلہ کرو پس پہلے آنکھ والی نعمت کو لیا جائے گا وہ پانچ سو سال کی عبادت کو احاطہ کر لے گی اور باقی پورے جسم کی نعمتیں اس پر زائد رہ جائیں کہ جن کا مقابلہ کرنے کے لیے کوئی نیکی اس کے پاس نہیں ہوگی اللہ تعالیٰ فرمائے گا لے جاؤ میرے بندے کو جہنم میں فرمایا کہ وہ گھسیٹا جائے گا جہنم کی طرف لہٰذا وہ بندہ پکارے گا اے میرے رب اپنی رحمت کے ساتھ مجھے جنت میں داخل کر دے اللہ تعالیٰ فرمائے گا واپس لاؤ اس کو پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور وہ کہے گا اے میرے بندے تجھے کس نے پیدا کیا جب کہ تو کوئی چیز نہیں تھا وہ کہے گا اے میرے رب آپ نے ہی تو مجھے پیدا کیا تھا کیا یہ تیری طرف سے تھا یا محض میری رحمت کے ساتھ تھا؟ وہ کہے گا کہ بلکہ تیری رحمت کے ساتھ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ پانچ سو سال کی عبادت کی قوت تجھے کس نے دی تھی وہ کہے گا کہ آپ نے دی تھی پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تجھے سمندر کی موجوں کے بیچوں بیچ پہاڑ میں کس نے اتارا تھا اور تیرے لیے پانی کس نے نکالا تھا نمکین پانی میں سے میٹھا پانی اور رات تیرے لیے انار کس نے بنایا

وہ تو سال میں ایک بار لگتا ہے اور تم نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ میں تجھے حالت سجدہ میں قبض کروں میں نے ایسا ہی کیا تھا تیرے ساتھ۔ بندہ کہے گا اے رب آپ نے ہی کیا تھا۔ اللہ فرمائے گا کہ یہ سب کچھ میری رحمت سے ہوا تھا لہٰذا آج میں نے جنت میں بھی اپنی رحمت کے ساتھ داخل کیا ہے۔ میرے بندے کو جنت میں داخل کردو میری رحمت کے ساتھ پس اچھا بندہ تھا تو میرا اے میرے بندے۔ اس کو جنت میں داخل کردو۔ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا سوائے اس کے نہیں کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ ہیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ مستدرك للحاكم (٤/٢٥٠، ٢٥١) كتاب التوبة والانابة رقم الحديث (٧٦٣٧) سلسلة الاحاديث الضعيفة (٣/٣٣١)۔ كنز العمال (٤/٤٩٦) البدور (٢١٩) الترغيب (٤/٢٠٠) واخرجها البيهقي في الشعب الايمان (٤/١٥٠، ١٥١) رقم (٤٦٢٠) یہ واقعہ صحیح نہیں۔ دیکھیں: قصص لا تثبت ابی عبده مشهور بن حسن آل سلمان الجزء السابع ص ٥٧۔)

جبریل علیہ السلام فلاں بستی کو تباہ کردو، یا اللہ وہاں ایک تیرا نیک بندہ ہے اس کو بھی ہاں: اللہ کا حکم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ فلاں شہر کو اس کے باسیوں سمیت اُلٹ دو کہتے ہیں کہ جبریل امین علیہ السلام نے عرض کیا بے شک اُن میں تیرا فلاں نیک بندہ بھی موجود ہے جس نے آنکھ جھپکنے کی دیر بھی تیری نافرمانی کبھی نہیں کی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو اسی سمیت شہر کو اُلٹ دے اس لیے کہ میری وجہ سے کبھی بھی ایک لمحے کے لیے بھی اس کے چہرے پر ناپسندیدگی نہیں آئی۔ (یعنی برے لوگوں کے خلاف)[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اخرجه البيهقي في شعب الايمان رقم الحديث

(۷۵۹۵) اس کی سند میں عبید بن اسحاق العطار راوی ضعیف ہے۔ یحییٰ کہتے ہیں ضعیف ہے۔ بخاری کہتے ہیں اس کے پاس منکر روایات ہیں۔ ازدی کہتے ہیں متروک الحدیث ہے۔ دار قطنی کہتے ہیں ضعیف ہے۔ دیکھیں: المغنی (۴۱۸/۲) الضعفاء والمتروکین (۱۱۵/۳) الجرح والتعدیل (۴۰۱/۵) نیز اس میں عمار بن سیف بھی ضعیف ہے۔ ابوزرعہ اور ابوحاتم نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ دیکھیں: تهذيب الكمال (۹۹۶/۲) تقريب التهذيب (۴۷/۲) تاريخ البخاری الكبير (۲۹/۷) الجرح والتعديل (۲۱۹۱/۶)

قریش کا ابوطالب سے نبی ﷺ کی شکایت کرنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ابوطالب بیمار ہوئے تو قریش ان کے پاس آئے نبی کریم ﷺ بھی تشریف لائے ابوطالب کے پاس صرف ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی ابو جہل انھیں منع کرنے اُٹھا اور ان لوگوں نے ابوطالب سے آپ کی شکایت کی۔ ابوطالب نے پوچھا بھتیجے آپ اپنی قوم سے کیا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں ان سے ایک کلمہ چاہتا ہوں جس کے سبب عرب والے ان کے مطیع ہوں اور اہل عجم انھیں جزیہ ادا کریں۔ ابوطالب نے کہا بس صرف ایک کلمہ؟ آپ نے فرمایا ہاں صرف ایک کلمہ۔ پھر آپ نے فرمایا اے چچا لا الہ الا اللہ کہو قریش نے کہا بس صرف ایک معبود ہم نے کسی دوسرے دین میں یہ بات نہیں سنی۔ یہ من گھڑت بات ہے چنانچہ اس پر ان لوگوں کے بارے قرآن کی آیت نازل ہوئی۔ ص والقرآن ذی الذكر ،الخ۔[1]

[1] اسناده ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ سنن ترمذی، کتاب التفسیر، باب ۳۹ ومن سورة ص رقم الحديث (۳۲۳۲) شیخ البانی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ مستدرك للحاكم (۴۳۲/۲) رقم الحديث (۳۶۱۶) كتاب التفسير اس میں یحییٰ بن عمارہ راوی ضعیف ہے۔ تلخيص الحبير (۹/۲) الدر المنثور (۳۰۵/۵)۔

کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وفات سے قبل خود غسل کر لیا تھا؟

اُم رافع سلمی سے روایت ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مرض نے شدت اختیار کر لی تو

مجھ سے فرمایا: اے میری ماں میرے لیے غسل کا پانی تیار کرو کہتی ہیں میں نے پانی رکھا اور وہ اُٹھیں اور جیسے عمدہ طریقے پر وہ ہمیشہ غسل کرتی تھیں اسی طرح غسل کیا۔ پھر مجھ سے فرمایا میرے لیے نئے کپڑے لاؤ میں نے کپڑے پیش کیے اور وہ اُنھوں نے پہنے۔ پھر اس کمرے میں آ گئیں۔ جہاں ان کا قیام تھا اور فرمایا کمرے کے درمیان میرے لیے بستر لگا دو پھر وہ لیٹ گئیں اور ایک ہاتھ اپنے گال کے نیچے رکھا اور قبلہ رُخ ہو گئیں۔ پھر فرمایا اے میری ماں میں آج مر جاؤں گی میں نے غسل کر لیا ہے لہٰذا میرا جسم نہ کھولا جائے۔ حضرت سلمیٰ کا بیان ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اسی جگہ انتقال کر گئیں۔ جب علی رضی اللہ عنہ آئے تو میں نے ان سے واقعہ بیان کیا اُنھوں نے یہ سن کر فرمایا واللہ ان کا جسم کوئی نہ کھولے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں بغیر غسل دفن کر دیا۔[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ ابن جوزی کہتے ہیں یہ روایت صحیح نہیں۔ اس کی سند میں ایک راوی تو محمد بن اسحاق ہے جسے امام مالک اور ہشام بن عروہ نے کذاب کہا ہے اور اس کا ایک راوی عاصم بن علی ہے اس کے بارے میں یزید بن ہارون کہتے ہیں ہم تو اسے ہمیشہ جھوٹا ہی سمجھتے رہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: قصص لاتثبت جلد سوم صفحہ (٤٣)

عبداللہ بن حذافہ نے بادشاہ کے سر کا بوسہ لے لیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عبداللہ کا بوسہ لیا۔ مشہور واقعہ کی حقیقت

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ عبداللہ بن حذافہ سہمی صحابی رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں لائے ہیں کہ آپ کو رومی کفار نے قید کر لیا اور اپنے بادشاہ کے پاس پہنچایا، اس نے آپ سے کہا تم نصرانی بن جاؤ میں تمھیں اپنے راج پاٹ میں شریک کر لیتا ہوں اور اپنی شہزادی تمھارے نکاح میں دیتا ہوں۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ تو کیا اگر تو اپنی تمام بادشاہت مجھے دے دے اور تمام عرب کا راج مجھے سونپ دے اور یہ چاہے کہ میں ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی دین محمد سے پھر جاؤں تو یہ بھی ناممکن

ہے۔ بادشاہ نے کہا پھر میں تجھے قتل کر دوں گا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں یہ تجھے اختیار ہے چنانچہ اسی وقت بادشاہ نے حکم دیا اور انھیں صلیب پر چڑھا دیا گیا اور تیراندازوں نے قریب سے بحکم بادشاہ کے ہاتھ پاؤں اور جسم چھیدنا شروع کیا بار بار کہا جاتا تھا کہ اب بھی نصرانیت قبول کر لو اور آپ پورے استقلال اور صبر سے فرماتے جاتے تھے کہ ہرگز نہیں آخر بادشاہ نے کہا اسے سولی سے اتار لو، پھر حکم دیا کہ پیتل کی دیگ یا پتیل کی بنی ہوئی گائے خوب تپا کر آگ بنا کر لائی جائے۔ چنانچہ وہ پیش ہوئی بادشاہ نے ایک اور مسلمان قیدی کی بابت حکم دیا کہ اسے اس میں ڈال دو۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں آپ کے دیکھتے ہی دیکھتے اس مسلمان قیدی کو اس میں ڈال دیا گیا وہ مسکین اسی وقت چرمر ہو کر رہ گئے۔ گوشت پوست جل گیا ہڈیاں چمکنے لگیں۔ پھر بادشاہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ دیکھو اب بھی ہماری مان لو اور ہمارا مذہب قبول کر لو، ورنہ اسی آگ کی دیگ میں اسی طرح تمھیں بھی ڈال کر جلا دیا جائے گا۔ آپ نے پھر بھی اپنے ایمانی جوش سے کام لے کر فرمایا کہ ناممکن کہ میں اللہ کے دین کو چھوڑ دوں۔ اسی وقت بادشاہ نے حکم دیا کہ انھیں چرخی پر چڑھا کر اس میں ڈال دو، جب یہ اس آگ کی دیگ میں ڈالے جانے کے لیے چرخی پر اُٹھائے گئے تو بادشاہ نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے ہیں، اسی وقت اس نے حکم دیا کہ رک جاؤ انھیں اپنے پاس بلا لیا، اس لیے کہ اسے اُمید بندھ گئی تھی کہ شاید اس عذاب کو دیکھ کر اس کے خیالات پلٹ گئے ہیں میری مان لے گا اور میرا مذہب قبول کر کے میرا داماد بن کر میری سلطنت کا ساجھی بن جائے گا لیکن بادشاہ کی یہ تمنا اور یہ خیال محض بے سود نکلا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں صرف اسی وجہ سے رویا تھا کہ آج ایک ہی جان ہے جسے راہ حق میں اس عذاب کے ساتھ میں قربان کر رہا ہوں، کاش کہ میرے روئیں روئیں میں ایک ایک جان ہوتی کہ آج میں سب جانیں راہ اللہ اسی طرح ایک ایک کر کے قربان کرتا۔ روایتوں میں ہے کہ آپ کو قید خانے میں رکھا کھانا پینا بند کر دیا، کئی دن کے بعد شراب اور خنزیر کا گوشت بھیجا لیکن آپ نے اس بھوک پر بھی اس کی طرف توجہ تک نہ فرمائی۔ بادشاہ نے بلوا بھیجا اور اسے نہ کھانے کا سبب دریافت کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس حالت میں میرے لیے

حلال تو ہو گیا ہے لیکن میں تجھ جیسے دشمن کو اپنے بارے میں خوش ہونے کا موقعہ دینا چاہتا ہی نہیں ہوں۔ اب بادشاہ نے کہا اچھا میرے سر کا بوسہ لے تو میں تجھے اور تیرے ساتھ کے اور تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کر دیتا ہوں آپ نے اسے قبول فرمالیا اس کے سر کا بوسہ لے لیا اور بادشاہ نے بھی اپنا وعدہ پورا کیا اور آپ کو اور آپ کے تمام ساتھیوں کو چھوڑ دیا جب حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ یہاں سے آزاد ہو کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا ہر مسلمان پر حق ہے کہ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا ماتھا چومے اور میں ابتدا کرتا ہوں یہ فرما کر پہلے آپ نے ان کے سر پر بوسہ دیا۔[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف ۔اس کی سند ضعیف ہے۔ اس کے متعدد طرق ہیں اور ہر ایک میں شدید ضعف پایا جاتا ہے۔ اس کے ایک طرق میں انقطاع ہے۔ایک میں عبداللہ بن محمد راوی مجہول ہے۔ بہر حال اس کی سند سخت ضعیف ہے۔شائقین دیکھیں: ابی عبیدہ مشہور بن حسن ال سلمان کی کتاب قصص لا تثبت جلد سوم صفحہ (۴۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ یہودی کے ہاتھ لگ گئی فیصلہ قاضی شریح کے پاس یہودی کا قبول اسلام

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک زرہ اونٹ سے گر گئی تھی آپ نے اسے ایک یہودی کے پاس دیکھا تو اس سے کہا کہ یہ میری زرہ ہے اس یہودی نے کہا یہ میرے ہاتھ میں ہے میری ہے۔ پھر بولا کہ تمھارے میرے درمیان مسلمان قاضی فیصلہ کرے گا، چنانچہ یہ دونوں قاضی شریح کی عدالت میں آئے قاضی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھا تو جگہ چھوڑ دی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں بیٹھ گئے اور پھر فرمایا کہ اگر میرا حریف مسلمانوں میں سے ہوتا تو میں مجلس کی برابری کرتا لیکن میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ ”کافروں سے مجلس میں برابری مت کرو اور انھیں تنگ راستے اختیار کرنے پر مجبور کرو اگر وہ تمھیں گالی دیں تو ان کی پٹائی کرو اور اگر تمھاری پٹائی کریں تو ان کو قتل کر دو۔ قاضی

شریح نے پوچھا امیر المؤمنین آپ رضی اللہ عنہ کیا چاہتے ہیں؟ اُنھوں نے فرمایا کہ میری چاندی کی زرہ اونٹ سے گر گئی تھی یہ اس یہودی نے اُٹھالی۔ یہودی بولا کہ یہ میری زرہ ہے میرے ہاتھ میں ہے۔ قاضی شریح نے کہا اے امیر المؤمنین آپ سچ کہہ رہے ہیں یہ آپ ہی کی زرہ ہے لیکن اس کے گواہ درکار ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں میں اپنے غلام قنبر کو اور میرے بیٹے حسن کو گواہی کے لیے بلوا لیتا ہوں۔ قاضی شریح نے کہا کہ قنبر کی گواہی تو ہم مان لیں گے لیکن حسن رضی اللہ عنہ آپ کے بیٹے ہیں ان کی گواہی نہیں قبول کریں گے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تیری ماں تجھے گم کرے کیا تو نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سنا کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ قاضی شریح نے کہا ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم جنتی نوجوانوں کے سردار کی گواہی قبول نہیں کرتے واللہ میں تجھے بانقیا بھیج دوں گا جہاں چالیس دن تجھے ان کے فیصلے کرنے پڑیں گے۔ پھر یہودی کو کہا زرہ اُٹھا لو یہودی نے کہا مسلمانوں کا امیر، مسلمانوں کے قاضی کے پاس میرے ساتھ آیا فیصلہ امیر کے خلاف ہوا اور اس نے مان لیا۔ امیر المؤمنین آپ سچے ہیں یہ زرہ آپ کی ہے جو آپ کے اونٹ سے گر گئی تھی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ زرہ اس کو دے دی اور نو سو درہم میں حوالے کر دی۔ یہ شخص مسلمان ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا اور صفین میں شہید ہوا۔ [1]

[1] اسنادہ ضعیف - اس کی سند ضعیف ہے۔ الحلیة (٤/١٤٠) الاباطیل والمناکیر (٢/١٩٨) السنن الکبریٰ (١٠/١٣٦) العلل المتناهية (٢/٣٨٨) اس میں حکیم بن خذام ابو سمیر ضعیف ہے۔ بخاری کہتے ہیں منکر الحدیث ہے۔ ابو عبداللہ الجوزقانی کہتے ہیں یہ روایت باطل ہے۔ ابن جوزی کہتے ہیں یہ حدیث صحیح نہیں۔ اس کی ایک اور سند ہے اس میں عمرو بن شمر اور جابر جعفی دونوں ضعیف ہیں۔

سیدنا یوسف علیہ السلام اور سلیمان بن یسار کا امتحان اور موازنہ

روایت ہے کہ سلیمان بن یسار بہت خوبصورت تھے ایک مرتبہ ایک عورت نے آپ کو گھر کے

اندر غلط کاری پر مجبور کرنا چاہا تو آپ نے انکار کر دیا۔ عورت آپ کی قربت کے لیے التجاء کرتی رہی لیکن آپ گھر سے نکل کر بھاگ گئے اور عورت کو وہیں چھوڑ دیا۔

سلیمان بن یسار کہتے ہیں اس فتنہ کے بعد میں نے خواب میں یوسف علیہ السلام کو دیکھا میں نے ان سے پوچھا کیا آپ یوسف علیہ السلام ہیں فرمایا ہاں میں یوسف ہوں جس نے ارادہ کر لیا تھا اور تو سلیمان ہے جو ارادے سے بھی محفوظ رہا۔ [1]

[1] اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ الحلیۃ (۲/۱۹۰-۱۹۱) امام ذہبی کہتے ہیں اس کی سند میں انقطاع ہے۔ السیر (٤/٤٤٦) نیز اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سلیمان بن یسار سیدنا یوسف علیہ السلام سے اکمل ہیں جو کہ غلط ہے۔

کیا عورت کسی جن سے نکاح کر سکتی ہے امام مالک رحمہ اللہ کے ایک فتویٰ کی حقیقت

ابو عثمان سعید بن العباس رازی کہتے ہیں ہمیں حضرت مقاتل نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں مجھے سعید بن ابو داؤد نے بیان کیا کہ یمن کے لوگوں نے امام مالک رحمہ اللہ سے جن کے ساتھ نکاح کے متعلق سوال لکھ کر بھیجا اور کہا کہ ہمارے یہاں ایک جن شخص ہے وہ ہماری ایک لڑکی کو نکاح کا پیغام دے رہا ہے وہ کہتا ہے میں حلال کا خواہش مند ہوں تو امام مالک رحمہ اللہ نے فتویٰ دیا کہ اس بارے دین میں کوئی حرج نہیں سمجھتا لیکن اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ جب کوئی عورت حاملہ پائی جائے اور اس سے پوچھا جائے تیرا خاوند کون ہے تو وہ کہے کہ میرا خاوند فلاں جن ہے اور اس طرح سے اسلام میں فساد پیدا ہو۔ [1]

[1] اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اس کو الدکتور خالد الحاج نے حقائق الایمان بالملائکۃ

والـجـان ص (٢٣٨) میں سیوطی نے لقط المرجان ص (۳۲) میں بیان کیا ہے اس قصہ کی سند سخت ضعیف ہے۔ نمبر ایک اس میں مقاتل ابن محمد کو دار قطنی نے مجہول کہا ہے اور اس کی روایت منکر ہوتی ہے۔ دیکھیں لسان المیزان (٦/ ٨٣) نمبر دو سعید بن داؤد اس نے متعدد منکر روایات بیان کی ہیں۔

قصہ ایک راہب کا جس کو شیطان نے بہلا کر زنا کروایا پھر لڑکی کو قتل کروایا

بنی اسرائیل میں ایک عابد تھے ساٹھ سال اسے عبادت الٰہی میں گزر چکے تھے شیطان نے اسے ورغلانا چاہا لیکن وہ قابو میں نہ آیا اس نے ایک عورت پر اپنا اثر ظاہر کیا کہ گویا اسے جنات ستا رہے ہیں ادھر اس عورت کے بھائیوں کو یہ وسوسہ ڈالا کہ اس کا علاج اس عابد سے ہو سکتا ہے یہ اس عورت کو اس عابد کے پاس لائے اس نے علاج معالجہ یعنی دم کرنا شروع کیا اور یہ عورت یہیں رہنے لگی، ایک دن عابد اس کے پاس ہی تھا جو شیطان نے اس کے خیالات خراب کرنے شروع کیے یہاں تک کہ وہ زنا کر بیٹھا اور وہ حاملہ ہوگئی، اب رسوائی کے خوف سے شیطان نے چھٹکارے کی یہ صورت بتائی کہ اس عورت کو مار ڈال ورنہ راز کھل جائے گا۔

چنانچہ اس نے اسے قتل کر ڈالا، ادھر اس نے جا کر عورت کے بھائیوں کو شک دلوایا وہ دوڑے آئے، شیطان راہب کے پاس آیا اور کہا وہ لوگ آرہے ہیں اب عزت بھی جائے گی اور جان بھی جائے گی۔ اگر مجھے خوش کرلے اور میرا کہا مان لے تو عزت اور جان دونوں بچ سکتی ہیں۔ اس نے کہا جس طرح تو کہے میں تیار ہوں۔ شیطان نے کہا مجھے سجدہ کر، عابد نے سجدہ کر لیا، یہ کہنے لگا تف ہے تجھ پر کم بخت میں تو اب تجھ سے بیزار ہوں میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں جو رب العالمین ہے۔ ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ ایک عورت بکریاں چرایا کرتی تھی اور ایک راہب کی خانقاہ تلے رات گزارا کرتی تھی اس کے چار بھائی تھے ایک دن شیطان نے راہب کو گد

گدلایا اور اس سے زنا کر بیٹھا اسے حمل رہ گیا شیطان نے راہب کے دل میں ڈالا کہ اب رسوائی ہوگی اس سے بہتر یہ ہے کہ اسے مار ڈال اور کہیں دفن کر دے تیرے تقدس کو دیکھتے ہوئے تیری طرف تو کسی کا خیال بھی نہ جائے گا اور اگر بالفرض پھر بھی کچھ پوچھ گچھ ہو تو جھوٹ موٹ کہہ دینا، بھلا کون ہے جو تیری بات کو غلط جانے؟ اس کی سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی، ایک روز رات کے وقت موقعہ پا کر اس عورت کو جان سے مار ڈالا اور کسی اجاڑ جگہ زمین میں دبا دیا۔ اب شیطان اس کے چاروں بھائیوں کے پاس پہنچا اور ہر ایک کے خواب میں اسے سارا واقعہ کہہ سنایا اور اس کے دفن کی جگہ بھی بتادی، صبح جب یہ جاگے تو ایک نے کہا آج کی رات تو میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے ہمت نہیں پڑتی کہ آپ سے بیان کروں دوسروں نے کہا نہیں کہو تو سہی چنانچہ اس نے پورا خواب بیان کیا کہ اس طرح فلاں عابد نے اس سے بدکاری کی پھر جب حمل ٹھہر گیا تو اسے قتل کر دیا اور فلاں جگہ اس کی لاش دبا آیا ہے، ان تینوں میں سے ہر ایک نے کہا مجھے بھی یہی خواب آیا ہے اب تو انھیں یقین ہو گیا کہ خواب سچا ہے، چنانچہ اُنھوں نے جا کر اطلاع دی اور بادشاہ کے حکم سے اسی راہب کو اس خانقاہ سے ساتھ لیا اور اس جگہ پہنچ کر اس کی لاش برآمد کی، کامل ثبوت کے بعد اب اسے شاہی دربار میں لے چلے اس وقت شیطان اس کے سامنے ظاہر ہوتا ہے اور کہتا ہے یہ سب میرے کرتوت ہیں اب بھی اگر تو مجھے راضی کر لے تو جان بچا دوں گا اس نے کہا جو تو کہے کروں گا، کہا مجھے سجدہ کر لے اس نے یہ بھی کر دیا، پس پورا بے ایمان بنا کر شیطان کہتا ہے کہ میں تو تجھ سے بری ہوں میں تو اللہ تعالیٰ سے جو تمام جہانوں کا رب ہے ڈرتا ہوں ج، چنانچہ بادشاہ نے حکم دیا اور پادری صاحب کو قتل کر دیا گیا، مشہور ہے کہ اس پادری کا نام برصیصا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ طاؤس رحمہ اللہ مقاتل بن حیان رحمہ اللہ وغیرہ سے یہ قصہ مختلف الفاظ سے کمی بیشی کے ساتھ مروی ہے۔ [1]

---

[1] مستدرك للحاكم (٤٨٤/٢) رقم الحديث (٣٨٠١) كنز العمال (٦٩٤/٢) تفسير الطبري (٤٧/١٢)
اگرچہ اس کو حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے بعض محققین کے نزدیک اس کی سند حسن درجے کی ہے۔ مگر صحیح تلبیس

ابلیس میں علامہ البانی کے شاگرد علی حسن علی عبدالحمید نے اس کو حذف کر دیا ہے۔ گویا ان کے نزدیک یہ قصہ صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

عزیٰ بت کی تباہی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عزیٰ ایک شیطانیہ عورت تھی۔ جو بطن نخلہ کے تین درخت کیکر پر آیا کرتی تھی۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''تو بطن نخلہ میں جا وہاں تجھے کیکر کے تین درخت ملیں گے۔ ان میں سے اول درخت کو جڑ سے کاٹ ڈالنا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے وہاں جا کر ایک درخت کو جڑ سے کھود پھینکا اور واپس آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے کچھ دیکھا تھا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے کہا جی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جا کر دوسرے کو جڑ سے کاٹ دے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی۔ جب واپس آئے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر جا کر تیسرے درخت کو بھی جڑ سے کاٹ دے۔ خالد رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ بال بکھیرے اپنے دونوں ہاتھ کندھوں پر رکھے اپنے دانت کٹکٹاتی ہے اور اس کے پیچھے دبیہ السلمی کھڑا ہے جو اس کا دربان تھا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے کہا:

((یَا عُزَّ كُفْرَانَكِ لَا سُبْحَانَكِ إِنِّي رَأَيْتُ اللّٰهَ قَدْ أَهَانَكِ))

''اے عزیٰ تجھ سے کفر ہے تیری تعریف نہیں۔ کیوں کہ میں نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے خوار کیا ہے۔''

پھر اس کو تلوار ماری تو اس کا سر دو ٹکڑے ہو گیا۔ دیکھا تو وہ کوئلہ ہے۔ پھر خالد رضی اللہ عنہ نے درخت مذکورہ کو کاٹ ڈالا اور دبیہ دربان کو بھی قتل کر ڈالا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ آپ نے فرمایا یہی عزیٰ تھی، اب آئندہ عرب کے واسطے عزیٰ نہ ہوگی۔''[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف - اس کی سند ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد (۷/۶) رقم الحدیث (۱۰۲۵۵) ورواہ ابو

یعلیٰ رقم (۹۰۲) نسائی فی التفسیر (۵٦۷) بیہقی (۷۷/۵) ہیثمی کہتے ہیں اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اس میں یحییٰ بن المنذر راوی ضعیف ہے۔ درمنثور (۲٦/٦) تفسیر ابن کثیر (٤۳۲/۷) تفسیر قرطبی (۱۰۰/۱۷) تھذیب تاریخ دمشق لابن عساکر (۱۰۱/۵)

اے عمران بن حصین کتنے خداؤں کی عبادت کرتے تھے کہا سات کی چھ زمین میں ایک آسمان میں

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد سے دریافت کیا، اے حصین۔ ان دنوں تو کتنے خداؤں کی عبادت کرتا ہے؟ میرے والد نے جواب دیا، سات خداؤں کی عبادت کرتا ہوں (ان میں سے) چھ خدا زمین پر ہیں اور ایک آسمان پر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا، ان میں سے کس کو تو اپنے فائدے اور خوف کے لیے خاص کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا، اس خدا کو جو آسمان میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے حصین! خبردار! اگر تو مسلمان ہو جائے تو میں تجھے دو دعائیں بتاؤں گا جو تجھے دونوں جہانوں میں فائدہ بخشیں گی (راوی نے بیان کیا) جب حصین ایمان لایا تو اس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! مجھے وہ دونوں دعائیں بتائیں جن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو یہ دعا کر، (جس کا ترجمہ ہے) ''اے اللہ! مجھے استقامت کی رہنمائی عطا کر اور مجھے میرے نفس کے شر سے محفوظ فرما۔''[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ سنن ترمذی کتاب الدعوات، باب (۷۰) حدیث رقم (۳٤۸۳) مشکاۃ المصابیح (۲٤۷٦) التاریخ الکبیر للبخاری (۱/۳) شیخ البانی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

حافظ قرآن اپنے خاندان کے دس افراد کی شفارش کرے گا

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اس طرح قرآن پڑھا کہ اس پر حاوی ہو گیا (یعنی بکثرت پڑھا) اس (قرآن) کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام سمجھا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا اور اس کے خاندان سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کرے گا جن پر جہنم واجب ہو چکی تھی۔ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف اسی طریق سے جانتے ہیں اس کی سند صحیح نہیں حفص بن سلیمان، ابو عمر بزاز کوفی کو حدیث میں ضعیف سمجھا گیا ہے۔[1]

[1] اسنادہ ضعیف جدا۔ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ سنن ترمذی، کتاب ثواب القرآن باب ۱۳ ماجاء فی فضل قاری القرآن حدیث رقم (۲۹۰٤) واخرجه ابن ماجه، کتاب السنة، باب فضل من تعلم القرآن علمه حدیث رقم (۲۱٦) حفص بن سلیمان متروک الحدیث ہے اور اس کا شیخ مجہول ہے۔ مشکاۃ المصابیح (۲۱٤۱) التعلیق الرغیب (۲/۲۱۰)

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا سات سو اونٹوں پر مشتمل قافلہ تمام اسباب اللہ کی راہ میں خرچ

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں بیٹھی تھی یکا یک کچھ آواز سنی۔ پوچھا یہ کیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا قافلہ شام سے آیا جو ہر قسم کا اسباب تجارت لایا ہے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سات سو اونٹ تھے۔ تمام مدینہ آواز سے گونج اُٹھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، فرماتے تھے "میں نے عبدالرحمٰن بن عوف کو خواب میں دیکھا ہے کہ جنت میں گھٹنوں کے بل چل کر داخل ہوتے ہیں۔"

یہ خبر عبدالرحمٰن کو ملی کہنے لگے کہ اگر مجھ سے ہو سکا تو بہشت میں کھڑا ہو کر داخل ہوں گا۔ یہ کہہ کر وہ تمام اونٹ مع ان کے پالانوں کے اور اسباب کے خدا کی راہ میں دے دیے۔[1]

---

[1] اسناده منکر۔ اس کی سند منکر ہے۔ مسند احمد (۱۱۵/٦) کنز العمال (۳۳۵۰۱) القول المسدد لابن حجر (۹) موضوعات لابن جوزی (۱۳/۲) تنزیه الشریعة لابن عراق (۱٤/۲) اللالئی المصنوعه للسیوطی (۲۱٤/۱) اس میں عمارہ بن زاذان راوی ضعیف ہے۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

علماء، خطباء، واعظین کے ہاں مشہور واقعہ ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے آپ ﷺ کا استقبال کیا گیا تو انصار کی بچیاں خوشی اور مسرت سے ان اشعار کے نغمے بکھیر رہی تھیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ

''ان پہاڑوں سے جو ہیں سوئے جنوب، چودھویں کا چاند ہم پر طلوع ہوا۔''

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

''کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے، شکر واجب ہے ہمیں اللہ کا۔''

أَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

''ہے اطاعت فرض تیرے حکم کی، بھیجنے والا ہے تیرا کبریا۔''[1]

---

[1] اسناده ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ السیرة الحلبیه۔ یہ قصہ ابن عائشہ سے مروی ہے، ابن عائشہ سے مراد عبیداللہ بن محمد حفص التیمی البصری ہیں جن کا سلسلہ عائشہ بنت طلحہ سے ملتا ہے، اسی بنا پر انھیں ابن عائشہ العیشی اور العائشی بھی کہا گیا ہے۔ یہ امام احمد کے اساتذہ میں سے ہیں۔ ۲۲۸ ہجری میں ان کا انتقال ہوا اور اکثر و بیشتر تبع تابعین سے روایت کرتے ہیں اس لیے ان کے اور اس واقعہ کے مابین روایت کرنے والے

تین یا اس سے بھی زیادہ واسطے ہیں لہٰذا یہ روایت معضل ہے۔ شیخ البانی نے سلسلہ احادیث الضعیفہ رقم الحدیث (۵۹۸) میں اسی بناء پر اسے ضعیف قرار دیا۔

روضۂ اقدس کے چور اور سلطان نور الدین زنگی کا خواب

مشہور واقعہ ہے کہ سلطان نور الدین محمود شہید بن عماد الدین زنگی نے ایک رات نماز تہجد کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت کی اور دیکھا کہ آپ ﷺ اور گربہ چشم (کرنجی آنکھوں والے) آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں "مجھے ان دونوں سے نجات دو۔"

سلطان گھبرا کر اُٹھ بیٹھے فوراً وضو کیا نوافل پڑھے اور لیٹ گئے ابھی لیٹے ہی تھے کہ آنکھ لگ گئی اور پھر یہی خواب دیکھا وہ پھر اُٹھے وضو کیا اور نوافل پڑھے اور لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی پھر یہی خواب دیکھا اور پھر تیسری بار بھی یہی خواب دیکھا۔ اس پر نیند اُڑ گئی اور بے چین ہو کر اپنے وزیر جمال الدین اصفہانی کو طلب کر کے اسے سارا واقعہ سنایا۔ وزیر نے کہا دیر نہ کیجیے فوراً مدینہ طیبہ چلیے اور کسی سے اس کا ذکر نہ کیجیے۔ یہ خیال کر کے کہ ضرور مدینہ طیبہ میں کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے وہاں جلد از جلد پہنچنا چاہیے۔ سلطان اپنے وزیر بیس اراکین مجلس اور دو سو سپاہیوں کو ہمراہ لے کر بہت سے زمرد اور جواہر کے ساتھ نہایت تیز رفتار سانڈنیوں پر سوار ہو کر رات دن سفر کر کے سولہ روز میں شام سے مدینہ طیبہ پہنچا۔ اس زمانہ میں عرب سلطان کے زیر اثر آ چکا تھا۔ اس لیے سلطان کی اچانک آمد سے مدینہ طیبہ والے حیران رہ گئے مدینہ کے گورنر نے اچانک تشریف آوری کی وجہ دریافت کی تو سلطان نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ گورنر نے سلطان سے کہا میں انعام و اکرام کے بہانے مدینہ کے تمام لوگوں کو آپ کے سامنے سے گزاروں گا۔ آپ ان میں سے ان دونوں آدمیوں کو پہچان لیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا لیکن مطلوبہ شخص نظر نہ آئے۔ سلطان حیران ہوا آخر اس نے پوچھا کہ شہر کی آبادی میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جو انعام لینے سے محروم رہ گیا ہو۔

خدام نے عرض کی بادشاہ سلامت صرف دو اہل مغرب باقی ہیں جو نہایت صالح، دین دار اور گوشہ نشین ہیں وہ جنت البقیع میں پانی پلانے کی خدمت انجام دیتے ہیں اور سارا دن اپنے مکان میں محو عبادت رہتے ہیں۔ سلطان نے ان کو طلب کیا اور جونہی وہ سلطان کے سامنے آئے اس نے انھیں پہچان لیا مگر تفتیش سے پہلے کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ ان سے مصافحہ کیا عزت سے بٹھا کر ان سے باتیں کیں اور پھر گفتگو کرتے ہوئے ان کے حجرہ میں پہنچا جہاں فرش پر ایک معمولی سی چٹائی پڑی ہوئی تھی طاق میں قرآن مجید اور دینی کتابیں اور صدقہ وخیرات کرنے کے لیے تھوڑا سامان موجود تھا۔ سلطان حیران تھا کہ یاالٰہی یہ کیا ماجرا ہے مایوس ہو کر واپس جانے کا ارادہ کیا تو چٹائی کے نیچے کوئی چیز ہلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ چٹائی کو ہٹایا گیا تو ایک تختہ نظر آیا جس کو اُٹھایا تو ایک سرنگ دکھائی دی۔ جو روضہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کھودی گئی تھی۔ اس وقت ان دونوں کو گرفتار کر لیا گیا اور جب ان سے ساری کیفیت دریافت کی گئی تو دونوں نے اقبال جرم قبول کر لیا اور اعتراف کیا کہ وہ اولی عیسائی ہیں جنھیں عیسائی بادشاہوں نے بہت سا مال دیا تھا تا کہ کسی نہ کسی طریقے سے حضور اکرم ﷺ کا جسد مبارک نکال کر روم لے جائیں اور مسلمانوں کا مرکز ختم ہو جائے مدینہ کے لوگ ہمارے اس بہروپ کے جال میں پھنس گئے اور ہمیں روضہ مبارک کے سامنے رہنے کے لیے ایک حجرہ مل گیا۔ ہم رات بھر سرنگ کھودتے ہیں اور صبح سویرے چمڑے کے دو تھیلوں میں اسی مٹی کو بھر کر فاتحہ پڑھنے کے بہانے جنت البقیع میں جارک ڈال دیتے ہیں دن بھر زیارت گاہوں میں گھومتے رہتے ہیں اور رات بھر اس کام میں مصروف رہتے ہیں۔ کئی برسوں کی محنت کے بعد آج ہم جسد مبارک کے قریب پہنچ گئے تھے (کہتے ہیں جس رات یہ سرنگ جسد اطہر کے قریب پہنچنے والی تھی اس رات سخت بارش اور ہوا کا طوفان آیا اور بجلی زور زور سے کڑکتی رہی جس کی وجہ سے لوگ سخت پریشان ہوئے) یہ واقعات سن کر سلطان زار وقطار رویا اور اس وقت حجرہ کے عین سامنے ان دونوں لعنتیوں کے سرتن سے جدا کر دیا پھر سجدہ شکر بجالایا اور اس کے بعد

روضہ اقدس کے ارد گرد اتنی گہری خندق کھدائی کہ پانی نکل آیا۔ پھر اس خندق میں سطح زمین تک سیسہ پگھلا کر ڈالا گیا تا کہ آئندہ کوئی خطرہ نہ رہے اور اس کے اوپر چار دیواری تعمیر کر دی گئی۔ ①

① اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ دیکھیے: وفاء الوفاء باخبار المصطفیٰ للسمهودی جلد ۲ ص ۱۸۵ ، ۱۸۸۔ یہ قصہ اس وجہ سے ضعیف اور غیر ثابت ہے کہ جمال الدین الاسنوی نے نورالدین الشہید کے معاصرین میں سے کسی ثقہ وصدوق گواہ تک کوئی متصل سند بیان نہیں کی اور بے سند و منقطع روایت مردود ہوتی ہے۔ نورالدین زنگی کے حالات ابن جوزی، ابن عساکر اور دیگر علماء نے لکھے ہیں مگر کسی نے اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کیا لہٰذا وہ کون سا ذریعہ تھا جس سے اسنوی مذکور جو زنگی کی وفات کے (۱۳۵) سال بعد پیدا ہوئے کو اس واقعہ کا پتا چل گیا۔ سمہودی نے المجد اور مطری کا بھی ذکر کیا ہے مگر یہ دونوں بھی زنگی رحمہ اللہ کی وفات کے بہت بعد پیدا ہوئے تھے۔

خلاصہ یہ کہ خواب والا یہ قصہ باسند صحیح ثابت نہیں۔ بحوالہ ماہنامہ الحدیث شمارہ نمبر ۶۲ ص ۱۱۔

چالیس سال تک ہر بات کا جواب قرآن سے دینے والی عورت کا قصہ

ایک معروف عوامی مقرر نے اس قصے کو بڑے درد و سوز کے ساتھ بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کو گیا راستے میں مجھے ایک بوڑھی عورت ملی جو اپنے قافلے سے بچھڑ گئی تھی اس کی پریشانی اور مایوسی کو دیکھ کر اس سے بات کرنا چاہی تو سب سے پہلے میں نے اسے کہا:

((السلام عليك ورحمة الله))

تو وہ خاتون جواب دیتی ہے:

﴿سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبٍّ رَحِيمٍ﴾ [یس: ۵۸]

یعنی ”سلام نہایت مہربان رب کا قول ہے“

مراد یہ ہے کہ سلام کا جواب تو خود اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔

❁ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے پوچھا کہ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟

تو اس نے کہا:

﴿مَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ﴾[الاعراف:١٨٦]

''جسے اللہ بھٹکا دے اسے کوئی راہ پر لانے والا نہیں۔''

مراد یہ کہ میں راستہ بھول گئی ہوں۔

❁ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے پھر پوچھا آپ کہاں سے آ رہی ہیں؟

تو اس نے کہا:

﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى﴾[الاسراء:١]

''یعنی پاک ہے وہ (اللہ) جو اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا۔''

مراد یہ تھی کہ مسجد اقصیٰ سے آ رہی ہوں۔

❁ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرمانے لگے، آپ یہاں کب سے پڑی ہیں؟

عورت نے جواب دیا:

﴿ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا﴾[مریم:١٠]

''برابر تین رات سے۔''

❁ عبداللہ بن مبارک نے پوچھا: تمھارے کھانے کا کیا انتظام ہے؟

عورت نے کہا:

﴿وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ﴾[الشعراء:٧٩]

''وہ (اللہ) مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔''

یعنی کہیں نہ کہیں سے رزق مہیا ہو جاتا ہے۔

❁ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے پوچھا: کیا وضو کا پانی موجود ہے؟

وہ کہنے لگی:

﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾[المائدۃ:٦]

”اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کر لیا کرو۔“

مطلب یہ کہ پانی نہیں مل رہا ہے تو تیمّم کر لیتی ہوں۔

❁ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے پوچھا: یہ کھانا حاضر ہے کھا لیجیے

وہ کہنے لگی:

﴿أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ﴾[البقرۃ:١٨٧]

”روزے کو رات کے آغاز تک پورا کرو۔“

اشارہ یہ تھا کہ میں روزے سے ہوں۔

❁ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے کہا کہ رمضان کا مہینہ تو نہیں ہے۔

وہ کہنے لگی:

﴿وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ﴾[البقرۃ:١٥٨]

”اور جو کوئی خوشی سے نیکی کا کام کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ شکر گزار اور علیم ہے۔“

یعنی میں نے نفل روزہ رکھا ہے۔

❁ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کہنے لگے: لیکن سفر میں تو روزہ افطار کر لینے کی اجازت ہے؟

خاتون کہنے لگی:

﴿وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾[البقرۃ:١٨٤]

”اور اگر تم روزہ رکھو تو تمھارے لیے بہتر ہوگا۔ اگر تم جانتے ہو۔“

❁ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ پوچھنے لگے: آپ میرے جیسے انداز میں بات کریں۔

خاتون کہنے لگی:

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾[ق:١٨]

''وہ انسان کوئی بات نہیں کرتا مگر یہ کہ اس کے پاس ایک مستعد نگہبان ضرور ہوتا ہے۔''

یعنی چونکہ انسان کے ہر لفظ پر ایک فرشتہ نگہبانی کرتا ہے اور اس کا اندراج ہوتا ہے اس لیے بربنائے احتیاط قرآن کے الفاظ میں ہی بات کرتی ہوں۔

❁ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ پوچھنے لگے: کس قبیلہ سے تعلق رکھتی ہیں؟

خاتون کہنے لگی:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾[الاسراء:٣٦]

''جو بات تمھیں معلوم نہ ہو اس کے درپے نہ ہو بے شک کان، آنکھ اور دل اس کی طرف سے جواب دہ ہیں۔''

یعنی جس معاملے کا پہلے سے آپ کو کچھ علم نہیں اور جس سے کوئی واسطہ نہیں اسے پوچھ کر اپنی قوتوں کو ضائع کرتے ہیں۔

❁ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کہنے لگے کہ مجھے معاف کر دیں میں نے واقعی غلطی کی ہے۔

خاتون کہنے لگی کہ:

﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ﴾[یوسف:٩٢]

''آج تم پر کوئی ملامت نہیں اور اللہ تمھیں بخش دے۔''

❁ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے کہا، کیا آپ میری اونٹنی پر بیٹھ کر قافلہ سے جاملنا پسند کریں گی؟

خاتون کہنے لگی:

﴿وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ﴾[البقرة:١٩٧]

''تم جو نیکی کرتے ہو اللہ اسے جان لیتا ہے۔''

یعنی اگر آپ مجھ سے یہ حسن سلوک کرنا چاہیں تو اللہ اس کا اجر دے گا۔

❁ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کہنے لگے: اچھا تو پھر سوار ہو جاؤ، یہ کہہ کر حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے اپنی اونٹنی بٹھا دی۔

خاتون نے کہا:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ﴾[النور:۳۰]

''اور ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ وہ (خواتین کا سامنا ہونے پر) نگاہیں نیچی رکھیں۔''

❁ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ مدعا سمجھ گئے اور منہ پھیر کر ایک طرف کھڑے ہو گئے لیکن جب خاتون سوار ہوئیں تو اونٹنی بدکی اور خاتون کا کپڑا کجاوے میں الجھ کر پھٹ گیا۔

اور وہ پکار اٹھیں:

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ﴾[الشوری:۳۰]

''اور تمھیں جو مصیبت پہنچی ہے وہ تمھارے اپنے ہی کیے کرائے (کوتاہی ولغزش) کا نتیجہ ہے۔''

یعنی خاتون گویا حضرت عبداللہ کو توجہ دلا رہی تھیں کہ یہاں کچھ مشکل پیش آ گئی ہے، حضرت عبداللہ سمجھ گئے اور اونٹنی کا پیر باندھا اور کجاوے کے تسمے درست کیے۔ خاتون نے حضرت عبداللہ کی مہارت وقابلیت کی تحسین کرنے کے لیے آیت کے ذریعہ اشارہ کیا۔

خاتون کہنے لگی:

﴿فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ﴾[الانبیاء:۷۹]

''ہم نے سلیمان علیہ السلام کو اس معاملے میں فہم وبصیرت دی۔''

اور پھر جب سواری کا مرحلہ طے ہو گیا تو خاتون نے سواری کا آغاز کرنے کی آیت پڑھی:

خاتون کہنے لگی:

﴿سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾[الزخرف:۱۳]

''پاک ہے وہ ذات جس نے اس (سواری) کو ہمارے لیے مفید خدمت کے قابل بنا دیا،

ورنہ ہم (اپنے بل بوتے پر) اس کے قابل نہ تھے اور یقیناً ہمیں لوٹ کر (جواب دہی کے لیے) اپنے رب کے سامنے حاضر ہونا ہے۔"

اب حضرت عبداللہ نے اونٹنی کی مہار تھامی اور حدی (عربوں کا مشہور نغمہ سفر) الاپتے ہوئے تیز تیز چلنے لگے۔

خاتون کہنے لگی:

﴿وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ﴾[لقمان:١٩]

"اپنی چال میں اعتدال اختیار کرو اور اپنی آواز دھیمی رکھو۔"

حضرت عبداللہ بات سمجھ گئے اور آہستہ چلنے لگے اور گنگنانے کی آواز بھی پست کر دی۔

خاتون کہنے لگی:

﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾[المزمل:٢٠]

"پھر قرآن میں جتنا کچھ آسانی سے پڑھ سکو پڑھو۔"

یعنی فرمائش ہوئی کہ حدی (شعر ونغمہ) کے بجائے قرآن میں سے کچھ پڑھیے۔ حضرت عبداللہ قرآن پڑھنے لگے۔

خاتون نے اس پر خوش ہو کر کہا:

﴿وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ﴾[البقرة:٢٦٩]

"اور اہل دانش وبینش ہی نصیحت کو قبول کرتے ہیں۔"

❁ حضرت عبداللہ نے کچھ دیر قرآن پڑھنے کے بعد کہا: اے خالہ کیا آپ کے شوہر ہیں؟ (زندہ ہیں)

خاتون نے کہا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾

[المائدة:١٠١]

"اے ایمان والو! ایسی باتوں کے متعلق نہ پوچھو جو اگر تم پر ظاہر کی جائیں تو تمھیں

بری معلوم ہوں۔"

خاتون کا مطلب یہ تھا کہ اس معاملے میں سوال نہ کرو اور قرینہ بتا رہا تھا کہ غالباً خاتون کے شوہر فوت ہو چکے ہیں۔ آخر کار ان دونوں نے قافلہ کو جا پکڑا۔

❁ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے کہا: اس قافلے میں آپ کا کوئی لڑکا یا عزیز ہے جو آپ سے تعلق رکھتا ہے؟

خاتون کہنے لگی:

﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾[الكهف:٤٦]

"مال اور اسباب دنیوی زندگی کی زینت ہیں۔"

یعنی میرے بیٹے بھی قافلہ میں شامل ہیں اور ان کے ساتھ مال و اسباب بھی ہے۔

❁ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرمانے لگے: آپ کے لڑکے قافلہ میں کیا کام کرتے ہیں؟ یعنی آپ کا مطلب یہ تھا کہ انھیں پہچاننے میں آسانی ہو۔

خاتون کہنے لگی:

﴿وَعَلَامَاتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾[النحل:١٦]

"اور نشانیاں ہیں اور ستاروں سے وہ راہ پاتے ہیں۔"

یعنی مراد یہ ہے کہ وہ قافلے کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔

❁ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کہنے لگے کہ آپ ان کے نام بتا سکتی ہیں؟

وہ خاتون کہنے لگی کہ:

﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسَى تَكْلِيمًا يَا يَحْيَى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ﴾[النساء:١٢٥، النساء:١٦٤، مريم:١٢]

"اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو دوست بنایا اور موسیٰ سے کلام کیا، اے یحییٰ اس کتاب کو قوت سے پکڑو۔"

یعنی ان آیتوں کو پڑھنے سے یہ ظاہر ہوا کہ ان کے نام ابراہیم، موسیٰ اور یحییٰ ہیں۔

۞ عبداللہ نے قافلے میں ان ناموں کو پکارنا شروع کیا تو وہ تینوں نوجوان فوراً حاضر ہو گئے۔

خاتون کہنے لگی (اپنے لڑکوں سے):

﴿فَابْعَثُوْا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَذِهِ إِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِنْهُ﴾[الكهف:١٩]

''اپنے لوگوں میں سے کسی کو اپنا سکہ (یعنی نقدی) دے کر شہر میں (کھانا خریدنے کے لیے) بھیجو اور اسے چاہیے کہ وہ دیکھے کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے۔ پھر اس میں سے تمھارے پاس روزی لے آئے۔''

یعنی لڑکوں کو کھانا کھلانے کی ہدایت کی اور جب کھانا لایا گیا تو خاتون نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے کہا:

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ﴾[الحاقة:٢٤]

''ہنسی خوشی کھاؤ پیو بسبب اس اچھے کام کے جو تم نے گذشتہ ایام میں کیا۔''

اور ساتھ ہی دوسری آیت پڑھی جس کا منشا یہ تھا کہ میں آپ کے حسن سلوک کی شکر گزار ہوں۔

﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾[الرحمن:٦٠]

''نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہو سکتا ہے۔''

یہاں تک پہنچ کر یہ مبارک گفتگو ختم ہو گئی۔ اس ضعیف خاتون کے لڑکوں نے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کو بتایا کہ ان کی والدہ چالیس سال سے اسی طرح قرآن ہی کے ذریعے گفتگو کر رہی ہیں۔[1]

---

[1] اسنادہ موضوع۔ اس کی سند من گھڑت ہے۔ فضیلۃ الشیخ عبدالستار الحماد کہتے ہیں یہ واقعہ حكاية متكلم بالقرآن کے عنوان سے المستطرف في كل فن مستظرف جلد ١ ص ٥٦ میں بیان ہوا ہے۔ اس کا کوئی حوالہ باسند بیان نہیں ہوا۔ بلا سند واقعات اکثر و بیشتر خود ساختہ ہوتے ہیں، ایسے بھی اس کتاب میں اس طرح کے دیگر واقعات بھی فضول اور بے بنیاد ہیں۔ اس پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ اس طرح کا ایک واقعہ امام

ابن حبان نے بیان کیا ہے۔ روضة العقلاء ونزهة الفضلاء ص ۷۲ طبع سعودیہ عربیہ انھوں نے اس کی سند بھی بیان کی ہے۔ اس میں ایک راوی محمد بن زکریا العلابی ہے۔ جس کے متعلق امام دارقطنی نے لکھا ہے کہ حدیثیں بنایا کرتا تھا۔ الضعفاء والمتروكين ص ٤٨٣.

فضیل بن عیاض کا ڈاکے مارنا اور توبہ کا واقعہ

امام ذہبی نے سیر اعلام النبلا میں لکھا ہے: ابراہیم بن لیث کہتے ہیں کہ مجھے محدث علی بن خشرم نے بتایا کہ انھیں فضیل بن عیاض کے ایک پڑوسی نے خبر دی ہے کہ حضرت فضیل بن عیاض نے راہزنی اور ڈاکہ ڈالنے کا شغل شروع کر رکھا تھا، ایک رات کا واقعہ ہے کہ ایک قافلہ ان کے پاس آ نکلا۔ قافلے کے آدمی نے دوسرے کو کہا ہم اس قریبی بستی کی طرف چلے جائیں تو بہتر ہے۔ کیونکہ اس راستہ میں فضیل بن عیاض ڈاکے ڈالا کرتا ہے، اتفاق سے حضرت فضیل نے ان کی یہ گفتگو سن لی اور خوف خدا سے لرزہ براندام ہو گئے اور فرمانے لگے، اے میری قوم! اللہ تمھیں جزائے خیر عطاء فرمائے۔ (تم نے نیکی کی طرف میری رہنمائی کی ہے۔) جب تم مجھ سے ڈرتے ہو تو مجھے بھی اللہ سے ڈرنا چاہیے چنانچہ اللہ کی قسم اُٹھاتے ہوئے (اور تمھیں گواہ بناتے ہوئے) اعلان کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جو اللہ کے حکم کے خلاف ہو۔[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ یہ قصہ ضعیف سندوں سے مروی ہونے کی وجہ سے غیر ثابت اور مردود ہے۔ سیر اعلام النبلاء (۸/٤٣٨) تاریخ دمشق (٤٨/٣٨٤)

جو ہر رات سورۂ واقعہ پڑھے گا اُس کو فاقہ نہیں آئے گا

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے واقعات میں ایک روایت لائے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے جس بیماری سے آپ جانبر نہ ہوئے۔ اس بیماری میں

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، پوچھا آپ کو کیا شکوہ ہے؟ فرمایا اپنے گناہوں کا۔ دریافت کیا خواہش کیا ہے؟ فرمایا اپنے رب کی رحمت کی، پوچھا کسی طبیب کو بھیج دوں؟ فرمایا طبیب نے ہی تو بیمار کر ڈالا ہے، پوچھا کچھ مال بھیج دوں؟ فرمایا مال کی کوئی حاجت نہیں، کہا آپ کے بعد آپ کے بچوں کے کام آئے گا، فرمایا کیا میری بچیوں کی نسبت آپ کو فقیری کا ڈر ہے؟ سنیئے میں نے اپنی سب لڑکیوں کو کہہ دیا ہے کہ وہ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھ لیا کریں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص سورۂ واقعہ کو ہر روز پڑھ لیا کرے اس کو ہرگز فاقہ نہیں پہنچے گا۔ اس واقعہ کے راوی حضرت ابوظبیہ بھی اس سورت کو بلا ناغہ پڑھا کرتے تھے۔[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ سلسلة الاحاديث الضعيفة رقم (۲۸۹) واخرجه ابن جوزی فی العلل (۱۵۱) وابن سنی فی عمل الیوم واللیلة (٦٨٠) بیھقی فی شعب الایمان (۲٤۹۸، ۲٤۹۹) اس میں شجاع راوی مجہول ہے۔ اس کی سند میں انقطاع ہے۔ اس کے متن میں نکارت ہے۔ اس کے راویوں میں ضعف ہے۔ غرض کہ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ پھر بھی واعظین اپنی تقریروں میں اس کو پیش کرتے ہیں جبکہ ایسا کرنا غلط ہے۔

بچپن میں حلیمہ کے ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شق صدر کا واقعہ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابوعمرو بن حمدان (حسن بن نفیر، عمرو بن عثمان، بقیہ بن ولید، بحیر بن سعید، خالد بن معدان، عبدالرحمن بن عمرو سلمی) عتبہ بن عبداللہ سے بیان کرتے ہیں کہ کسی صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ابتدائی حالات کیسے تھے؟ تو آپ نے فرمایا میری رضائی ماں، بنی سعد بن بکر سے تھی، میں نے بھائی سے کہا جاؤ امی سے کھانا لے آؤ، چنانچہ وہ کھانا لینے چلا گیا اور میں ریوڑ کے پاس تھا کہ دو سفید پرندے آئے گدھ کی طرح۔ ایک نے دوسرے کو کہا، کیا یہی ہے، دوسرے نے کہا ہاں! پھر دونوں نے مجھے جھپٹ کر پکڑا اور گدی کے بل پچھاڑ دیا

پھر پیٹ چاک کر کے دل نکالا اور اس کو چیر کر دو سیاہ بوٹیاں نکالیں پھر ایک نے دوسرے کو کہا برف کا ٹھنڈا پانی لاؤ، اس پانی سے اُنھوں نے میرا پیٹ دھویا پھر اولے کے ٹھنڈے پانی سے میرا دل صاف کیا، بعد ازاں اس نے کہا سکینت اور تسکین قلبی لاؤ، پھر اس نے یہ دل پھر چھڑک دی۔ پھر ایک نے دوسرے کو کہا، ان کو ترازو کے ایک پلڑے میں بٹھاؤ اور دوسرے پلڑے میں ایک ہزار اُمتی، میں دیکھ رہا تھا کہ ہزار والا پلڑا اوپر اُٹھا ہوا تھا، ہلکا تھا، مجھے خطرہ تھا کہ وہ مجھ پر گر نہ پڑیں پھر اُنھوں نے کہا۔ اگر پوری اُمت کے برابر بھی تولا جائے تو پھر بھی وزنی ہوگا۔ پھر مجھے چھوڑ کر چلے گئے اور میں سخت خوفزدہ تھا۔ پھر میں نے امی کو سارا واقعہ بتایا تو اس کو خطرہ لاحق ہوا کہ بچے کی عقل ٹھیک نہیں رہی اور اس نے دعا دی کہ میں تجھے اللہ کی پناہ میں دیتی ہوں، پھر اس نے سواری کو تیار کر کے مجھے پیچھے بٹھایا اور ہم مکہ میں پہنچ گئے تو اس نے میری والدہ سے کہا میں نے امانت واپس کر دی اور اپنی ذمہ داری نبھا دی ہے اور اس نے میرا ماجرا بھی بتایا تو والدہ کو کوئی فکر لاحق نہ ہوا اور اسے بتایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے جسم سے نور خارج ہوا ہے، جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے ہیں۔ [1]

---

[1] اسنادہ ضعیف - اس کی سند ضعیف ہے۔ مسند احمد (۱۸۵،۱۸٤/٤) رقم الحدیث (۱۷۷۹۸) سنن دارمی حدیث رقم (۱۳) ذکر الذھبی فی تاریخ الاسلام (۴۹،۴۸/۲) جمع الزوائد (۲۲۲/۸) مستدرك للحاکم (۶۱۶/۲) ان کے ہاں یہ حدیث عتبہ بن عبد السلمی کی ہے۔ اس کا دارومدار بقیہ بن ولید پر ہے اور وہ مدلس ہے سند کے کسی بھی حصے میں اس نے سماع کی تصریح نہیں کی بلکہ تمام طبقات میں عنعنہ سے بیان کیا ہے۔ نیز بحیر بن سعد اور خالد بن معدان کے درمیان بھی سماع کی صراحت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

مشہور سیاح ابن بطوطہ کا امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ پر افتراء

ابن بطوطہ کہتا ہے: دمشق میں فقہائے حنابلہ میں امام تقی الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا شمار ہوتا

ہے۔ عظیم المرتبت شخصیت کے مالک تھے اگر چہ بہت سے فنون میں انھیں قدرت تکلم تھی لیکن دماغ میں کسی قدر فتور آ گیا تھا اہل دمشق ان کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے یہ منبر پر بیٹھ کر وعظ فرمایا کرتے تھے۔ آگے چل کر ابن بطوطہ کہتا ہے کہ ایک مرتبہ میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے پاس جمعہ کے دن گیا یہ جامع مسجد میں بیٹھے وعظ فرما رہے تھے، اور کہہ رہے تھے۔ ان اللّٰہ ینزل کنزولی ھذا۔ بے شک اللہ تعالیٰ آسمان سے دنیا پر اس طرح اترتا ہے۔ ونزل درجۃ من درج المنبر جس طرح دیکھو میں منبر سے اترتا ہوں یہ کہہ کر وہ منبر کی سیڑھیوں میں سے ایک سیڑھی نیچے اترے۔ اس پر ایک مالکی فقیہ جس کا نام ابن الزہراء تھا مخالفت میں کھڑا ہو گیا۔ لوگ اس فقیہ کے ساتھ ہو گئے اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ہاتھوں اور جوتوں سے پٹائی کی یہاں تک کہ ان کا عمامہ گر گیا......[1]

---

[1] یہ قصہ باطل ہے۔ سفرنامہ ابن بطوطہ ص ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ مترجم طبع نفیس اکیڈمی کراچی۔ شیخ البانی رحمہ اللہ کے شاگرد ابی عبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان اپنی کتاب قصص لا تثبت حصہ اول ص ۶۶، ۶۷ پر اس پر سخت تنقید کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ واقعہ تین وجوہ کی بنیاد پر غلط ہے۔ پہلی وجہ ہے کہ اس قسم کے واقعات پختہ عزم والوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ انھیں نقل کریں تو ابن بطوطہ کے علاوہ کسی اور نے اسے نقل کیوں نہیں کیا؟ حالانکہ وہاں بکثرت لوگ جمع تھے۔ نیز ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے کسی نے اس کو بیان کیوں نہیں کیا۔ بلکہ امام کے دشمنوں میں سے بھی اسے کوئی روایت نہیں کرتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس مسئلے پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف بڑا واضح ہے اور آپ کا اس بات پر انکار بھی واضح ہے جو اس قصہ میں ان کی طرف منسوب کیا گیا۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات کی طرح قرار دینا مثلاً یہ کہنا کہ اللہ کا استواء (بیٹھنا) مخلوق کے استواء کی طرح ہے یا اس کا نزول مخلوق کے نزول کی طرح ہے اسی طرح دیگر صفات کو قیاس کرنا تو ایسا شخص بدعتی اور گمراہ ہے۔ اس لیے کہ عقل کے ساتھ کتاب وسنت بھی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ کو کسی بھی معاملہ میں مخلوقات کی طرح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بحوالہ مجموع الفتاویٰ (۲۶۲/۵) وانظر التصفیۃ والتربیۃ (ص ۳۹۔ ۴۱) لفضیلۃ الشیخ علی بن حسن الحلبی۔

تیسری بات یہ ہے کہ ابن بطوطہ رمضان ۷۲۶ھ میں دمشق میں داخل ہوا جبکہ امام ابن تیمیہ شعبان ۷۲۶ھ میں قلعہ میں داخل کر دیے گئے تھے۔ یہی ان کے شاگردوں وغیرہم کا بیان ہے۔ لہٰذا ابن بطوطہ نے غلط بیانی کی ہے۔

والدہ کی دعا سے امام بخاری کی بصارت لوٹنے کا قصہ

سیرۃ البخاری کے فاضل مؤلف مولانا عبدالسلام مبارک پوری لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی والدہ بڑی عابدہ اور صاحب کرامات خاتون تھیں۔ اللہ سے دعا کرنا، رونا، عاجزی کرنا ان کا حصہ خاص تھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی آنکھیں صغیرسنی میں خراب ہو گئیں تھیں بصارت جاتی رہی۔ اطباء علاج سے عاجز آ گئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی والدہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرما رہے ہیں۔ اے خاتون اللہ تعالیٰ نے تمھارے رونے اور دعا کرنے سے تمھارے بیٹے کی آنکھیں درست کر دیں وہ کہتی ہیں کہ جس شب کو میں نے خواب دیکھا، اسی کی صبح کو میرے بیٹے (محمد) کی آنکھیں درست ہو گئیں روشنی پلٹ آئی اور وہ بینا ہو گئے۔ [1]

---

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ کرامات الاولیاء کے عنوان سے اللالکائی نے اسے شرح السنۃ میں ذکر کیا ہے، ص ۲۴۷، سند میں محمد بن الفضل البلخی راوی مجہول ہے۔ دوسری سند میں عبداللہ بن محمد بن اسحاق السمسار کا استاد مجہول ہے۔ سیر الاعلام النبلاء (۳۹۲/۱۲)، تاریخ بغداد (۱۰/۲) طبقات الحنابلہ (۲۷٤/۱) تہذیب الکمال (٤٤٥/۲٤) تغلیق التعلیق (۳۸۸/۵) مقدمہ فتح الباری (٤۷۸/۱)

نیکیاں اور ان کے فوائد ایک طویل روایت کی حقیقت

عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ باہر تشریف لائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا: یعنی گذشتہ شب میں نے عجیب وغریب باتیں دیکھیں میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا کہ عذاب کے فرشتوں نے اُسے گھیر رکھا ہے۔ اسی وقت اس کا وضو آتا ہے اور اُس کے ہاتھوں سے اُسے چھڑا لے جاتا ہے۔ میں نے اپنی اُمت کے ایک شخص

کو دیکھا کہ عذابِ قبر اس کے لیے پھیلائے جا رہے ہیں، اتنے میں اس کی نماز آئی اور اسے اُن سے چھڑا لے گئی۔ اپنے ایک اُمتی کو میں نے دیکھا کہ شیاطین نے اسے پریشان کر رکھا ہے کہ اس کا ذکر اللہ کرنا آیا اور ان سے بچا کر لے گیا، میں نے اپنے ایک اُمتی کو دیکھا کہ پیاس کے مارے زبان نکالے دے رہا ہے کہ اس کے رمضان کے روزے آئے اور اسے پانی پلا کر آسودہ کر دیا۔ میں نے اپنے ایک اُمتی کو دیکھا کہ اس کے آگے سے پیچھے سے دائیں سے بائیں سے اُوپر سے نیچے سے، اُسے ظلمت اور اندھیرا گھیرے ہوئے ہے کہ اس کا حج وعمرہ آیا اور اس ظلمت اور اندھیرے سے اُسے نکال لے گیا۔ میں نے اپنے ایک اُمتی کو دیکھا کہ اس کی رُوح قبض کرنے کے لیے ملک الموت آئے لیکن اس نے اپنے ماں باپ کی جو خدمتیں کی تھیں اور ان کے ساتھ جو احسان کیے تھے وہ نیکی آئی اور موت کو اس سے ہٹا دیا۔ میں نے اپنے ایک اُمتی کو دیکھا کہ وہ مومنوں سے بول رہا ہے لیکن مومن اسے جواب تک نہیں دیتے۔ اتنے میں اس کی صلہ رحمی آئی اور کہا کہ یہ تو رشتے ناتے جوڑنے والا تھا۔ اسی وقت ان سب نے اس سے بول چال شروع کر دی اور یہ ان کے ساتھ ہو گیا۔ میں نے اپنے ایک اُمتی کو دیکھا کہ وہ نبیوں کے حلقوں کے پاس آتا ہے، لیکن ہر حلقے سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ اسی وقت اس کا جنابت سے غسل کرنا آتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر میرے پاس بٹھا دیا۔ میں نے اپنی اُمت کے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ آگ کے شعلوں کو اپنے ہاتھوں سے اپنے منہ پر سے ہٹا رہا ہے، اتنے میں اس کا صدقہ وخیرات آ گئے اور اس کے سر پر سایہ اور اس کے چہرے پر پردہ بن گئے۔ میں نے اپنی اُمت کے ایک شخص کو دیکھا کہ عذاب کے داروغے اس کے پاس آ گئے، اتنے میں اس کا بھلائی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا آ گیا اور اُسے اُن کے ہاتھوں سے چھڑا لے گیا۔ میں نے اپنے ایک اُمتی کو دیکھا کہ اُسے آگ میں ڈالا جا رہا ہے۔ اتنے میں اس کے وہ آنسو آ گئے جو خوفِ خدا سے رو کر اس نے دنیا میں بہائے تھے اور اسے آگ سے بچا لے گئے۔ میں نے اپنی اُمت میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا نامۂ اعمال اُڑتا ہوا بائیں جانب سے آ رہا ہے کہ اس کا خوفِ خدا آ گیا اور اس نامہ اعمال کو لے کر اس کے دائیں ہاتھ میں دے دیا۔ میں نے اپنی اُمت کے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا نیکی کا پلڑا ہلکا ہو رہا

ہے کہ اس کے چھوٹے بچے جو انتقال کر گئے تھے، آ گئے اور اس کے نیکی کے پلڑے کو بوجھل اور بھاری کر دیا۔ میں نے اپنی اُمت کے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جہنم کے کنارے پر پہنچا دیا گیا ہے کہ اس کی خدا ترسی آئی اور اُسے بچا لے گئی۔ اپنے ایک اُمتی کو میں نے دیکھا کہ گھاس کے تنکے کی طرح کپکپا رہا ہے۔ اتنے میں اس کی خدا کے ساتھ نیک گمانی آئی اور اُسے سکون وقرار دے گئی۔ ایک اُمتی کو میں نے دیکھا کہ پل صراط پر جم نہیں سکتا، کبھی گرتا ہے کبھی پڑتا ہے، کبھی گھٹنوں سرکتا ہے، اتنے میں میں اس کا مجھ پر درود بھیجنا آ گیا اور اس کا ہاتھ تھام کر سیدھا کھڑا کر کے پل صراط پر سے پار کر دیا۔ پھر ایک کو میں نے دیکھا کہ جنت کے دروازوں کے پاس پہنچ گیا ہے لیکن دروازے بند ہو گئے۔ اتنے میں اس کا کلمۂ شہادت پڑھنا آ گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں پہنچا دیا۔"[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد (۱۷۹/۷) حدیث رقم (۱۱۷۴۶) کتاب التعبیر۔ ہیثمی کہتے ہیں طبرانی نے اس کی دو اسناد ذکر کی ہیں ایک میں سلیمان بن احمد الواسطی اور دوسری میں خالد بن عبدالرحمٰن المخزومی دونوں ضعیف ہیں۔ رواہ الطبرانی فی الاحادیث الطوال رقم (۳۹) اس میں علی بن زید بن جدعان راوی ضعیف ہے۔ تفسیر ابن کثیر (۴۲۱/٤) اتحاف السادۃ المتقین (۳۲۳/۷، ۱۱۹/۸) المغنی عن حمل الاسفار (۵۰/۳) کنز العمال (٤۳۵۹۲)

جنگ اُحد میں ہند بنت عتبہ کا حمزہ کی لاش کا مثلہ کرنا اور جگر نگلنا

ابن اسحاق صالح بن کیسان کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ہند بنت عتبہ اور اس کے ساتھ دیگر خواتین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لاشوں کے پاس آئیں اور ان کے ناک کان کاٹنے شروع کر دیے یہاں تک کہ ہند نے ان کے ہار بنا کر اپنے گلے میں پہنے اور اپنا سارا زیور اتار کر جبیر بن مطعم کے غلام وحشی کو حضرت حمزہ کے شہید کرنے کے انعام میں دیا اور حضرت حمزہ کے جگر کو نکال کر اُس نے اپنے منہ میں لے کر چبایا مگر اُس کو نگل نہ سکی تب اس کو اُگل دیا اور پھر ایک اونچے پتھر

چڑھی اور پکار کر چند اشعار مسلمانوں کی ہجو میں کہے جس کا مفہوم ہے کہ ہم نے تمھیں بدر کے دن کا بدلہ دے دیا جنگ کے بعد جنگ جنون والی ہوتی ہے۔ عتبہ کے معاملے میں تجھ میں صبر کی طاقت نہ تھی اور نہ ہی اپنے بھائی اور اس کے چچا ابو بکر پر۔ میں نے اپنی جان کو شفا دی اور انتقام کو پورا کیا۔ وحشی نے تو میرے سینے کی آگ ٹھنڈی کر دی پس وحشی کا مجھ پر عمر بھر احسان رہے گا۔ یہاں تک کہ قبر میں میری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں۔[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ سیرۃ ابن ہشام مع الروض الانف جلد (۲۷۷/۳) اس کی سند مرسل ضعیف ہے۔ کیونکہ صالح بن کیسان چھوٹے درجے کے تابعی ہیں اگر چہ ثقہ ہیں لیکن ۷۰ھ کے بعد پیدا ہوئے اور ۱۴۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ تقریباً محمد بن اسحاق سے کچھ بڑے ہیں۔ انھوں نے اوپر کی کوئی سند بیان نہیں کی حالانکہ جنگ احد صالح بن کیسان کی پیدائش سے ستر سال قبل واقع ہوئی تھی ان کا قول اس سلسلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔ وہ خود چشم دید گواہ نہیں۔ اگر واقعتاً انھوں نے یہ روایت بیان بھی کی تب بھی منقطع ہوئی اور منقطع روایت قابل قبول نہیں ہوتی۔

میرا بیٹا قتل ہوا ہے میرا حیا تو قتل نہیں ہوا، واقعہ اُم خلاد

عبدالخبیر بن ثابت بن قیس بن شماس اپنے باپ سے وہ دادا سے روایت کرتے ہیں انھوں نے کہا ایک خاتون نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی جس کا نام ام خلاد تھا۔ اس نے پردہ کیا ہوا تھا اور اپنے بیٹے کے بارے میں دریافت کر رہی تھی جبکہ وہ جہاد میں قتل ہو گیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اس سے کہا تم اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھنے آئی ہو اور نقاب ڈال رکھا ہے۔ (یعنی ایسی پریشانی میں بھی پردے کا اہتمام کر رکھا ہے) ام خلاد نے کہا اگر میرا بیٹا قتل ہو گیا ہے میرا حیا تو قتل نہیں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیرے بیٹے کو دو شہیدوں کا ثواب ہے۔ اس نے کہا اے اللہ کے رسول وہ کیونکر آپ نے فرمایا کیونکہ اس کو اہل کتاب نے قتل کیا ہے۔[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اخرجہ البیھقی (۱۷۵/۹) اس میں فرج بن فضالہ ضعیف ہے۔

عبدالخبیر مجہول الحال اور ثابت بن قیس مستور ہے۔ واخرجه ابو داؤد، کتاب الجهاد، باب فضل قتال الروم علی غیرهم من الامم حدیث رقم (۲٤٨٨) شیخ البانی نے بھی اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ کم علم واعظوں کے ہاں یہ روایت خاصی مشہور ہے، مگر یہ ضعیف ہے اس کو بیان نہیں کرنا چاہیے۔

ابھی ایک شخص آئے گا اور وہ جنتی ہے تین دن ایسا ہی ہوا......!

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا دیکھو ابھی ایک جنتی شخص آنے والا ہے، تھوڑی دیر میں ایک انصاری رضی اللہ عنہ اپنے بائیں ہاتھ میں اپنی جوتیاں لیے تازہ وضو کر کے آرہے تھے داڑھی پر سے پانی ٹپک رہا تھا دوسرے دن بھی اسی طرح ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے یہی فرمایا اور وہی شخص اسی طرح آئے تیسرے دن بھی یہی ہوا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ آج دیکھتے بھالتے رہے اور جب مجلس نبوی ختم ہوئی اور یہ بزرگ وہاں سے اُٹھ کر چلے تو یہ بھی ان کے پیچھے ہو لیے اور انصاری سے کہنے لگے حضرت مجھ میں اور میرے والدین میں کچھ بول چال ہوگئی ہے جس پر میں قسم کھا بیٹھا ہوں کہ تین دن تک اپنے گھر نہیں جاؤں گا پس اگر آپ مہربانی فرما کر مجھے اجازت دیں تو میں یہ تین دن آپ کے ہاں گزار دوں اُنھوں نے کہا بہت اچھا چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ تین راتیں ان کے گھر ان کے ساتھ گزاریں دیکھا کہ وہ رات کو تہجد کی لمبی نماز بھی نہیں پڑھتے صرف اتنا کرتے ہیں کہ جب آنکھ کھلے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی بڑائی اپنے بستر پر ہی لیٹے لیٹے کر لیتے ہیں یہاں تک کہ صبح کی نماز کے لیے اٹھیں ہاں یہ ضروری بات تھی کہ میں نے ان کے منہ سے سوائے کلمہ خیر کے اور کچھ نہیں سنا، جب تین راتیں گزر گئیں تو مجھے ان کا عمل بہت ہی ہلکا سا معلوم ہونے لگا اب میں نے ان سے کہا کہ حضرت! دراصل نہ تو میرے اور میرے والد صاحب کے درمیان کوئی ایسی باتیں ہوئی تھیں نہ میں نے ناراضگی کے باعث گھر چھوڑا تھا بلکہ واقعہ یہ ہوا کہ تین مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی ایک جنتی شخص آرہا ہے اور تینوں مرتبہ آپ ہی آئے

تو میں نے ارادہ کرلیا کہ آپ کی خدمت میں کچھ دن رہ کر دیکھوں تو سہی کہ آپ ایسی کون سی عبادتیں کرتے ہیں جو جیتے جی بہ زبان رسول اللہ ﷺ آپ کے جنتی ہونے کی یقینی خبر ہم تک پہنچ گئی چنانچہ میں نے یہ بہانہ کیا اور تین رات تک آپ کی خدمت میں رہا تا کہ آپ کے اعمال دیکھ کر میں بھی ویسے ہی عمل شروع کردوں لیکن میں نے تو آپ کو نہ کوئی نیا اور اہم عمل کرتے ہوئے دیکھا نہ عبادت میں ہی اوروں سے زیادہ بڑھا ہوا دیکھا اب جا رہا ہوں لیکن زبانی ایک سوال ہے کہ آپ ہی بتایئے آخر وہ کون سا عمل ہے جس نے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی زبانی جنتی بنایا؟ آپ نے فرمایا بس تم میرے اعمال تو دیکھ چکے ان کے سوا اور کوئی خاص پوشیدہ عمل تو ہے نہیں چنانچہ میں ان سے رخصت ہو کر چلا تھوڑی دور چلا تھا جو انھوں نے مجھے آواز دی اور فرمایا ہاں میرا ایک عمل سنتے جاؤ وہ یہ کہ میرے دل میں کبھی کسی مسلمان سے دھوکا بازی، حسد اور بغض کا ارادہ بھی نہیں ہوا میں کبھی کسی مسلمان کا بدخواہ نہیں بنا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا بس اب معلوم ہو گیا اسی عمل نے آپ کو اس درجہ تک پہنچایا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو ہر ایک کے بس کی نہیں۔ [1]

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اس کی سند زہری کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں ابی عبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان کی کتاب قصص لا تثبت جلد ۸ ص ۴۷۔ عبدالرزاق فی مصنفہ (۲۸۷/۱۱) رقم (۲۰۵۵۹) مسند احمد (۱۶۶/۳) حدیث رقم (۱۲۷۲۷) الضیاء فی المختارۃ (۱۸۶/۷، ۱۸۸) رقم (۲۶۱۹) وعبد بن حمید فی المسند رقم (۱۱۵۹) والبزار فی المسند (۴۰۹/۲) رقم (۱۹۸۱) مکارم الاخلاق رقم (۷۲) والخرائطی فی مساوی الاخلاق رقم (۷۶۴) الترغیب والترھیب (۴۶۶/۱) رقم (۱۱۰۸) والبغوی فی شرح السنۃ (۱۱۲/۱۳۔ رقم (۳۵۳۵) والبیھقی فی شعب الایمان (۲۶۴/۵۔ رقم (۶۶۰۵)

میں گرمی میں اپنی والدہ کو کندھوں پر اُٹھاتے پھرتا رہا اور طواف کرایا کیا میں نے حق ادا کر دیا؟

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ

میں نے اپنی ماں کو پتھریلی، گرم زمین پر دو فرسخ (تقریباً 9 میل) کندھوں پر اُٹھایا زمین اس قدر سخت گرم تھی کہ اگر اس پر گوشت کا ٹکڑا ڈال دیتا تو وہ بھون جاتا فھل ادیت شکرھا ۔ کیا میں نے اس کے احسانوں کا بدلہ چکا دیا ہے نبی ﷺ نے فرمایا تیری ماں نے تیری پیدائش کے وقت جو تکلیف اُٹھائی تھی یہ ایک تکلیف کا بھی بدلہ نہیں ۔ ایک روایت میں ہے کہ آدمی اپنی ماں کو کندھوں پر اُٹھائے طواف کرا رہا تھا تو اس نے آپ ﷺ سے یہ سوال کیا اور آپ نے مذکورہ جواب دیا۔[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد (۸/۱۳۷) رقم الحدیث (۱۳۳۹۴،۱۳۳۹۵) ہیثمی کہتے ہیں اس کو طبرانی نے صغیر میں روایت کیا ہے اور اس میں حسن بن ابی جعفر راوی ضعیف ہے اور لیث بن ابی سلیم راوی مدلس ہے۔ طبرانی صغیر رقم (۲۵۵) والبزار رقم الحدیث (۱۸۷۲)۔

اے عائشہ رضی اللہ عنہا آج شعبان کی پندرھویں رات ہے اس رات اللہ بنوکلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ لوگوں کو معاف کرتا ہے

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو رات میں گھر میں نہ پایا تو میں آپ ﷺ کی تلاش میں نکلی میں نے دیکھا کہ آپ بقیع کے قبرستان میں ہے اور آپ نے آسمان کی طرف سر اُٹھایا ہوا ہے۔ جب آپ نے مجھے دیکھا تو کہا عائشہ رضی اللہ عنہا کیا تجھے یہ ڈر تھا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ تجھ پر ظلم کریں گے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ ایسی کوئی بات نہیں لیکن میرا یہ گمان تھا کہ شاید آپ اپنی کسی اور بیوی کے ہاں تشریف لے گئے ہوں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا (آج شعبان کی نصف رات ہے) اللہ تعالیٰ پندرہ شعبان کی رات کو آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور کلب (قبیلہ) کی

بکریوں کے بالوں سے زیادہ انسانوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔ [1]

[1] اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ سنن ترمذی، کتاب الصوم ، باب ماجآء فی لیلۃ النصف من شعبان حدیث: رقم (۷۳۹) ترمذی کہتے ہیں میں نے محمد (امام بخاری) سے سنا وہ اس روایت کو ضعیف کہتے تھے، ترمذی مزید کہتے ہیں یحیٰی بن ابی کثیر کا عروہ سے سماع ثابت نہیں اور حجاج نے یحیٰی بن ابی کثیر سے اس حدیث کو نہیں سنا۔ سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلاۃ ۔ باب ماجآء فی لیلۃ النصف من شعبان حدیث رقم (۱۳۸۹) اس میں بھی یہی ضعیف ہے۔ نصف شعبان کی فضیلت میں کوئی روایت صحیح نہیں۔ البانی نے ابن ماجہ حدیث (۱۳۹۰) کو حسن کہا ہے۔ مگر وہ بھی ضعیف ہے۔

صحیح حدیث کا مذاق اُڑانے والا شدید بیماری میں مبتلا ہو گیا

امام ابوداوٗد السجستانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اصحاب الحدیث جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کررہے تھے ان کے پاس ایک آوارہ بدچلن اور بے حیا شخص آ گیا۔ جب اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنی کہ:

((ان الملائکۃ تضع اجنحتھا لطالب العلم رضا بما یصنع))

”بے شک طالب علم کے لیے اس کے عمل سے راضی ہوتے ہوئے فرشتے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔“

تو اس شخص نے اپنے جوتوں کے نیچے لوہے کی میخیں لگا دیں اور کہا میں فرشتوں کے پروں کو روندنا چاہتا ہوں۔ تو نتیجہ نکلا کہ اسے اس کے دونوں پاؤں پر ایسی شدید خارش والی بیماری لگ گئی جو اعضاء کو ختم کر دیتی ہے۔ [1]

[1] اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ الطیوریات جلد ۲ ص ۲۷۰۔ حدیث رقم (۱۹۸) اس کی سند ضعیف ہے۔ اس میں عبیداللہ بن محمد بن محمد العکبری راوی ضعیف ہے۔

چار شہید بیٹوں کی بہادر ماں سیدہ خنساء کی جنگ قادسیہ میں اپنے بیٹوں کو وصیت

راوی کہتا ہے کہ خنساء اپنے چاروں لڑکوں کے ساتھ قادسیہ کے معرکے میں موجود تھیں اُنھوں نے ایک رات پہلے اپنے بیٹوں کو مخاطب کر کے کہا اے میرے بیٹو! تم نے اسلام قبول کیا اور اپنی خوشی سے ہجرت کی اور اللہ واحد لاشریک ہے تم سب ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت کے بیٹے ہو میں نے تمھارے باپ کی خیانت کی نہ تمھارے ننھیال کو شرمندہ کیا نہ تمھارے حسب کو رسوا کیا اور نہ تمھارے نسب کی توہین کی اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کے لیے جو کفار سے جنگ کرتے ہیں آخرت میں کتنا عظیم اجر مقرر فرمایا ہے اور دار باقی دار فانی سے بدرجہا بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ [آل عمران:۲۰۰]

جب کل صبح اللہ کے فضل و کرم سے تم بخیریت جاگو اور دشمن سے لڑنے کے لیے روانہ ہو تو دشمن پر فتح پانے کے لیے اللہ سے نصرت کی التجا کرو اور جب تم دیکھو کہ لڑائی اچھی طرح بھڑک اُٹھی ہے اور تلواریں آگ کے شعلوں کی طرح چمک رہی ہیں اور میدان جنگ کے اطراف پر آگ برس رہی ہے تو اس کی بھڑکتی آگ میں کود پڑو اور دشمن کے بہادر پہلوانوں کا مقابلہ کرو جب لشکر آمادہ پیکار ہو اس سے تمھیں دار الخلد والمقامۃ میں انعام واکرام سے نوازا جائے گا۔

دوسرے دن ان کے بیٹے ماں کی نصیحتوں پر عمل کرتے ہوئے میدان جنگ میں اترے اور دشمن کی طرف مردانہ وار بڑھے۔ وہ لڑ رہے تھے اور یہ رجز پڑھ رہے تھے۔ وابلو بلاءً حسنا۔ آخر کار چاروں بھائی شہید ہو گئے جب شیر دل ماں کو اطلاع ملی تو انا للہ کہنے کی بجائے اُنھوں نے یہ کلمہ اپنی زبان سے نکالا (الحمد للّٰه الذی شرفنی بقتلهم) پھر کہا مجھے اللہ کی رحمت سے

توقع ہے کہ وہ ہمیں اگلی دنیا میں اکٹھا کرے گا۔[1]

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ترجمہ سیدہ خنساء ؓ۔ یہ قصہ محمد بن الحسن بن زبالہ نے بیان کیا ہے۔ الاصابہ (۲۸۸/٤) ابن زبالہ کے بارے امام یحییٰ بن نے کہا وکان کذابا اور وہ جھوٹا تھا۔ ابن معین نے مزید کہا: عدو اللہ۔ یہ اللہ کا دشمن ہے۔ الجرح والتعدیل (۲۲۸/۷) اور فرمایا: و کان یسرق الحدیث۔ اور یہ حدیثیں چوری کرتا تھا۔ التاریخ الکبیر للبخاری (٦٧/١ ت ١٥٤) یہ قصہ موضوع، من گھڑت ہے۔

سیدہ اُم سلمہ ؓ کو خواب میں شہادت حسین ؓ کی اطلاع

سلمیٰ کا بیان ہے کہ میں حضرت اُم سلمہ ؓ کی خدمت میں گئی اور وہ اس وقت رو رہی تھیں۔ میں نے ان سے رونے کی وجہ دریافت کی اُنھوں نے فرمایا میں نے ابھی ابھی رسول خدا ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ ﷺ کے سر مبارک اور داڑھی پر مٹی پڑی ہوئی تھی۔ میں نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا ہوا۔ فرمایا میں ابھی حسین ؓ کے قتل میں حاضر ہوا تھا۔[1]

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ سنن ترمذی، کتاب المناقب حدیث رقم (۳۷۷) شیخ البانی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث غریب ہے۔ یہاں پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا اُم سلمہ ؓ اس وقت حیات تھیں یا نہیں۔ حافظ ابن حجر ؒ تقریب میں فرماتے ہیں کہ حضرت اُم سلمہ ؓ سے نبی کریم ﷺ نے ۴ھ یا ۳ھ میں نکاح فرمایا۔ عاشت بعد ذلک ستین سنۃ اور اس کے بعد وہ ساٹھ سال تک حیات رہیں۔ ماتت اثنتین و ستین وقیل احدی و ستین وقیل قبل ذلک والاول اصح (تقریب التھذیب ص ٤٧٣) ۶۲ھ میں ان کا انتقال ہوگیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ۶۱ھ میں انتقال ہوا اور ایک قول یہ ہے کہ ۶۱ سے قبل انتقال ہوا اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ یعنی اُم سلمہ ؓ کے انتقال کے سلسلہ میں تین قول ہیں۔ ۶۲ھ، ۶۱ھ اور تیسرا قول اس سے قبل لیکن حافظ صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ وہ نکاح کے بعد ساٹھ ۶۰ سال تک حیات رہیں اور آپ ﷺ سے ان کا نکاح ۳ یا ۴ میں ہوا۔ اگر نکاح ۳ میں ہے تو ان کا انتقال ۶۳ میں ہونا چاہیے اور اگر ان کا نکاح ۴ھ میں ہے تو ان کی وفات ۶۴ھ میں ہونی چاہیے۔ اس حساب سے ۶۱ اور ۶۲ ہرگز نہیں بنتا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ مؤرخ واقدی کا قول تو یہ ہے کہ ان کا انتقال ۵۹ ھ میں ہوا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ لیکن ابن ابی خیثمہ کا قول یہ ہے کہ انھوں نے یزید بن معاویہ کے زمانہ میں انتقال فرمایا اس کے بعد حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنا فیصلہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں: اور وہ احادیث جو قتل حسین رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں گزری ہیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ قتل حسین رضی اللہ عنہ کے بعد زندہ رہیں۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸، ص ۲۱۵) ولی الدین الخطیب مصنف مشکوٰۃ اپنے رسالہ ''الاکمال فی اسماء الرجال'' میں تحریر فرماتے ہیں: ماتت سنة تسع و خمسین ودفنت بالبقیع۔ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۹ ھ میں ہوا اور بقیع میں دفن ہوئیں۔ یعنی مصنف مشکوٰۃ نے زبردستی کی س دھاندلی کو قبول نہیں فرمایا اور انھوں نے واضح طور پر یہ فیصلہ دیا کہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۹ ھ میں ہے۔ اب آیئے اس بحث کی جانب کہ اس روایت میں اور کیا نقص ہیں۔

سلمیٰ بکریہ:

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ داستان سلمیٰ بکریہ نامی کسی عورت نے نقل کی ہے۔ سلمیٰ نام کی دو عورتیں ہیں ایک حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا صحابیہ جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے غسل میں شریک تھیں لیکن اُنھوں نے اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے کوئی حدیث روایت نہیں کی

دوسری سلمیٰ بکریہ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں اس کی روایت ترمذی میں پائی جاتی ہے۔ اسے کوئی نہیں پہچانتا کہ کون ہے؟ (تقریب، ص: ٤٦٩)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو قتل حسین کی خبر ایک جناتنی نے پہنچائی؟

ابن سعد نے شہر بن حوشب سے نقل کیا ہے کہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا تھا۔ ہم نے ایک چیخنے والی عورت کی آواز سنی۔ پھر وہ سامنے آئی اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے قریب پہنچ گئی اور بولی حسین رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے۔ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اچھا کیا وہ قتل کر دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبروں اور ان کے گھروں میں آگ بھرے۔ پھر اُم سلمہ رضی اللہ عنہا غش کھا کر گر پڑیں اور ہم وہاں سے اُٹھ گئے۔ [1]

---

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۸، ص ۲۰۱۔ اس میں شہر بن حوشب ضعیف

ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں: شہر بن حوشب الاشعری الشامی حضرت اسماء بنت یزید بن السکن کا غلام تھا۔ سچا ہے لیکن اسے وہم بہت ہوتا ہے اور اکثر مرسل روایات نقل کرتا ہے۔ ۱۱۲ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ نے اس سے روایت لی ہیں۔ (تقریب التهذيب ص ۱٤٧) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے بقول اس میں دو عیب ہیں۔ (۱) وہم کا مریض ہے۔ (۲) اکثر مرسل روایات نقل کرتا ہے یعنی درمیان سے راوی غائب کر دیتا ہے ہوسکتا ہے کہ اس روایت میں بھی یہی حرکت کی گئی ہو۔

امام مسلم اپنی صحیح کے مقدمہ رقم طراز ہیں کہ ابن عون سے شہر کی حدیث کے معاملہ میں دریافت کیا گیا اور اس وقت دروازے کی چوکھٹ تھامے کھڑے تھے۔ اُنھوں نے فرمایا: شہر کو محدثین نے چھوڑ دیا۔ شہر کو محدثین نے چھوڑ دیا اس کے بعد امام مسلم فرماتے ہیں یعنی لوگوں نے اس پر اعتراضات شروع کر دیے۔

پھر امام مسلم نے شعبہ کا قول نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ شہر سے ملا ہوں میں تو اسے کچھ نہیں سمجھتا۔ مسلم ج۱، ص ۱۳۔

یہ تو امام مسلم کا بیان تھا۔ لیکن امام نووی نے مسلم کی شرح میں اس شہر کی جو مدح وثناء کی ہے وہ کافی طویل ہے۔ اسے مختصر الفاظ میں یوں ادا کیا جا سکتا ہے کہ اسے بڑے بڑے ائمہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔ جیسے یحیٰی بن معین، احمد بن حنبل، ابن ابی خیثمہ، بخاری، ترمذی، احمد بن عبداللہ العجلی، ابوزرعہ، صالح بن محمد اور یعقوب بن شیبہ۔ اس بے چارے کا صرف اتنا ہی قصور ہے کہ اس نے بیت المال سے ایک تھیلی چرالی اور ایک بار اپنے رفیق سفر کا تھیلا چرالیا تھا۔ ویسے بہت عبادت گزار اور نیک آدمی تھا۔ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ ایسی روایات نقل کرتا ہے جنھیں کوئی اور بیان نہیں کرتا۔ شرح مسلم ج۱، ص ۱۳۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علی بن المدینی کا قول ہے کہ شہر کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔ اس نے اُم سلمہ رضی اللہ عنہا، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ سے روایات سنی ہیں کہا جاتا ہے کہ ۱۰۰ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ تاریخ الکبیر ج۴، ص ۲۵۸ نسائی لکھتے ہیں کہ شہر قوی نہیں۔ كتاب الضعفاء والمتروكين للنسائي ص ٥٦۔

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم مزید تفصیلات پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابن عباس رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، ابوریحانہ رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ، اسماء بنت یزید اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتا ہے۔

اس سے نقل کرنے والے شمر بن عطیہ، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی حسین، ابان بن صالح، داؤد بن ابی ہند، عبیداللہ بن ابی زیاد، عبدالحمید بن بہرام، قتادہ، معاویہ بن قرہ اور عبداللہ بن عثمان بن خثیم ہیں۔ یہ سب باتیں مجھے میرے والد نے بتائیں۔

عمرو بن علی کا بیان ہے کہ مجھ سے معاذ بن معاذ العنبری نے فرمایا تو شہر کی حدیث کا کیا کرے گا۔ شعبہ نے اس

کی حدیث ترک کر دی ہے۔ عمرو بن علی مزید کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن مہدی شہر سے حدیث روایت کرتے لیکن یحییٰ بن سعید اس کی کوئی روایت بیان نہ کرتے۔

احمد بن حنبل کا قول ہے کہ شہر بن حوشب کی حدیث اچھی ہوتی ہے۔ یہ شام کا رہنے والا ہے۔ حمص کا باشندہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کا تعلق اہل کندہ سے ہے۔ یہ اسماء بنت یزید سے اچھی احادیث روایت کرتا ہے۔ یحییٰ بن سعید کہتے ہیں یہ ثقہ ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ مجھ سے میرے والد ابو حاتم نے فرمایا: یہ شہر مجھے ابو ہارون العبدی اور بشر بن حرب سے زیادہ پسند ہے۔ یہ ابوالزبیر سے کم نہیں لیکن اس کی بیان کردہ حدیث بطور دلیل پیش نہیں کی جاسکتی۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں میں نے اس کے بارے میں ابو زرعہ سے دریافت کیا، فرمایا اس میں کوئی برائی نہیں لیکن یہ عمرو بن عبسہ صحابی سے نہیں ملا۔ (الجرح والتعديل ج ٤، ص ٣٨٣)

حافظ ذہبی مزید تفصیلات پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ابوالکرمانی کا بیان ہے کہ یہ شہر بیت المال کی نگرانی پر مامور تھا۔ اس نے بیت المال سے کچھ درہم چرا لیے۔ اس پر ایک شاعر نے شعر کہا:

لقد باع لشهر دينه بخريطة　　　فمن يامن القراء بعدك يا شهر

"شہر نے ایک تھیلی کی خاطر اپنا دین بیچ دیا ہے تو اے شہر تیرے بعد اب دیگر قاری کیسے محفوظ رہیں گے۔"

ابن عدی کہتے ہیں یہ قوی نہیں۔ دولابی کا بیان ہے کہ اس کی احادیث دیگر لوگوں کی طرح نہیں ہوتیں تو اس طرح کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ گویا یہ نبی کریم ﷺ کی اونٹنی کی لگام پکڑ کر چل رہا تھا۔

عباد بن منصور کا قول ہے کہ میں نے شہر کے ساتھ حج کیا اس نے میرا تھیلہ چرا لیا۔

ابن عدی کہتے ہیں شہر ان لوگوں میں سے نہیں جس کی روایت کو حجت سمجھا جائے یا بلحاظ دین سے اختیار کیا جائے۔ ۱۱۱ھ یا ۱۱۲ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ (میزان ج ۲، ص ۲۸۵)

اس تمام تفصیل کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱) شہر اکثر محدثین کے نزدیک ثقہ ہے۔ (۲) اس کی روایت عمدہ ہوتی ہے۔ (۳) بہت نیک اور عبادت گزار شخص ہے۔ (۴) اس کی روایت حجت نہیں اور نہ اس کی روایت کو دین تصور کیا جا سکتا ہے۔ ابن عدی ابو حاتم۔ (۵) اس کی روایت ضعیف ہے۔ نسائی، مسلم۔ (۶) یہ متروک ہے۔ شعبہ یحییٰ بن سعید۔ ابن عون۔ (۷) یہ چوری کا عادی تھا۔ (۸) یہ ایسی احادیث بیان کرتا ہے جو کوئی اور بیان نہیں کرتا۔ دولابی۔ (۹) یہ مرسل روایات بیان کرتا ہے اور اسے وہم ہوتا ہے۔ ابن حجر۔ (۱۰) یہ اتنی تفصیلات پیش کرتا ہے جو بغیر مشاہدہ کے ممکن نہیں۔ دولابی۔

یعنی اگر اسے ثقہ بھی مان لیا جائے تب بھی اسے بہت وہم ہوتا ہے۔ مرسل روایات نقل کرتا ہے۔ اس کی

روایت حجت نہیں۔اس کی باین کردہ روایت کوکوئی اور بیان نہیں کرتا۔اس کی حدیث کو دین نہیں بنایا جاسکتا۔ لہٰذا اس کی روایت اگر ضعیف نہیں تو مشکوک ضرور ہے اور اسے ہرگز اختیار نہیں کیا جاسکتا۔

عامر بن عبدالواحد:

شہر سے یہ داستان نقل کرنے والا عامر بن عبدالواحد ہے۔ یہ بصرہ کا باشندہ ہے۔اس سے بخاری کے علاوہ سب نے روایات لی ہیں۔ابوحاتم اور مسلم کہتے ہیں ثقہ ہے۔یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ اس میں کوئی خاص برائی نہیں۔امام بخاری رحمہ اللہ کا فرمان ہے یہ قوی نہیں حدیث میں ضعیف ہے۔۱۳۰ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ میزان الاعتدال ج ۲، ص ۳۶۲؛ الجرح والتعدیل ج ۲ ص ۳۲۶۔

گویا اس داستان کے دوراویوں پر سخت کلام ہے۔اور یہ روایت اس قابل نہیں کہ اس پر اعتماد کیا جاسکے اور جب اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۹ھ میں ہو چکا تو ان کی جانب ان روایات کی نسبت صریح جھوٹ ہے اور ایسی روایات کے بل بوتے پر جو قابل حجت نہ ہوں۔ام المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۶۱ھ یا ۶۲ھ میں قرار دینا بدترین حماقت ہے۔

صحابی رسول سواد بن غزیہ بدلہ لینے کے بہانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن سے لپٹ گئے

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے دن صفوں کو برابر کرتے تھے اور آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس سے آپ صف برابر کرتے تھے آپ کا گزر سواد بن غزیہ بن عدی بن نجار کے حلیف کے پاس سے ہوا، یہ صف سے آگے بڑھے ہوئے تھے آپ نے ان کی پیٹھ میں چھڑی ماری اور فرمایا کہ اے سواد برابر ہو جاؤ۔سواد نے کہا اے اللہ کے رسول آپ نے مجھ کو درد پہنچایا اور چونکہ آپ کو خدا نے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے لہٰذا آپ مجھ کو بدلہ دیجیے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا شکم مبارک کھول دیا اور فرمایا کہ بدلہ لے لو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں لپٹ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک کو بوسہ دیا آپ نے پوچھا اے سواد! تم نے ایسا کیوں کیا؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو جنگی صورت حال پیش آئی ہے اس کو آپ جانتے ہیں اور میں قتل سے بے خوف نہیں ہوں اس وجہ سے میں دوست رکھتا تھا کہ میری آخری ملاقات آپ ہی سے ہو اور میرا بدن

آپ کے بدن سے مس ہو نبی ﷺ نے ان کو دعائے خیر دی۔ [1]

[1] اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اسد الغابہ في معرفة الصحابه ترجمہ سیدنا سواد رضی اللہ عنہ اس کی سند میں حبان بن واسع نے اپنی قوم کے جن مشائخ سے روایت کیا ہے وہ مجہول ہیں۔اس کو ابن ہشام نے بھی اسی سند سے روایت کیا ہے۔اس میں یہی علت ہے۔ابن ہشام (٣/ ٦٧) اسی طرح اس کو طبری نے اپنی تاریخ (٢/ ٣٢) میں بیان کیا ہے۔اس روایت کے دو شاہد ہیں ایک الاصابہ میں اور دوسرا طبقات الکبریٰ میں مگر یہ دونوں روایات مرسل ہیں اور مرسل ضعیف ہوتی ہے۔

فرشتے نے اپنے پروں سے حضور ﷺ کو چھپالیا ابولہب کی بیوی آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکی

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب سورۃ تبت یدا (المسد) نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی نبی ﷺ کی طرف آئی اُس وقت ابو بکر صدیق آپ ﷺ کے ساتھ تھے، ابو بکر نے اس کو آتے ہوئے دیکھا تو عرض کی یا رسول اللہ ﷺ بے شک یہ عورت بد زبان ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ آپ کو اپنی زبان سے تکلیف نہ پہنچائے لہٰذا آپ یہاں سے تشریف لے جائیں۔تو نبی ﷺ نے فرمایا یہ مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گی۔پس وہ آئی اور کہنے لگی اے ابو بکر رضی اللہ عنہ تیرے صاحب (یعنی نبی ﷺ) نے میری ہجو کی ہے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا وہ تو شاعر نہیں ہیں (تو اُنھوں نے تیری ہجو کیسے کی) کہنے لگی تو میرے نزدیک سچا ہے یہ بات کر کے واپس چلی گئی تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا اُس نے آپ کو دیکھا نہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا نہیں دیکھا کیونکہ ایک فرشتہ مسلسل اپنے پروں سے مجھے چھپائے ہوئے تھا۔ [1]

[1] اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ مسند البزار رقم (٢٩٤) مسند ابي يعلى ، مسند ابن عباس حديث رقم (٢٣٦٢) اس میں عطاء بن سائب مختلط راوی ہے۔

سعد بن عبادہ کی وفات کی خبر ایک جن نے دی

ابن سعد کہتے ہیں سعد بن عبادہ کی وفات حوران جو کہ شام کا علاقہ ہے اس میں ہوئی وہ عمر رضی اللہ عنہ کی ابتدائے خلافت میں اس علاقے کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔

یحییٰ بن عبدالعزیز بن سعید بن سعد بن عبادہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ سعد بن عبادہ کی وفات حوران ملک شام میں خلافت عمر کے ڈھائی سال بعد ہوئی۔

محمد بن عمر نے کہا کہ گویا ۱۵ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

عبدالعزیز نے کہا کہ مدینہ میں ان کی موت کا علم اس وقت ہوا کہ لڑکوں نے بئر منبہ (کنواں) یا بئر سکن میں جو دوپہر کی سخت گرمی میں گھسے ہوئے تھے کسی کہنے والے کو کنویں سے کہتے سنا۔

قد قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادہ ورمینا بسھمین فلم نخط فؤادہ

ہم نے خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کر دیا ہم نے انھیں دو تیر مارے ہم نے ان کے دل پر نشانہ لگانے سے خطا نہ کی۔

کنویں میں نہانے والے لڑکے یہ آواز سن کر ڈر گئے اور اس دن کو یاد رکھا انھوں نے اس کو وہی دن پایا جس دن سعد کی وفات ہوئی تھی۔ کسی سوراخ میں بیٹھے وہ پیشاب کر رہے تھے کہ قتل کر دیے گئے اور اسی وقت وفات پا گئے۔

لوگوں نے ان کی کھال کو دیکھا کہ سبز ہو گئی تھی۔

(نوٹ: اس میں محمد بن عمر واقدی متروک اور سخت مجروح ہے۔)

دوسرا قصہ اس طرح ہے کہ محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ سعد بن عبادہ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا جب واپس آئے تو ساتھیوں سے کہا کہ میں جراثیم محسوس کرتا ہوں ان کی وفات ہو گئی تو لوگوں نے جن کو کہتے سنا:

قدقتلنا سید الخزرج سعد بن عبادہ ورمینا بسھمین فلم نخطٔ فؤادہ[1]

[1] اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ کیونکہ ابن سیرن نے سعد بن عبادہ کو نہیں دیکھا۔ اسی طرح اس قسم کا واقعہ مصنف عبدالرزاق (۵۹۷/۳) رقم (۶۷۷۸) مستدرك للحاکم (۲۵۳/۳)، حدیث رقم (۵۱۰۷) المعجم الکبیر (۱۶/۶۔ رقم ۵۳۶) وغیرہ میں موجود ہے۔ قتادہ کی سعد سے ملاقات ثابت نہیں۔ یہ قصہ صحیح طور پر ثابت نہیں مزید دیکھیں: الاستیعاب (۵۹۹/۲) ارواء الغلیل (۹۴/۱۔ ۹۵۔ رقم ۵۶) الاستیعاب (۳۸/۲) اخرج ابن عساکر (۶۳/۷/۲) معضل ہے اور عبدالاعلیٰ غیر معروف ہے۔

فروخ اور اس کے بیٹے ربیعہ الرای کے دلچسپ واقعہ کی حقیقت

ہم اپنے قارئین کے سامنے عبدالرحمٰن رافت الباشاء کی معروف کتاب حیات تابعین کے درخشاں پہلو سے مکمل واقعہ بیان کرتے ہیں اُنھوں نے اس کو ایک کہانی کے انداز میں لکھا ہے اور شاید کچھ واعظ اسی سے پڑھ کر اس کو جلسوں اور عوامی اجتماعات میں بیان کرتا، لکھتے ہیں:

فروخ جب مدینہ پہنچا اس وقت یہ ابھرتا ہوا کڑیل، خوبصورت اور بہادر جوان تھا۔ اس نے ابھی اپنی زندگی کی تیسویں بہار میں قدم رکھا تھا اس نے سکونت کے لیے ایک گھر اور سکون کے لیے ایک بیوی حاصل کرنے کا ارادہ کیا۔ پہلے اس نے مدینہ منورہ میں متوسط درجے کا ایک گھر خریدا اور اس کے بعد ایک ایسی دانشمند، سلیقہ شعار اور دیگر بہت سی خوبیوں سے متصف بیوی کا انتخاب کیا جو اس کی ہم عمر تھی۔

فروخ وہ گھر دیکھ کر بہت خوش ہوا جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسے حاصل ہوا تھا۔ بیوی کی رفاقت میں اسے زندگی کا مزا، حسن معاشرت کی خوشبو، حیات مستعار کی تروتازگی وہم و گمان سے بڑھ کر میسر آئی۔ گھر کے درودیوار خوشیوں کے نغمے الاپتے ہوئے محسوس ہوئے۔

لیکن وہ چہیتی بیوی جسے اللہ تعالیٰ نے عمدہ صفات اور دلربا عادات سے نوازا تھا، وہ ایک مؤمن بہادر، جنگجو کے معرکوں میں دیوانہ وار شمولیت کے شوق پر غالب نہ آسکی اور نہ تلواروں کی

جھنکار سننے کے شوق پر اور اللہ کی راہ میں جہاد کی والہانہ محبت پر غالب آسکی۔

جب بھی اسلامی لشکروں کی کامیابی کی خوش کن خبریں مدینہ منورہ میں گشت کرتیں، تو ان کا جذبہ جہاد نقطہ عروج پر پہنچ جاتا اور شوق شہادت میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا۔

بہادر وبلند فروخ نے مسجد نبوی ﷺ کے خطیب کو فضائل جہاد پر خطبہ دیتے ہوئے سنا وہ حاضرین کو لشکر اسلام کی میدانہائے جہاد میں کامیابی و کامرانی کی خوشخبری دے رہے تھے اور شہادت کی اُمنگ پیدا کرنے کے لیے دلوں کو گرما رہے تھے۔ خطبہ کیا تھا ایک ساحرانہ الفاظ کا مجموعہ، رقت انگیز جملوں کا مرقع اور دلآویز خیالات وافکار کا آمیختہ تھا۔ سننے والے نمدیدہ تھے۔ ہر فرد جذبہ جہاد سے سرشار نظر آتا تھا۔ جمعہ سے فارغ ہو کر سیدھے گھر آئے اسلامی لشکر میں شامل ہو کر میدان جہاد کی طرف جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ چہیتی بیوی کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔ اس نے کہا:

سرتاج! مجھے اور میرے پیٹ میں پلنے والی اپنی امانت کو کس کے حوالے کر کے جا رہے ہیں؟ آپ مدینہ میں اجنبی ہیں اور نہ ہی آپ کا یہاں کوئی رشتہ دار ہے۔ اس نے جواب دیا: میں آپ کو اللہ کے سپرد کر کے جا رہا ہوں۔ یہ تیس ہزار دینار اپنے پاس رکھیں۔ یہ مال غنیمت سے میرے حصے میں آئے تھے انھیں سنبھالیں یا تجارت میں لگا دینا خود بھی خرچ کرنا اور معروف انداز میں اپنے ہونے والے بچے پر بھی خرچ کرنا، یہاں تک کہ میں میدانِ جہاد سے صحیح سالم واپس آؤں یا اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب کر دے جو میری دلی تمنا ہے۔ پھر الوداعی سلام کہا اور اپنی منزل پر روانہ ہو گیا۔

اس معزز، سلیقہ شعار، وفادار اور سگھڑ خاتون نے اپنے خاوند کی روانگی کے چند ماہ بعد ایک خوبرو، خوش اطوار اور جاذب نظر بچے کو جنم دیا، اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی خیال آیا کہ شاید یہ اپنے باپ کی جدائی کا غم غلط کر دے اور یہ اس کی نشانی اور امانت میرے دل کا سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائے اس بچے کا نام ربیعہ رکھا گیا، تاکہ اس کا وجود گھر کے آنگن کے لیے سدا بہار کا سماں پیدا کرتا رہے۔

اس ننھے بچے کے روشن چہرے پر شرافت ونجابت کی علامت شروع ہی سے آشکار تھی۔ بچپن ہی سے اس کی باتوں اور کاموں سے ذہانت ٹپکتی تھی۔ ماں نے اس کی تعلیم وتربیت کے لیے ماہر اساتذہ کے سپرد کر دیا اور انھیں اچھی طرح تعلیم دینے کی تلقین کی اور تربیت دینے والوں کی خدمت میں استدعا کی کہ وہ اسے اچھے انداز میں ادب سکھلائیں۔ تھوڑی ہی دیر میں اس نے لکھنے پڑھنے میں مہارت پیدا کر لی۔ قرآن مجید حفظ کر لیا اور ایسی ترتیل، تجوید وخوش الحانی سے پڑھنے لگا جیسا کہ رسول اقدس ﷺ کے قلب مبارک پر نازل ہوا تھا۔ جس قدر ممکن ہو سکا احادیث رسول ﷺ کو بھی زبانی یاد کر لیا اور اس طرح کلام عرب کا بھی قابل قدر حصہ زبانی یاد کر لیا۔ علاوہ ازیں دینی احکامات کی معرفت بھی حاصل کر لی۔

ربیعہ کی والدہ اپنے بیٹے کی خاطر اس کے اساتذہ پر مال ودولت نچھاور کرنے لگی اور انھیں انعامات سے نوازنے لگی۔ جب بھی یہ دیکھتے کہ اس کا بیٹا میدان علم وادب میں چند قدم آگے بڑھا ہے۔ وہ اسی قدر انعام واکرام میں بھی اضافہ کر دیتی۔ وہ اس کے پردیسی باپ کی واپسی کا انتظار کرتی تھی اور اس کوشش میں تھی کہ بیٹا بڑا ہو کر ایسے مقام پر فائز ہو کہ عوام الناس کی رہنمائی کا باعث بنے۔ جس وقت اس کا باپ سفر سے واپس لوٹے وہ اپنا باادب، مہذب، تعلیم یافتہ بیٹا دیکھ کر باغ باغ ہو جائے، لیکن اس کے خاوند کی جدائی لمبی ہو گئی۔ دل کے ارمان آنسوؤں میں بہنے لگے۔ مختلف خیال آرائیاں ہونے لگیں کوئی کہتا دشمن کے ہاتھوں قید ہو گیا ہوگا۔ کوئی کہتا نہیں وہ آزاد ہے اور جہاد میں مشغول ہوگا، میدانِ جہاد سے واپس لوٹنے والے کہتے اس نے اپنی دلی تمنا کے مطابق جام شہادت نوش کر لیا ہوگا۔ ام ربیعہ نے اس تیسری بات کو ترجیح دی، کیونکہ عرصہ دراز سے کوئی اس کی خبر نہ تھی۔ اس جدائی نے اس کے دل کو پژمردہ کر دیا، لیکن اس نے صبر وشکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی نیت کر لی۔

جب ربیعہ نے جوانی میں قدم رکھا، خیر خواہوں نے اس کی والدہ کو مشورہ دیا ربیعہ اب لکھ پڑھ چکا ہے، ضرورت کے مطابق اتنا ہی کافی ہے، بلکہ اپنے ہم عمروں سے کہیں آگے ہے اور اس پر مزید وہ قرآن وحدیث کا حافظ بھی ہے۔ اگر تو اس کے لیے کوئی پیشہ منتخب کر لے، وہ بہت جلد

اس میں مہارت پیدا کرلے گا۔ پھر وہ منافع سے تم پر اور اپنی ذات پر خرچ کرنے کے قابل ہو سکے گا۔ والدہ نے یہ تجویز سن کر کہا: میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گی کہ وہ اس کے لیے ایسا کام تجویز کردے جو اس کی دنیا اور آخرت کے لیے بہتر ہو۔ پھر ربیعہ نے اپنے لیے علم کو منتخب کرلیا اور اس نے مصمم ارادہ کرلیا کہ زندگی بھر متعلم یا معلم کی حیثیت میں رہوں گا۔

ربیعہ اپنے منتخب راستے پر بغیر کسی کوتاہی اور تساہل کے گامزن رہے اور ان علمی حلقوں کی طرف جن کی مسجد نبوی میں چہل پہل تھی اس طرح لپکے جیسے کوئی پیاسا میٹھے پانی کے چشمے کی طرف لپکتا ہے اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دامن پکڑ لیا جو ابھی بقید حیات تھے اور ان میں سرفہرست خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ تھے تابعین کے پہلے طبقے سے بھی علم حاصل کیا جن میں سیدنا سعید بن میسب رحمہ اللہ مکحول شامی اور سلمہ بن دینار رحمہ اللہ سرفہرست ہیں۔

میدان علم میں دن رات کی مسلسل محنت نے اسے جسمانی طور پر بہت کمزور کردیا تھا۔ ایک ساتھی نے اسے کہا پیارے دوست! اپنے آپ پر ذرا رحم کیجیے اس نے جواب میں کہا:

ہم نے اپنے مشائخ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ علم اس وقت تک اپنا معمولی سا حصہ بھی تمھارے سپرد نہیں کرے گا جب تک تم مکمل اپنا آپ اس کے سپرد نہیں کردیتے۔

تھوڑے ہی عرصے بعد اس کا نام بلند ہوا، مقدر کا ستارہ چمکا اور اس کے چاہنے والوں کی تعداد بڑھ گئی۔ شاگرد اس پر فریفتہ ہونے لگے اور قوم نے اسے اپنا سردار بنالیا۔

دن کا کچھ حصہ اپنے گھر میں گزارتے اور باقی دن مسجد نبوی کے علمی حلقوں میں گزرتا، اس کی زندگی کے دن اسی طرح گزر رہے تھے کہ ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس کا اسے وہم و گمان ہی نہ تھا۔

موسم گرما کی چاندنی رات تھی۔ ایک جنگجو شہسوار ہتھیاروں سے لیس، چھٹی ہجری کے آخری ایام میں مدینہ منورہ آیا، وہ اپنے گھوڑے پر سوار مدینہ منورہ کی گلیوں میں اپنا گھر تلاش کررہا تھا۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اس کا گھر موجود ہے یا حوادثات زمانہ کی نذر ہو چکا ہے کیونکہ اسے اپنا گھر چھوڑ کر گئے تقریباً تیس سال بیت چکے تھے۔ اس کے نہال خانہ دل میں یہ تصور بھی جاگزیں تھا کہ

اس کی جواں سال بیوی پر اس عرصہ میں کیا گزری ہوگی؟ کن مشکلات کا اسے سامنا کرنا پڑا ہوگا؟
بھلا اس بچے کا کیا بنا ہوگا جو میری روانگی کے وقت پیٹ میں پل رہا تھا؟

خدا جانے لڑکا پیدا ہوا یا لڑکی؟

وہ زندہ ہے یا فوت ہو چکا ہے؟

اگر زندہ ہے تو وہ کس حالت میں ہوگا؟

اور اس خطیر رقم کا کیا بنا ہوگا جو میں نے مال غنیمت سے حاصل کی تھی اور سمرقند و بخارا کو فتح کرنے کے لیے اسلامی لشکر کے ہمراہ روانہ ہوتے وقت میں نے بیوی کے سپرد کی تھی؟

مدینے کی گلیوں میں آنے جانے والوں کی چہل پہل تھی۔ لوگ ابھی نماز عشاء سے فارغ ہوئے ہی تھے، لیکن ان آنے جانے والے لوگوں میں سے کوئی بھی اسے پہچانتا نہ تھا اور نہ ہی اسے کوئی اہمیت دیتا تھا، اور نہ ہی کوئی اس کے غبار آلود گھوڑے کی طرف بنظر غائر دیکھتا تھا اور نہ ہی اس کے کندھے پر لٹکنے والی تلوار کی طرف جھانکتا ہی تھا، کیونکہ اسلامی شہروں کے باشندے ان مجاہدین سے مانوس ہو چکے تھے، جو اللہ کی راہ میں جہاد کی غرض سے صبح و شام آتے جاتے رہتے تھے۔

لیکن مدینے کے باسیوں کی بے پروائی دیکھ کر شہسوار کے غم واندوہ میں اضافہ اور خیالات میں مزید وسوسے پیدا ہوئے، شہسوار اپنے خیالات میں ڈوبا ہوا مدینے کی گلیوں کا راستہ تلاش کرتے ہوئے چلا جا رہا تھا۔ آخر کار وہ اپنے گھر کے سامنے پہنچا۔ گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وفور شوق میں اہل خانہ سے اجازت لیے بغیر دروازے سے گزر کر گھر کے صحن میں آ کھڑا ہوا جب گھر کے مالک نے دروازے پر کسی کے قدموں کی آہٹ سنی تو بالائی منزل سے نیچے جھانکا۔ کیا دیکھتا ہے کہ چاندنی کی روشنی میں ایک شخص تلوار لٹکائے، ہاتھ میں نیزا تھامے گھر کے صحن میں کھڑا ہے اور اس کی نوجوان بیوی اس اجنبی شخص کی نگاہوں سے قدرے دور کھڑی ہے۔ یہ نوجوان غصے سے اچھلا اور ننگے پاؤں یہ کہتے ہوئے تیزی سے نیچے اترا۔

ارے اللہ کے دشمن! تو رات کے وقت اپنے آپ کو چھپائے ہوئے میرے گھر میں داخل

ہوا۔ معلوم ہوتا ہے تیرے ارادے غلط ہیں وہ اس پر اس طرح جھپٹا جس طرح خونخوار بھوکا شیر اپنے شکار پر جھپٹتا ہے اور اجنبی کو بات کرنے کا موقع ہی نہ دیا۔ دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے، ان کا شور وغوغا سن کر چاروں طرف سے پڑوسی ان کے گھر آ جمع ہوئے سب نے اس اجنبی کو یوں گھیرے میں لے لیا جس طرح کنگن کلائی کو گھیرے میں لیے ہوتا ہے اس طرح ان تمام نے اپنے پڑوسی کی مدد کی۔ نوجوان صاحب خانہ نے مسافر کی گردن کو مضبوطی سے اپنے گرفت میں لے رکھا تھا اور غصے سے یہ کہہ رہا تھا اے دشمن خدا! اللہ کی قسم! میں تجھے یونہی نہیں چھوڑوں گا، بلکہ تجھے حاکم کے پاس لے جاؤں گا۔

اس شخص نے کہا: میں اللہ کا دشمن نہیں اور نہ ہی میں نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ میرا گھر ہے۔ میں اس کا مالک ہوں۔ میں نے اس کا دروازہ کھلا ہوا پایا تو اندر آ گیا۔ کیا اپنے گھر آنا جرم ہے۔ پھر حاضرین سے مخاطب ہوا اور کہا:

اے قوم! میری بات سنو! یہ گھر میرا ہے۔ میں نے اسے خود خریدا ہے۔ میرا نام فروخ ہے کیا تم میں کوئی ایسا شخص نہیں جو اس فروخ کو جانتا ہو جو آج سے تیس سال پہلے جہاد کے لیے روانہ ہوا تھا۔ نوجوان صاحب خانہ کی والدہ سوئی ہوئی تھی شور وہنگامہ سن کر بیدار ہوئی۔ بالا خانے کی کھڑکی سے نیچے جھانکا تو اسے اپنا خاوند نظر آیا جس کی جدائی نے اسے نڈھال کر رکھا تھا۔ اچانک اس منظر کو دیکھ کر ایسی دہشت طاری ہوئی دانتوں میں انگلی دبائے ٹکٹکی لگا کر دیکھتی رہی۔ پھر بلند آواز سے کہا:

لوگو! اسے چھوڑ دو۔ بیٹے ربیعہ! تم بھی اسے چھوڑ دو۔ یہ تیرا باپ ہے لوگو! اپنے اپنے گھر واپس چلے جاؤ۔ اللہ تمھارا بھلا کرے۔ پھر اپنے خاوند سے مخاطب ہوئی اور کہا: اے ابوعبدالرحمن! یہ تیرا بیٹا ہے! تیرا لخت جگر، تیرا نور چشم ہے۔ جب یہ سنا تو فروخ وفور مسرت سے اچھل کر بیٹے سے بغل گیر ہوا اور ہونہار بیٹا محبت سے اپنے باپ کے ہاتھوں، گردن اور سر کو چومنے لگا، لوگ یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے اور مسکراتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ ام ربیعہ بالا خانے سے نیچے اتری۔ اپنے خاوند کو سلام کیا جس کے متعلق اسے یہ خیال تھا کہ اب روئے زمین پر اس

سے ملاقات نہ ہو سکے گی، کیونکہ جدائی کو تیس سال گزر چکے تھے اور اس طویل جدائی میں کوئی خبر بھی تو نہ مل رہی تھی۔

فروخ اپنی بیوی کے پاس بیٹھا اور اس سے بیتے ہوئے دنوں کی روائداد سننے لگا اور اپنے متعلق گھر تک خبر نہ پہنچانے کے اصلی اسباب بیان کرنے لگا، لیکن اس کی بیوی یہ سب کچھ بے خیالی میں سن رہی تھی، کیونکہ اس سے ملاقات اور باپ کے اپنے بیٹے کو بچشم خود دیکھ لینے کی خوشی میں اس خوف کی آمیزش بھی شامل ہو چکی تھی کہ کہیں مجھ سے اسی مجلس میں اس خطیر رقم کے متعلق نہ پوچھ لیں جو جاتے وقت میرے سپرد کر گئے تھے۔ وہ خیالات کی دنیا میں اپنے دل سے کہہ رہی تھی، اگر انھوں نے اس مال کے متعلق پوچھ لیا جو میرے پاس امانت چھوڑ گئے تھے اور یہ تلقین کر گئے تھے کہ میں اسے اچھے انداز میں خرچ کروں، اگر میں نے انھیں یہ بتا دیا کہ اس میں سے کچھ باقی نہیں بچا تو پتا نہیں کیا ردعمل ہوگا؟ اگر میں انھیں یہ بتا دوں کہ میں نے تمام مال اس کے بیٹے کی تعلیم و تربیت پر خرچ کر دیا ہے تو کیا یہ سن کر انھیں خوشی ہوگی یا تعجب؟ کیا میرا یہ جواب ان کے لیے کافی ہوگا؟ کہیں یہ غصے میں نہ آ جائیں۔ کہیں یہ دوبارہ جدائی کا صدمہ برداشت کرنے کے لیے مجھے اکیلا چھوڑ کر سفر پر روانہ نہ ہو جائیں۔ کیا وہ اس بات کو بھی سچ مان لیں گے کہ ان کا لخت جگر بادل سے بھی زیادہ سخی ہے؟ اس کے ہاتھ میں درہم و دینار میں سے کچھ باقی نہیں رہتا۔ مدینے کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ اس نے دائرہ اسلام میں نئے داخل ہونے والوں پر بے دریغ خرچ کیا۔ ام ربیعہ اپنے ان خیالات میں مستغرق تھی۔

خاوند نے اس کی طرف دیکھا اور کہا اُم ربیعہ کیا سوچ رہی ہو؟ کن خیالات میں گم ہو؟ کون سی بپتا آن پڑی ہے؟ یہ دیکھو چار ہزار درہم اور لایا ہوں۔ تم بھی وہ درہم لاؤ جو جاتے وقت میں تمھارے سپرد کر گیا تھا، تاکہ اس مال سے ہم باغ اور زمین خرید لیں اور زندگی بھر اس کی آمدن سے آسودگی حاصل کریں۔ وہ یہ سن کر خاموش رہی اور اسے کچھ جواب نہ دیا۔ فروخ نے بیوی سے دوبارہ کہا: لائیے مال کہاں ہے تاکہ اسے ایک ساتھ ملا دوں بیوی نے کہا: میں نے اسے وہاں رکھا

ہے جہاں اس کا رکھنا مناسب تھا۔ ان شاء اللہ چند دن کے بعد آپ اس کے ثمرات دیکھ لیں گے۔ پھر صبح کی اذان نے ان کا سلسلہ کلام منقطع کر دیا۔ فروخ وضو کرنے کے لیے اُٹھا اور پھر جلدی سے دروازے کی طرف گیا۔ آواز دی ربیعہ کہاں ہے؟ اسے بتایا گیا وہ تہجد کی اذان ہوتے ہی مسجد چلا گیا تھا۔ اہل خانہ نے کہا: ہمارا خیال ہے کہ اب آپ کو جماعت نہیں ملے گی۔

فروخ مسجد پہنچا دیکھا کہ امام ابھی تھوڑی دیر پہلے نماز پڑھا کر فارغ ہوا ہے، اُنھوں نے فرض نماز ادا کی۔ پھر روضہ رسول پر گئے صلاۃ وسلام پڑھا پھر ریاض الجنۃ کی طرف مڑے۔ دل میں وہاں نماز ادا کرنے کا شوق تھا۔ اس کے معطر اور نورانی ماحول میں دل لگا کر نفلی نماز ادا کی اور گڑگڑا کر دعائیں مانگیں۔ جب مسجد سے جانے کا ارادہ کیا دیکھا کہ اس کے صحن میں ایک ایسی علمی محفل جمی ہوئی ہے جو مثالی نوعیت کی تھی وار اس سے پہلے اس قسم کی مجلس کہیں نہیں دیکھی تھی۔ لوگ شیخ مجلس کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے رش اتنا تھا کہ تل دھرنے کی جگہ بھی باقی نہ تھی اس نے اہل مجلس پر ایک طائرانہ نگاہ دوڑائی دیکھا کہ اس میں بڑی عمر والے سروں پر پگڑیاں باندھے باادب انداز میں بیٹھے ہیں اور ان میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو بظاہر بڑے معزز دکھائی دیتے ہیں۔ بہت سے سجیلے نوجوان قلم ہاتھ میں لیے دوزانو شیخ کی ہر بات کو کاغذ پر اس طرح قلمبند کر رہے ہیں جیسے کسی تاج پر قیمتی موتی جڑے جاتے ہیں، وہ اپنی کاپیوں میں شیخ کے ارشادات کو اس طرح قلمبند کر رہے تھے جیسے عمدہ چیزوں کو محفوظ کیا جاتا ہے سبھی شیخ کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھ رہے تھے اس طرح خاموشی، ادب واحترام اور کامل توجہ سے بلاحس وحرکت سن رہے تھے جیسا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں حاضرین میں بات کو دور تک پہنچانے کے لیے مکبر شیخ کے بیان کا ایک ایک جملہ باآواز بلند دہرا رہا تھا تا کہ دور بیٹھے ہوئے احباب تک ان کی ہر بات آسانی سے پہنچ جائے اور اہل مجلس میں سے کوئی بھی کسی جملے سے محروم نہ رہے فروخ کے دل میں شیخ مجلس کے دیدار کا شوق پیدا ہوا لیکن زیادہ فاصلہ ہونے کی وجہ سے چہرہ صاف دکھائی نہ دے رہا تھا شیخ کی خوش بیانی، علمی رفعت، حیرت انگیز قوت حافظہ اور لوگوں کی بے پناہ محبت سے اس کے سامنے

عاجزی وانکساری نے اس کے دل پر گویا جادو کر رکھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد شیخ نے مجلس برخواست کر دی اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حاضرین مجلس دیوانہ وار ان کی طرف لپکے ان کے پاس لوگوں کی بہت بھیڑ ہوگئی محبت بھرے انداز میں انھیں اپنے گھیرے میں لے لیا اور انھیں الوداع کرنے مسجد نبوی کے باہر تک ان کے پیچھے گئے۔ اس موقع پر فروخ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص سے پوچھا خدارا مجھے یہ تو بتادیں کہ یہ بلند پایہ شیخ کون ہے؟

اس شخص نے تعجب سے کہا: کیا آپ مدینہ منورہ میں نہیں رہتے؟ فروخ نے کہا: کیوں نہیں، میں مدینہ کا باسی ہوں۔ اس شخص نے کہا: مدینے میں ایسا کون ہے جو اس شیخ کو نہیں جانتا۔

فروخ نے کہا: اگر میں اسے نہیں جانتا تو مجھے معذور سمجھیں کیونکہ میں تیس سال قبل جہاد کے لیے مدینہ سے چلا گیا تھا کل ہی واپس لوٹا ہوں۔

اس شخص نے کہا چلو کوئی بات نہیں۔ آیئے میرے پاس بیٹھئے میں آپ کو اس شیخ کے متعلق بتاتا ہوں۔ جس شیخ کا بیان آپ نے مجلس میں سنا ہے۔ یہ تابعین کے سردار اور اُمت مسلمہ کے بہت بڑے عالم اور نوعمری کے باوجود مدینہ کے محدث، فقیہہ اور امام ہیں یہ سن کر فروخ نے کہا: ماشاءاللہ نظر بد دور۔ اس شخص نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: اس کی یہ مجلس مالک بن انس، امام ابوحنیفہ، یحییٰ بن سعید انصاری، سفیان ثوری، عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی اور لیث بن سعد رحمہم اللہ جیسے اکابرین کی یاد دلاتی ہے۔ فروخ کچھ کہنے لگا، لیکن اس شخص نے اسے بات کرنے کی مہلت نہ دی، بلکہ اس نے بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا: ان خوبیوں کے علاوہ شیخ خوش اخلاق، فرشتہ سیرت، منکسر المزاج اور سخاوت کا دھنی بھی ہے، اہل مدینہ نے ان سے بڑھ کر کوئی سخی نہیں دیکھا اور نہ ہی ان سے بڑھ کر کوئی متقی و پرہیز گار۔ فروخ نے کہا: آپ ان کی تعریف ہی کیے جارہے ہیں، لیکن ابھی تک ان کا نام نہیں بتایا۔ اس شخص نے بتایا اس کا نام ربیعہ الرائی ہے۔

فروخ نے تعجب سے پوچھا ربیعہ الرائی!!

اس نے کہا: ہاں اس کا نام ربیعہ ہے، لیکن مدینے کے علماء و مشائخ اسے ربیعہ الرائی کے نام

سے پکارتے ہیں۔ ان کی علمی شان وشوکت کے کیا کہنے! جب علمائے مدینہ کو کسی درپیش مسئلہ میں قرآن وسنت سے صریح نص نہیں ملتی، تو وہ ان سے رجوع کرتے ہیں اور وہ اپنے اجتہاد سے اس کا ایک ایسا حل پیش کرتے ہیں جس سے علماء مطمئن ہو جاتے ہیں۔ فروخ نے پوچھا یہ کس کا بیٹا ہے۔ اس شخص نے کہا: یہ اس مجاہد کا بیٹا ہے جس کا نام فروخ ہے۔ یہ اس کے جہاد پر روانہ ہونے سے چند ماہ بعد پیدا ہوا تھا۔

اس کی والدہ نے اس کی تعلیم وتربیت پر پوری توجہ دی۔ میں نے ابھی نماز فجر سے پہلے کچھ لوگوں نے زبانی سنا ہے کہ اس کا باپ تیس سال کے بعد گذشتہ رات مدینہ واپس آیا ہے یہ بات سن کر فروخ کی آنکھوں سے دو آنسو ٹپکے، لیکن یہ شخص ان آنسوؤں کے گرنے کا سبب نہ جان سکا، پھر فروخ جلدی سے اپنے گھر پہنچا۔ بیوی نے دیکھا کہ ان کی آنکھیں بھیگی ہوئی ہیں، پوچھا: ابو ربیعہ! اللہ خیر کرے کیا ہوا؟ آنکھیں آنسوؤں سے تر کیوں ہیں؟ کوئی آفت آن پڑی؟ اس نے کہا: گھبرایئے نہیں سب خیر ہے۔

آج میں نے اپنے بیٹے ربیعہ کی نرالی شان دیکھی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر بے انتہاء خوشی میں میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ آج اس کے علمی مقام، خوش بیانی اور لوگوں کی اس کے ساتھ بے پناہ محبت نے مجھے گھائل کر دیا۔ میں کس قدر خوش نصیب ہوں کہ مجھے بلند مقام بیٹا ملا۔

ام ربیعہ نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے کہا:

میرے سرتاج! آپ کو ان دو چیزوں میں سے کون سی چیز زیادہ محبوب ومرغوب ہے تیس ہزار دینار یا اپنے بیٹے کا علم وفضل میں یہ بلند مقام؟

اس نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے پوری دنیا کے مال سے زیادہ اپنے لخت جگر کا یہ مقام قیمتی اور محبوب دکھائی دیتا ہے۔ بیوی نے کہا: جو مال آپ مجھے بطور امانت دے گئے تھے وہ میں نے اس کی تعلیم وتربیت پر خرچ کر دیا ہے، کیا آپ اس سے خوش ہیں؟

فرمایا: ہاں کیوں نہیں، مجھے اس سے بہت خوشی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو میری، میرے

بیٹے اور تمام مسلمانوں کی جانب سے جزائے خیر عطاء کرے۔[1]

[1] اسنادہ ضعیف جدا۔ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ امام ذہبی نے اس کو سیر اعلام النبلاء اور تاریخ اسلام حوادث (۱۲۱۔۱۴۰ھ۔ ص ۴۱۸، ۴۱۹) میں بیان کیا اور کہا ہے کہ یہ قصہ باطل ہے۔ اس کی سند مشائخ اہل مدینہ کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ نیز اس میں ایک راوی احمد بن مروان سخت ضعیف اور متہم بالکذب ہے۔

دعائے ختم القرآن کی استنادی حیثیت

مشہور دعا ہے:

((اللھم انس وحشتی قبری۔ اللھم ارحمنی بالقرآن العظیم۔ واجعله لی اماما و نورا هدی ورحمة۔ اللھم ذکرنی منه مانسیت وعلمنی منه ماجھلت وارزقنی تلاوته أناء اللیل وانا النھار والجله لی حجة یا رب العالمین۔ امین))

''اے میرے اللہ قبر میں میری وحشت (پریشانی) کو دور فرما اور قرآن عظیم کے وسیلہ سے مجھ پر رحم فرما اور قرآن کو میرے لیے پیشوا، باعث نور اور سبب ہدایت فرما اور قرآن میں سے جو کچھ میں بھول گیا ہوں مجھے یاد دلا اور جو کچھ قرآن میں سے میں نہیں جانتا وہ (مجھے) سکھا دے اور رات دن مجھے اس کی تلاوت نصیب، اور قیامت کے دن اس کو میرے لیے دلیل بنا اے رب العالمین میری یہ دعا قبول فرما۔''[1]

[1] اسنادہ موضوع۔ اس کی سند من گھڑت ہے۔ سلسلة الاحادیث الضعیفة (٦/٦٣) حدیث رقم (٢٥٤٨) اس کو دیلمی (۱/۱/۱۱۱) نے روایت کیا ہے اس میں احمد بن عبداللہ بن خالد الجویباری حدیث گھڑنے میں مشہور ہے نیز لیث بن محمد کو ذہبی نے ضعیف، ابن ابی شیبہ نے متروک کہا ہے اور اس میں سالم الخیاط کے متعلق یحییٰ کہتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں۔ یہ وہ دعا ہے جو ختم قرآن، حفظ قرآن کے موقع پر کی جاتی ہے، اور اس کو

قرآن کے ناشر آخر میں لکھنا ضروری سمجھتے ہیں، بعض خطباء بھی فضائل قرآن کے ضمن میں اس کو بیان کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سراسر من گھڑت ہے۔

ابو جندل رضی اللہ عنہ نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کی قبر پر مسجد تعمیر کر دی

شیخ البانی کہتے ہیں صلح حدیبیہ کے بعد نبی ﷺ نے حدیبیہ میں تین دن قیام فرمایا، پھر مدینہ واپس ہوئے (ادھر جو مسلمان مکہ میں مجبوری سے رہ گئے تھے، چونکہ کفار ان کو سخت تکلیفیں دیتے تھے، اس لیے وہ بھاگ کر مدینہ آنے کی کوشش کرتے تھے، سب سے پہلے) ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھاگ کر مدینہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے قریش نے آپ ﷺ کے پاس دو آدمی بھیجے کہ حسب معاہدہ ہمارا آدمی واپس کر دیا جائے، آنحضرت ﷺ نے واپس فرما دیا، ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں مسلمان ہو کر آیا ہوں آپ مجھے کافروں کے پنجۂ ستم میں واپس بھیجیں گے کہ وہ مجھ کو کفر پر مجبور کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اس کی کوئی سبیل پیدا کرے گا۔ صبر کرو، ابو بصیر مجبوراً دونوں کافروں کی حراست میں واپس ہوئے۔ مقام ذوالحلیفہ پر پہنچ کر دونوں کافر کچھ کھانے پینے کے لیے ٹھہرے، ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ایک سے کہا یار تمھاری یہ تلوار بڑی عمدہ ہے، وہ کافر تلوار نیام سے نکال کر کہنے لگا ہاں بہت نفیس ہے، بہت سے لوگوں پر میں اس کا تجربہ کر چکا ہوں۔ حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے کہا ذرا میں بھی دیکھوں، اس نے تلوار آپ کے حوالہ کر دی، آپ نے موقعہ پا کر اسی کافر پر تجربہ کر لیا اور اس کا کام تمام کر دیا، دوسرا کافر بھاگ کر مدینہ آیا، مسجد نبوی میں پہنچا، آنحضرت ﷺ کی اس پر نظر پڑی، دیکھتے ہی فرمایا ''اس پر کوئی افتاد آپڑی ہے، چنانچہ خدمت اقدس میں پہنچ کر اس نے شکایت کی کہ میرا ساتھی قتل کر دیا گیا، اب میرا نمبر تھا، اتنے میں حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی آپہنچے اور عرض پرداز ہوئے کہ آپ نے معاہدے کے مطابق اپنی طرف سے مجھ کو واپس کر دیا ہے، اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو آتش جنگ بھڑکا دینے والا ہے اگر اس کو کوئی معاون مل جائے'' یہ جملہ سن کر حضرت ابو بصیر سمجھ

گئے کہ انھیں دوبارہ واپس کر دیا جائے گا، اس لیے مدینہ سے بھاگ کر سمندر کے کنارے (مقام عیص) میں پڑاؤ ڈال دیا، ادھر حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ بھی قریش کی زد سے کسی طرح نکل آئے اور ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے آملے۔"

(اور اب یہ ہونے لگا کہ قریش کا جو بھی مسلمان مکہ سے جان اور ایمان بچا کر نکلتا تو وہ سیدھا ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے جاملتا۔ رفتہ رفتہ ان کی پوری جمعیت تیار ہوگئی، یہ لوگ یہ کرتے کہ قریش کا جو بھی قافلہ شام جانے والا انہیں ملتا اس کا راستہ روک کر اس کے مال واسباب پر قبضہ کر لیتے اور قافلے والوں کو قتل کر ڈالتے، عاجز آکر قریش سے اللہ کا واسطہ اور رشتہ داری اور قرابت کی دہائی دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ان لوگوں کو مدینہ بلوا لیں اب جو بھی آپ کے پاس پہنچے گا مامون ومحفوظ رہے گا۔)

یہاں تک بروایت زہری بیان کرنے کے بعد ابن عبدالبر آگے فرماتے ہیں کہ موسیٰ بن عقبہ نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اُنھوں نے اس واقعہ کے اخیر میں یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ اور ابو جندل رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو لکھا کہ تم سب یہاں مدینہ چلے آؤ، مکتوب نبوی ابو جندل کے پاس اس وقت پہنچا جب ابو بصیر زندگی کے آخری لمحات سے گزر رہے تھے، اُنھوں نے مکتوب گرامی ہاتھ میں لیا پڑھنا شروع کیا اور اسی حال میں جاں بحق ہو گئے، ابو جندل رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور وہیں دفن کیا اور ان کی قبر پر ایک مسجد تعمیر کر دی۔" (استیعاب ابن عبدالبر) [1]

---

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اس روایت کا مدار زہری پر ہے، وہ صغار تابعین سے ہیں، ان کو انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے لقاء وسماع حاصل ہے، مگر اس روایت میں اُنھوں نے کسی صحابی کا واسطہ ذکر نہیں کیا، اس لیے یہ روایت مرسل ہے اور اس اعتبار سے کہ زہری عموماً تابعین سے روایت کرتے ہیں، یہ روایت معضل ہوگی۔

بہر حال معضل ہو کہ مرسل، محدثین کے نزدیک کوئی بھی حجت نہیں، اس لیے یہ روایت قابل استدلال نہیں ہے، مستزاد برآں یہ کہ درحقیقت خط کشیدہ زیادتی منکر ہے۔ کیونکہ یہ قصہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جامع صحیح

(۵/۳۵۱-۳۷۱) میں اور امام احمد نے مسند (۴/۳۳۱،۳۲۸) میں بہ طرِیْق عَبْدِالرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عُرْوَۃُ بْنُ الزُّبَیْرِ عَنِ الْمِسْوَرِ ابْنِ مَخْرَمَۃَ وَمَرْوَانَ ۔ متصلاً روایت کیا ہے اور کسی میں یہ زیادتی نہیں ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۳/۳۳۱،۳۳۹) اور مسند احمد (۴/۳۲۳،۳۲۶) میں بہ طریق ابن اسحاق عن الزہری عن عروۃ متصلاً مروی ہے وہاں بھی یہ فقرہ نہیں ہے۔ ایسے ہی ابن جریر نے تاریخ (۳/۲۷۱،۲۸۵) میں بہ طریق معمر وابن اسحاق وغیرہما عن الزہری یہ قصہ روایت کیا ہے اس میں بھی مذکورہ زیادتی نہیں ہے۔

اس تفصیل سے یہ پوری طرح ثابت ہوگیا کہ یہ زیادتی ابو جندل نے ابوبصیر رضی اللہ عنہ کی قبر پر مسجد تعمیر کردی، منکر ہے، اس کی سند معضل ہے اور ثقات نے اسے روایت نہیں کیا ہے۔ (وَاللّٰہُ تَعَالٰی هُوَ الْمُوَفِّقُ)

دوسرا جواب:

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ زیادتی صحیح ثابت ہو جائے تب بھی اس کے سہارے ان احادیث کثیرہ کو رد نہیں کیا جا سکتا جو بناء مساجد علی القبور کی حرمت پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں کیونکہ:

اولاً: مذکورہ واقعہ میں یہ ذکر نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو جندل رضی اللہ عنہ کے فعل کی اطلاع ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا۔

ثانیاً: اگر ہم یہ مان لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی مگر آپ نے کسی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا، تو ضرور ہے کہ ہم اسے ماقبل تحریم پر محمول کریں، کیونکہ احادیث میں یہ صراحت ہے کہ قبروں پر مسجد بنانے کی حرمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے آخری لمحات میں بھی بیان فرمائی ہے، اس لیے ایک متقدم نص کی بنا پر اگر چہ وہ صحیح ہو، کسی متاخر نص کو ترک نہیں کیا جائے گا، بلکہ دونوں میں تعارض ہو تو پہلا حکم منسوخ اور دوسرا ناسخ ہوگا۔ اللہ نفس کی پیروی سے محفوظ رکھے۔

امام احمد کی وفات پر چار گروہوں نے نوحہ کیا، یہود، نصاریٰ اور مجوسیوں میں بیس ہزار لوگوں نے اسلام قبول کیا

امام احمد رحمہ اللہ کے ہمسائے الورکانی سے مروی ہے کہ جس دن امام احمد رحمہ اللہ کی وفات ہوئی تو چار گروہوں میں ماتم اور نوحہ ہوا۔

① مسلمانوں میں۔ ② یہودیوں میں۔ ③ نصاریٰ میں۔ ④ مجوسیوں میں اور اس دن بیس ہزار لوگوں نے اسلام قبول کیا اور ظفر کی روایت میں ہے یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں میں سے دس ہزار افراد نے اسلام قبول کیا۔[1]

---

① اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اخرجہ ابن ابی حاتم فی مقدمہ الجرح والتعدیل (٣١٣) تاریخ بغداد للخطیب بغدادی (٤٢٣/٤) وابو نعیم فی الحلیة (١٨٠/٩) وابن جوزی فی مناقب أحمد (٤١٩۔٤٢٠) والمزی فی تہذیب الکمال (٤٦٨/١) والذہبی فی السیر (٣٤٣/١١) اس سند کے ساتھ حدثنی ابوبکر محمد بن عباس المکی سمعت الورکانی جار احمد بن حنبل قال۔ یہ واقعہ صحیح نہیں متعدد اہل علم نے اس واقعہ پر جرح کی ہے۔ مگر ذہبی نے سب سے زیادہ اس پر جرح کی ہے۔ کہتے ہیں یہ حکایت منکر ہے۔ اسے الورکانی سے اکیلے المکی نے نقل کیا ہے اور وہ معروف نہیں ہے اور الورکانی سے مراد محمد بن جعفر ہے۔ جو امام احمد رحمہ اللہ سے تیرہ سال پہلے وفات پا چکا تھا اور جس کے بارے میں امام ابوزرعہ نے کہا کہ یہ امام احمد کا پڑوسی تھا۔ پھر عقل وفطرت بھی اس قسم کے واقعات کو ماننے میں حائل ہے اور وہ یہ کہ ایک ولی اللہ کے مرنے پر ہزاروں لوگوں کا اسلام قبول کرنا؟ اور جسے ایک مجہول راوی جو غیر معروف ہے کے سوا کوئی نقل نہیں کرتا اور بالفرض اگر کوئی ایسا واقعہ رونما ہوتا تو اسے شہرت اور تواتر کے ساتھ نقل کیا جاتا بلکہ ان کی موت پر سو آدمی بھی اسلام قبول کرتے تو اس سے بھی تعجب ہوتا؟ تو کیا خیال ہے اس طرح کا واقعہ کبھی پیش آ سکتا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء)

ذہبی تاریخ اسلام میں کہتے ہیں اور یہ حکایت منکر ہے اور میں نہیں جانتا کہ اس کو الورکانی کے علاوہ بھی کسی نے نقل کیا ہو اور نہ اس سے محمد بن عباس مکی کے سوا کوئی روایت کرتا ہے اور امام ابن ابی حاتم بھی اس حکایت کو بیان کرنے میں منفرد ہیں اور عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ اس طرح کا عظیم واقعہ بغداد میں رونما ہو اور کوئی جماعت باوجود کثرت کے اس واقعہ کو نقل نہ کرے اور یہ کیونکہ ممکن ہے کہ اتنا بڑا واقعہ پیش آ جائے اور امام المروزی، امام صالح بن احمد، امام عبداللہ بن احمد اور امام حنبل بن اسحاق بن حنبل اس کا ذکر نہ کریں کہ جنھوں نے امام احمد سے بے شمار اخبار و واقعات بیان کیے ہیں۔ جنھیں یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں اللہ کی قسم اگر ان کی وفات پر دس آدمی بھی اسلام قبول کرتے تو یہ بہت بڑی بات ہوتی اور پھر چاہیے تھا کہ اسے دس آدمی بیان کرتے اور میں نے بہت سی حکایات کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ ان میں سے بعض تو ضعیف ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ ان کے یہاں بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں پھر اس حکایت کا جھوٹا ہونا مجھ پر واضح ہو گیا اور وہ اس طرح کہ امام ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ الورکانی یعنی محمد بن جعفر امام احمد بن حنبل کا پڑوسی تھا اور وہ اس سے راضی

تھا اور امام ابن سعد، امام عبداللہ بن احمد اور امام موسیٰ بن ہارون بیان کرتے ہیں کہ الورکانی ۲۲۸ھ میں وفات پا چکا تھا پس ظاہر ہو گیا کہ وہ امام احمد بن حنبل کی وفات سے ایک زمانہ پہلے وفات پا گیا تھا پھر وہ کس طرح امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے جنازے کے دن کا واقعہ بیان کر سکتا ہے۔ دیکھیں تاریخ اسلام للذہبی۔

دو آدمیوں کے درمیان حضور ﷺ کا فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر ثانی نام نہاد مسلمان کی گردن اڑا دی

ضمرہ سے مروی ہے کہ دو آدمیوں نے اپنا جھگڑا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے حق والے کے حق میں فیصلہ کر دیا تو جس کے خلاف فیصلہ ہوا اس نے کہا مجھے یہ فیصلہ قبول نہیں اس کے ساتھ والے نے کہا تو کیا چاہتا ہے اس نے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم فیصلہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کرائیں۔ وہ دونوں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے تو جس کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا کہ ہم نے نبی کریم ﷺ سے بھی فیصلہ کرایا ہے اور آپ نے میرے حق میں فیصلہ کیا تھا یہ سن کر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم دونوں اس فیصلے کو قبول کرو جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے مگر جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم عمر رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کرائیں گے۔ وہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے تو جس کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کروایا آپ ﷺ نے میرے حق میں فیصلہ کیا ہے۔ مگر اس نے رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کیا یہ بات اسی طرح ہے۔ تو اس نے بھی اس کی تصدیق کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر میں چلے گئے واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں تلوار تھی آتے ہی اس شخص کا سر تن سے جدا کر دیا جس نے نبی ﷺ کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا تو اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿فَلَا وربك لا یومنون ...... النساء، آیت:٦٥﴾ [1]

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ الدر المنثور (٢/٣٢٢) تفسیر ابن ابی حاتم (٣/٩٩٤)

یہ واقعہ کئی سندوں سے مروی ہے مگر اس کی تمام سندیں ضعیف ہیں۔ایک سند میں عبداللہ بن لہیعہ راوی ضعیف ہے اور اس کے ساتھ یہ مرسل بھی ہے۔اس کی دوسری سند بھی مرسل (ضعیف) ہے کیونکہ ضمرہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔تیسری سند جو کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے اس میں کلبی متروک ہے اور باذام ابو صالح کا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع ثابت نہیں۔

شعبان کے آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رمضان کی فضیلت کے متعلق خطبہ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ شعبان کی آخری تاریخ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا، اے لوگو! عظمت والا مہینہ تم پر سایہ فگن ہونے والا ہے، وہ برکت والا مہینہ ہے اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔اللہ نے اس کے روزوں کو فرض اور رات کے قیام کو نفل قرار دیا ہے۔جو شخص اس میں کسی قسم کی نیکی کر کے اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے گویا اس نے رمضان کے علاوہ میں فرض ادا کیا اور جس شخص نے رمضان میں فرض ادا کیا گویا اس نے رمضان کے سوا میں ستر فرض ادا کیے۔یہ صبر کا مہینہ ہے جبکہ صبر کا بدلہ جنت ہے اور ہمدردی کا مہینہ ہے اور ایسا مہینہ ہے جس میں مومن کے رزق میں اضافہ ہوتا ہے جو شخص اس ماہ میں کسی روزے دار کا روزہ افطار کرائے گا اس کے گناہ معاف ہوں گے اور اس کی گردن کو دوزخ سے نجات حاصل ہوگی اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب حاصل ہوگا لیکن روزہ دار کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم سب روزہ دار کے روزے کے افطار کرانے کی طاقت نہیں رکھتے (اس پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ اس شخص کو بھی یہ ثواب عطا کرے گا جو روزہ دار کے روزے کو دودھ کے گھونٹ یا کھجور یا پانی کے گھونٹ سے افطار کراتا ہے اور جس شخص نے روزہ دار کو سیر ہو کر کھانا کھلایا اللہ اس کو میرے حوض سے پانی پلائے گا جس سے جنت میں داخل ہونے تک وہ پیاس محسوس نہیں کرے گا۔یہ ایسا مہینہ ہے جس کے آغاز میں رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور درمیان میں مغفرت ہوتی ہے اور آخر میں

دوزخ سے آزادی ملتی ہے اور جو شخص اس ماہ میں اپنے ماتحت پر تخفیف کرتا ہے اللہ اس کے گناہ معاف فرماتا ہے اور اس کو دوزخ سے نجات عطا کرتا ہے۔ ①

---

① اسنادہ منکر۔ اس کی سند...... ہے۔ مشکاۃ المصابیح حدیث رقم (۱۹۶۵) بحوالہ بیہقی فی شعب الإیمان (۳۰۶/۳) فضائل الصوم حدیث رقم (۳۴۵۵) (جزء ۸/ص۱۲۰) اس کی سند میں یوسف بن زیاد راوی منکر الحدیث ہے۔ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ رقم (۸۷۱) ابن خزیمہ حدیث (۱۸۸۷) اس میں علی بن زید بن جدعان راوی ضعیف ہے۔ ضعیف الترغیب (۵۸۹)

امام بخاری رحمہ اللہ کی قبر کی مٹی سے کستوری کی سی خوشبو آتی تھی

محمد بن ابو حاتم وراق کہتے ہیں کہ مجھ سے غالب بن جبریل نے بیان کیا جن کے ہاں امام بخاری رحمہ اللہ وفات کے وقت موجود تھے کہ جب امام بخاری رحمہ اللہ کو دفن کیا گیا تو ان کی قبر سے نہایت تیز کستوری جیسی خوشبو پھیلی اور اس کا اس قدر شہرہ ہوا کہ دور دراز سے لوگ اس خبر کی تصدیق کے لیے آتے اور مٹی لے جاتے۔ لوگوں کا کئی روز تک ان کی قبر پر تانتا بندھا رہا اور وہ قبر کی مٹی ساتھ لے جانے لگے بستی والوں کو خوف ہوا کہ قبر کی مٹی بچ نہیں سکتی۔ مجبور ہو کر قبر گھیر دی گئی اس پر لکڑی کا ایک جال رکھ دیا گیا اس طرح مٹی کی حفاظت کی گئی۔ [1]

---

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ یہ واقعہ ثابت نہیں۔ مقدمہ الفتح ص (٤٩٣) تغلیق التعلیق (١٤١/٥) اسامی شیوخ البخاری ص ٢ ۔ تاریخ الاسلام ص ٢٧٢۔ سیر اعلام النبلاء (٤٦٧/١٢) الوافی بالوفیات (٢٠٨/٢) طبقات السبکی (٢٣٣/٢) مقدمہ القسطلانی (٣٣/١) اس میں محمد بن ابو حاتم کا ثقہ وصدوق ہونا معلوم نہیں اور نہ ہی غالب بن جبریل کی توثیق کہیں ملی ہے اور محمد بن ابو حاتم تک سند بھی نامعلوم ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ حدیث تلاش کرتے رہے اور کھجوریں کھاتے رہے اس سے ان کی وفات ہوئی

امام حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے ابوالفضل محمد بن ابراہیم سے سنا وہ کہتے ہیں میں نے احمد بن سلمہ سے سنا کہ امام مسلم رحمہ اللہ سے مجلس مذاکرہ میں ایک حدیث کے متعلق سوال کیا گیا جو آپ کو یاد نہ آئی تو آپ گھر واپس تشریف لائے۔ گھر والوں نے آپ کی خدمت میں کھجور کی ایک ٹوکری پیش کی۔ آپ حدیث بھی تلاش کرتے رہے اور ساتھ ہی ایک ایک کھجور تناول کرتے رہے۔

یہاں تک کہ کھجوریں بھی ختم ہو گئیں اور حدیث بھی مل گئی یہی واقعہ آپ کی وفات کا سبب بنا۔''[1]

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ تهذيب التهذيب (۱۰/۱۵۰) مقدمه النووی ص ۲۸۰ تاريخ بغداد ترجمه امام مسلم (۱۳/۱۰۳) رقم (۷۰۸۹) تاريخ دمشق ترجمه امام مسلم (۶۱/۷۰، ۷۱) وابن جوزی فی المنتظم (۱۲/۱۷۳) اس کی سند میں محمد بن علی بن احمد المقری راوی نامعلوم ہے۔ حاکم کی بیان کردہ روایت میں ایک تو یہی راوی مجہول ہے دوم حاکم سے بیان کرنے والا راوی مجہول الحال ہے۔

ایک شخص کی قبر نبوی پر حاضری دعا کی التجاء اُسے کہا گیا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ میرا اسلام کہو اور............

مالک الدار جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خزانچی تھے روایت ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے تو ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آئے اور عرض کی یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لیے بارش طلب کیجیے کیونکہ وہ قحط سالی کی وجہ سے ہلاک ہو رہی ہے پھر خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے پاس تشریف لائے اور فرمایا تم عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر اسے میرا اسلام کہو اور اسے بتاؤ کہ تم سیراب کیے جاؤ گے نیز عمر رضی اللہ عنہ سے کہنا کہ عقل مندی اختیار کیا کرو وہ آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انھیں خبر دی تو حضرت عمر رو پڑے اور فرمایا اے اللہ میں کوتاہی نہیں کرتا مگر یہ کہ عاجز ہو جاؤں۔[1]

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ شیخ البانی کہتے ہیں ہم اس قصہ کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں کیونکہ مالک دار عدالت وضبط میں غیر معروف ہے۔ ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل (۴/۲۱۳) میں اسے ذکر کیا ہے اور مالک سے اس ابو صالح کے سوا کوئی اور راوی ذکر نہیں کیا۔ گویا اس سے وہ یہ بات باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ مجہول ہے اور یہ فی الواقع مجہول راوی ہے۔

نیز اس روایت میں ابومعاویہ اور اعمش دونوں مدلس ہیں اور عن سے روایت کر رہے ہیں لہٰذا سماع کی صراحت نہیں اس وجہ سے سند ضعیف ہے۔

نیز اس میں وہ آدمی مجہول ہے جو قبر نبوی پر آیا تھا اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔ روایت کے لیے دیکھیں۔ مصنف ابن ابی شیبہ (٦/٣٥٦) دلائل النبوۃ للبیہقی (٧/٤٧) الاستیعاب لابن عبدالبر (٣/١١٣٩)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری (٢/٥٧٥) میں کہتے ہیں کہ سیف نے فتوح میں ذکر کیا ہے کہ مذکورہ خواب دیکھنے والے بلال بن حارث المزنی تھے جو نبی ﷺ کے صحابی ہیں۔ مگر سیف بن عمر اس زیادتی کے ساتھ متفرد ہے اور یہ تمام آئمہ کے نزدیک بالاتفاق ضعیف ہے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں ضعیف ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں یہ سیف متروک الحدیث ہے۔ ابوداود کہتے ہیں لیس بشیء یہ کچھ نہیں۔ نسائی اور دارقطنی کہتے ہیں ضعیف ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں موضوع روایات بیان کرتا ہے۔

حاکم کہتے ہیں یہ متہم بالزندقہ ہے اس کی روایت پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔ ذہبی کہتے ہیں یہ واقدی کی طرح ہے۔ تهذيب التهذيب (٤/٢٩٥) ميزان الاعتدال (٢/٢٥٥)

دو روزے دار خواتین کا غیبت کرنا خون اور پیپ کی قے کرنا

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں مسند ابوداؤد طیالسی میں ہے حضور ﷺ نے لوگوں کو روزے کا حکم دیا اور فرمایا جب تک میں نہ کہوں کوئی افطار نہ کرے شام کو لوگ آنے لگے اور آپ سے دریافت کرنے لگے آپ انھیں اجازت دیتے اور وہ افطار کرتے جاتے ایک صاحب آئے اور عرض کیا، حضور ﷺ دو عورتوں نے روزہ رکھا تھا جو آپ ہی کے متعلقین میں سے ہیں انھیں بھی آپ اجازت دیجیے کہ روزہ کھولیں آپ نے اس سے منہ پھیر لیا اس نے دوبارہ عرض کی تو آپ نے فرمایا وہ روزے سے نہیں ہیں، کیا وہ بھی روزے دار ہو سکتا ہے؟ جو انسانی گوشت کھائے (یعنی غیبت کرے) انھیں کہو کہ اگر وہ روزے سے ہیں تو قے کریں چنانچہ اُنھوں نے قے کی جس میں خون جمے کے لوتھڑے نکلے اس نے آ کر حضور ﷺ کو خبر دی آپ نے فرمایا اگر یہ اسی حالت میں مر جاتیں تو آگ کا لقمہ بنتیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس شخص نے کہا تھا

حضور ﷺ ان دونوں عورتوں کی روزے میں بری حالت ہے مارے پیاس کے مر رہی ہیں، آپ نے فرمایا جاؤ انھیں بلا لاؤ جب وہ آئیں تو آپ نے دودھ کا مٹکا ایک کے سامنے رکھ کر فرمایا اس میں قے کر اس نے قے کی تو اس میں پیپ خون جامد وغیرہ نکلی جس سے آدھا مٹکا بھر گیا، پھر دوسری سے قے کرائی اس میں بھی یہی چیزیں اور گوشت کے لوتھڑے وغیرہ نکلے اور مٹکا بھر گیا، اس وقت آپ نے فرمایا حلال روزہ رکھے ہوئے تھیں اور حرام کھا رہی تھیں دونوں بیٹھ کر لوگوں کے گوشت کھانے لگی تھیں (یعنی غیبت کر رہی تھیں)[1]

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد (۱۷۱/۳) کتاب الصیام، باب الغیبۃ للصائم حدیث رقم (۵۰۰۸) مسند احمد (۴۳۱/۵) رقم الحدیث (۲۳۷۰۳) ابو یعلیٰ رقم (۱۵۷۶) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کی سند ضعیف ہے۔ اس میں یزید بن ابان رقاشی راوی ضعیف ہے۔ مسند احمد کی روایت میں ایک راوی مبہم ہے۔ علامہ شعیب الارناؤط نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

اگر مجھے صفیہ رضی اللہ عنہا سے عدم برداشت کا ڈر نہ ہو تو میں حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو یونہی چھوڑ دوں تاکہ اسے پرندے کھا جائیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (احد کے دن) سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے جبکہ ان کی لاش کا مثلہ کیا گیا تھا۔ (یعنی ناک کان وغیرہ کاٹ دیے گئے تھے) تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہ بات نہ ہو کہ (ان کی بہن) صفیہ رضی اللہ عنہا سے برداشت نہیں ہو سکے گا تو میں حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو ایسے ہی چھوڑ دوں حتی کہ اسے درندے اور پرندے کھا جائیں اور پھر یہ حشر کے دن ان کے پیٹوں ہی سے آئیں۔[1]

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ ابو داؤد، کتاب الجنازء، باب فی الشهید یغسل حدیث رقم (۳۱۳۶) واخرجه الترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی قتلیٰ احد و ذکر حمزہ۔ حدیث رقم (۱۰۱۶) مستدرك حاکم (۱۹۶/۳) حاکم ذہبی اور البانی نے اسے صحیح کہا ہے مگر اس کی سند زہری کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

کیا شجرۃ الرضوان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کاٹنے کا حکم دیا تھا؟

طبقات ابن سعد میں روایت ہے حضرت نافع کہتے ہیں کہ لوگ شجرۃ الرضوان کے پاس (یعنی اس درخت کے پاس جس کے نیچے صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت رضوان لی تھی) آکر نمازیں پڑھتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو اُنھوں نے لوگوں کو ڈانٹا اور اس درخت کو کاٹ دینے کا حکم دیا چنانچہ یہ درخت کاٹ دیا گیا۔ [1]

---

[1] اسنادہ منقطع۔ اس کی سند میں انقطاع ہے۔ کیونکہ نافع نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا اور یہ مندرجہ ذیل آثار صحیحہ کے بھی خلاف ہے۔ ① طارق بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ میں حج کرنے کے لیے گیا تو ایسے لوگوں پر میرا گزر ہوا جو ایک جگہ نماز پڑھ رہے تھے میں نے پوچھا یہ کیسی مسجد ہے لوگوں نے کہا یہ وہ درخت ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت رضوان لی تھی کہتے ہیں میں سعید بن مسیب کے پاس آیا اور انھیں اس کی خبر دی تو سعید بن مسیب نے کہا مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا کہ میں درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے والوں میں شامل تھا۔ جب ہم اگلے سال نکلے تو اس درخت کو نہ پہچان سکے ہم اسے بھول گئے سعید بن مسیب نے کہا کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو اس درخت کو نہ جانتے تھے اور تم جانتے ہو؟ تو تم اصحاب رسول سے زیادہ عالم ہو گئے۔ صحیح بخاری: کتاب المغازی، باب غزوہ حدیبیہ حدیث رقم (٤١٦٣) ② دوسری روایت میں سعید بن مسیب سے مروی کہ ان کے والد مسیب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اس درخت کو دیکھا تھا جس کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی مگر اس کے بعد میں مکہ آیا تو اس درخت کو نہ پہچان سکا۔ حوالہ سابقہ حدیث (۴۱۶۴) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس شجرۃ الرضوان کو نہیں کٹوایا تھا بلکہ یہ لوگوں کی نظر سے مخفی اور مشتبہ ہو گیا کسی کو معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ وہ کون سا درخت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک بوڑھی خاتون سے پوچھنا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟

ہمارے خطباء کے ہاں یہ واقعہ مشہور ہے اور شبلی نعمانی نے بھی یہ واقعہ قدرے اختصار کے

ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب شام کا سفر کیا تو ایک ضلع میں ٹھہر کر لوگوں کی شکایات سنیں اور دادرسی کی اس سفر میں ایک پر عبرت واقعہ پیش آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چلتے چلتے اپنے ساتھیوں سے الگ ہو کر ایک طرف نکل گئے وہاں دیکھا کہ ایک خیمہ میں بوڑھی عورت بیٹھی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے سلام کیا اور پوچھا بی بی عمر کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے اس نے کہا ہاں عمر رضی اللہ عنہ ملک شام سے روانہ ہو چکا ہے لیکن اللہ اسے غارت کرے قیامت کے دن میرا ہاتھ ہوگا اور اس کا گریبان ہوگا۔ حضرت عمر اس خاتون کی یہ بات سن کر کانپ گئے اور پوچھا کیوں اس نے کہا جب سے یہ خلیفہ بنا ہے مجھے آج تک اس نے اناج کا ایک دانہ بھی نہیں دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم نے اپنے حالات سے عمر کو کبھی آگاہ کیا ہے، اسے مدینے میں بیٹھے تیری حالت کیسے معلوم ہو سکتی ہے۔ خاتون نے کہا اسے حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں جسے اپنی رعایا کے حالات کا علم نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سخت رقت ہوئی اور بے اختیار رو پڑے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا خلافت کی حقیقت سے مجھے شام کی اس بوڑھی خاتون نے آگاہ کیا۔[1]

---

[1] یہ بے اصل و بے سند قصہ ہے جس کا شبلی نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ لہٰذا یہ صحیح نہیں۔

لاحول ولاقوۃ...... کے وظیفہ سے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ٹوٹ گئیں

سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ حضرت مالک بن اشجعی رضی اللہ عنہ کے لڑکے حضرت عوف رضی اللہ عنہ جب کافروں کی قید میں تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سے کہلوا دو کہ بکثرت ﴿لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ پڑھتا رہے، ایک دن اچانک بیٹھے بیٹھے ان کی قید کھل گئی اور یہ وہاں سے نکل بھاگے اور ان لوگوں کی ایک اونٹنی ہاتھ لگ گئی جس پر سوار ہو گئے راستے میں ان کے اونٹوں کے ریوڑ ملے انھیں بھی اپنے ساتھ ہنکا لائے وہ لوگ پیچھے دوڑے لیکن یہ کسی کے ہاتھ نہ لگے سیدھے اپنے گھر آئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی باپ نے آواز سن کر فرمایا اللہ کی قسم یہ تو عوف رضی اللہ عنہ ہے

ماں نے کہا وہ کہاں وہ تو قید و بند کی مصیبتیں جھیل رہا ہوگا؟ اب دونوں ماں باپ اور خادم دروازے کی طرف دوڑے، دروازہ کھولا تو ان کے لڑکے حضرت عوف ہیں اور تمام انگنائی اونٹوں سے بھری پڑی ہے پوچھا کہ یہ اونٹ کیسے ہیں؟ اُنھوں نے واقعہ بیان فرمایا کہا اچھا ٹھہرو میں حضور ﷺ سے ان کی بابت مسئلہ دریافت کر آؤں حضرت ﷺ نے فرمایا وہ سب تمھارا مال ہے جو چاہو کرو اور یہ آیت اتری کہ اللہ سے ڈرنے والوں کی مشکل اللہ آسان کرتا ہے اور بے گمان روزی پہنچاتا ہے۔[1]

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ طبری رقم (۳٤۲۸۸، ۳٤۲۸۹) مرسل (ضعیف) ہے۔ مستدرك حاکم (۲/٤۹۲) رقم الحدیث (۳۸۲۰) کتاب التفسیر۔ ذہبی کہتے ہیں منکر ہے۔ عباد راوی رافضی ہے اور عبید راوی متروک ہے۔ الدر المنثور (۲۳۲/٦)

ہندوستان کے راجہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں زنجبیل کا تحفہ بھیجا

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہندوستان کے ایک راجہ (بادشاہ) نے حضور ﷺ کی خدمت میں ایک زنجبیل (تازہ ادرک یا خشک سونٹھ) کا تحفہ بھیجا۔ جس کو نبی ﷺ نے پسند فرمایا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرمایا و اطعمنی منها قطعة اور ایک ٹکڑا اس میں سے خود بھی تناول فرمایا۔[1]

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ مستدرك للحاکم (٤/۱۳٦) حدیث رقم (۷۱۹۰) موسوعه اطراف الحدیث النبوی الشریف (٤/۷) یہ روایت ضعیف و مردود ہے اس میں علی بن زید بن جدعان راوی ضعیف ہے اور عمرو بن حکام بھی اکثر محدثین کے نزدیک ضعیف و مجروح ہے۔

قرآن کی آیت یا یھا الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبا...... الخ کے ضمن میں حارث الخزاعی کا قصہ

اکثر مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابو معیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں قبیلہ بنو مصطلق سے زکوۃ لینے کے لیے بھیجا تھا۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے حضرت حارث بن ضرار خزاعی رضی اللہ عنہ جو ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے والد ہیں فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی جو میں نے منظور کر لی اور مسلمان ہو گیا۔ پھر آپ نے زکوۃ کی فرضیت سنائی میں نے اس کا بھی اقرار کیا اور کہا کہ میں واپس اپنی قوم میں جاتا ہوں اور ان میں سے جو ایمان لائیں اور زکوۃ ادا کریں میں ان کی زکوۃ جمع کرتا ہوں اتنے اتنے دنوں کے بعد آپ میری طرف کسی آدمی کو بھیج دیجیے میں اس کے ہاتھ جمع شدہ مال زکوۃ آپ کی خدمت میں بھجوا دوں گا۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر یہی کیا مال زکوۃ جمع کیا، جب وقت مقرر گزر چکا اور حضور ﷺ کی طرف سے کوئی قاصد نہ آیا تو آپ نے اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا اور ان سے کہا یہ تو ناممکن ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے وعدے کے مطابق اپنا کوئی آدمی نہ بھیجیں مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں کسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ ہم سے ناراض نہ ہو گئے ہوں؟ اور اس بنا پر آپ نے اپنا کوئی قاصد مال زکوۃ لے جانے کے لیے نہ بھیجا ہو اگر آپ لوگ متفق ہوں تو ہم اس مال کو لے کر خود ہی مدینہ شریف چلیں اور حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں، یہ تجویز طے ہو گئی اور یہ حضرات اپنا مال زکوۃ ساتھ لے کر چل کھڑے ہوئے ادھر سے رسول اللہ ﷺ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو اپنا قاصد بنا کر بھیج چکے تھے لیکن یہ حضرات راستے ہی میں سے ڈر کے مارے لوٹ آئے اور یہاں آ کر کہہ دیا کہ حارث نے زکوۃ کو بھی روک لیا اور میرے قتل کے درپے ہو گیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ ناراض ہوئے اور کچھ آدمی حارث کی تنبیہ کے لیے روانہ ہوئے۔ مدینہ کے قریب ہی راستے ہی میں اس

مختصر سے لشکر نے حارث رضی اللہ عنہ کو پالیا اور گھیر لیا۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے پوچھا آخر کیا بات ہے؟ تم کہاں اور کس کے پاس جا رہے ہو؟ اُنھوں نے کہا ہم تیری طرف بھیجے گئے ہیں۔ پوچھا کیوں؟ کہا اس لیے کہ تو نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ولید رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ نہ دی بلکہ انھیں قتل کرنا چاہا۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے کہا قسم ہے اس اللہ کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے نہ میں نے اسے دیکھا نہ وہ میرے پاس آیا، چلو میں تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں۔ یہاں آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ تو نے زکوٰۃ کو بھی روک لیا اور میرے آدمی کو بھی قتل کرنا چاہا۔ آپ نے جواب دیا ہرگز نہیں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے نہ میں نے انھیں دیکھا نہ وہ میرے پاس آئے۔ بلکہ قاصد کو نہ دیکھ کر اس ڈر کے مارے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ناراض نہ ہو گئے ہوں اور اسی وجہ سے قاصد نہ بھیجا ہو میں خود حاضر خدمت ہوا، اس پر یہ آیت ﴿حَكِيمٌ﴾ تک نازل ہوئی۔

طبرانی میں یہ بھی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد حضرت حارث رضی اللہ عنہ کی بستی کے پاس پہنچا تو یہ لوگ خوش ہو کر اس کے استقبال کے لیے خاص تیاری کر کے نکلے ادھر ان کے دل میں یہ شیطانی خیال پیدا ہوا کہ یہ لوگ مجھ سے لڑنے کے لیے آرہے ہیں تو یہ لوٹ کر واپس چلے آئے، اُنھوں نے جب یہ دیکھا کہ آپ کے قاصد واپس چلے گئے تو خود ہی حاضر ہوئے اور ظہر کی نماز کے بعد صف بستہ ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے اپنے آدمی کو بھیجا ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں ہم بے حد خوش ہوئے لیکن اللہ جانے کیا ہوا کہ وہ راستے میں سے ہی لوٹ گئے تو اس خوف سے کہ کہیں اللہ ہم سے ناراض نہ ہو گیا ہو ہم حاضر ہوئے ہیں۔ اسی طرح وہ عذر معذرت کرتے رہے، عصر کی اذان جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی، اور روایت میں ہے کہ حضرت ولید رضی اللہ عنہ کی اس خبر پر ابھی حضور سوچ ہی رہے تھے کہ کچھ آدمی ان کی طرف بھیجیں جو ان کا وفد آ گیا اور اُنھوں نے کہا آپ کا قاصد آدھے راستے سے ہی لوٹ گیا تو ہم نے خیال کیا کہ آپ نے کسی ناراضگی کی بناء پر انھیں واپسی کا حکم بھیج دیا ہو گا اس لیے حاضر ہوئے ہیں، ہم اللہ کے غصے سے اور آپ کی ناراضگی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ پس

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور اس کا عذر سچا بتایا۔[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ مسند احمد (٢٧٩/٤) حدیث رقم (١٨٦٥٠) طبرانی فی الکبیر رقم (٣٣٩٥) مجمع الزوائد (١٠٩/٧) رقم الحدیث (١١٣٥٢) اسی طرح کی روایت (طبری ٣٨٣/١١) رقم (٣١٦٨٥) میں ہے اس میں موسیٰ بن عبیدہ الربذی راوی ضعیف ہے۔ طبری کی اس کے بعد والی روایت میں عطیہ بن سعد عوفی راوی ضعیف ہے۔

واقعہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ اور اس کی بیوی کا جن کے پاس ایک ہی چادر تھی

قاری عبدالحفیظ فیصل آبادی اپنے خطبات میں بیان کرتے ہیں۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ وہ مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد فوراً گھر چلے جاتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ روزانہ ہی جلدی جلدی گھر چلے جاتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا تو وہ صحابی رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میرے پاس اور میری بیوی کے پاس صرف ایک چادر ہے جس میں میں اور میری بیوی نماز ادا کرتے ہیں، جب وہ چادر لے کر مسجد میں آجاتا ہوں تو میری بیوی گھر میں برہنہ حالت میں بیٹھی رہتی ہے اس لیے میں مغرب کے وقت جلدی جلدی گھر چلا جاتا ہوں کیونکہ اس نماز کا وقت کم ہوتا ہے جب میں جاتا ہوں تو یہ چادر اپنی بیوی کو دیتا ہوں پھر وہ اس میں نماز ادا کرتی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی جنتی جوڑا دیکھنا چاہتا ہے تو اس جوڑے کو دیکھ لے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اونٹ دیے، جب وہ گھر پہنچے تو ان کی بیوی نے کہا مجھے ساتھ رکھ لیں یا اونٹوں کو پاس رکھ لیں اُنھوں نے اونٹ واپس کر دیے اور بیوی کو اپنے ساتھ رکھ لیا، اس واقعے کو قاری عبدالحفیظ فیصل آبادی نے اپنی کیسٹ میں بیان کیا ہے۔[1]

---

[1] اس روایت کی کوئی سند یا ثبوت ہمیں کسی کتاب میں نہیں ملا۔ روایت الفاظ اور قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضوع اور بے اصل روایت ہے۔

خاوند اور بیوی کے درمیان مدت جدائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب واقعہ کی حقیقت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ عموماً فقہاء کرام ذکر کیا کرتے ہیں جو یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ راتوں کو مدینہ شریف کی گلیوں میں گشت لگاتے رہتے ایک رات کو نکلے تو آپ نے سنا کہ ایک عورت اپنے سفر میں گئے ہوئے خاوند کی یاد میں کچھ اشعار پڑھ رہی ہے جن کا ترجمہ یہ ہے افسوس! ان کالی کالی اور لمبی راتوں میں میرا خاوند نہیں جس سے میں ہنسوں، بولوں اللہ کی قسم! اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو اس وقت اس پلنگ کے پائے حرکت میں ہوتے، آپ اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا بتاؤ زیادہ سے زیادہ عورت اپنے خاوند کی جدائی پر کتنی مدت صبر کر سکتی ہے؟ فرمایا چھ مہینے یا چار مہینے آپ نے فرمایا اب میں حکم جاری کردوں گا کہ مسلمان مجاہد سفر میں اس سے زیادہ نہ ٹھہریں، بعض روایتوں میں کچھ زیادتی بھی ہے اور اس کی بہت سی سندیں ہیں اور یہ واقعہ مشہور ہے۔ [1]

---

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورۃ بقرۃ آیت (۲۲۷) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کو موطا امام مالک کی طرف منسوب کیا ہے مگر یہ اس میں نہیں مل سکا۔ نیز یہ عمرو بن دینار حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں جبکہ عمرو بن دینار کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کی بہت سی سندیں ہیں۔ مگر یہ سب اسناد ضعیف ہیں۔ غرض کہ یہ قصہ صحیح یا حسن سند سے ثابت نہیں بلکہ ضعیف ہے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مصافحہ کرے گا

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق تعالیٰ (اللہ

رب العزت) قیامت کے دن جس شخص سے سب سے پہلے مصافحہ کرے گا اور سب سے پہلے جس کو سلام کہے گا اور سب سے پہلے جس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کرے گا وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب ہیں۔ [1]

[1] اسنادہ ضعیف جدا۔ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ اخرجہ ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب فضل عمر رضی اللہ عنہ حدیث رقم (١٠٤) شیخ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں "منکر جدا" سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (٢٤٨٥) بوصیری کہتے ہیں اس میں داؤد بن عطاء المدینی راوی کے ضعف پر اجماع ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کو تقریب التہذیب میں ضعیف کہا ہے۔ ظلال الجنۃ فی تخریج السنۃ حدیث رقم (١٢٤٥) یاد رہے یہ روایت اپنی تمام اسناد کے ساتھ ضعیف ہے، نہ ہی اس کی کوئی مؤید روایت صحیح ہے۔ مستدرک حاکم (٨٣/٣) حدیث رقم (٤٤٨٩) ذہبی کہتے ہیں من گھڑت روایت ہے اس میں ایک راوی کذاب ہے۔ کنز العمال (٥٧٨/١١)۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام پر فرشتوں کی خوشی

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جس وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر آسمانوں کے فرشتوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ [1]

[1] اسنادہ ضعیف جدا۔ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ اخرجہ ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب فضل عمر رضی اللہ عنہ حدیث رقم (١٠٣) بوصیری کہتے ہیں اس میں عبداللہ بن خراش راوی کے ضعف پر اتفاق ہے سوائے ابن حبان کے کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔ شیخ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ مستدرك للحاکم (٨٤/٣) ذہبی کہتے ہیں اس میں عبداللہ بن خراش راوی کو دارقطنی نے ضعیف کہا ہے۔ کنز العمال (٥٧٧/١١) الاحسان (٣٠٧/١٥)

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نازیبا کلمات کہنے پر اپنے باپ ابوقحافہ کو تھپڑ مار دیا

سیوطی رحمہ اللہ کہتے ہیں امام ابن منذر نے ابن جریج سے بیان کیا ہے کہ ہمیں کسی نے یہ بتایا کہ ابوقحافہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازیبا کلمات استعمال کیے، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے زور سے تھپڑ رسید کیا اور وہ گر گیا پس اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کیا گیا تو آپ نے دریافت فرمایا: اے ابوبکر رضی اللہ عنہ کیا تو نے ایسا کیا ہے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی اللہ کی قسم! اگر تلوار میرے قریب پڑی ہوتی تو میں یقیناً اسے مار دیتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ ﴿لا تجدقوما یومنون باللہ .... الخ﴾ [المجادلة: ٢٢][1]

---

[1] اسنادہ موضوع۔ اس کی سند من گھڑت ہے۔ تفسیر در منثور مذکورہ بالا آیت کے تحت۔ یہ واقعہ من گھڑت ہے، اس کو سیوطی کے علاوہ قرطبی وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے مگر کسی نے اس کی سند بیان نہیں کی۔ ہماری جماعت کے قصہ گو واعظ بھی یہ واقعہ بیان کرتے ہیں۔ دیکھیں خطبات ربانی ص ٢٨٠۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہادت حسین کی خبر اور کربلا کی مٹی

ذہبی میزان الاعتدال میں حماد بن سلمہ، عن ابان، عن شہر بن حوشب، عن حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت جبرائیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور حسین رضی اللہ عنہ میرے پاس تھے۔ وہ رونے لگے۔ میں نے انھیں چھوڑ دیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تم اس سے محبت کرتے ہو؟ آپ نے جواب دیا ہاں۔ اُنھوں نے فرمایا تیری اُمت اسے قتل کرے گی اور اگر آپ چاہیں تو میں اس سرزمین کی مٹی لا کر آپ کو دکھا دوں جہاں یہ قتل کیے جائیں گے۔

اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے وہ مٹی دیکھی تو وہ کربلا کی مٹی تھی۔ [1]

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ میزان الاعتدال (۱/۱۲۳) اخرجہ احمد فی فضائل صحابہ جلد ۲ ص ۷۸۲۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا چونکہ ماہر طبقات الارض تھیں اس لیے وہ پہچانتی تھیں کہ کونسی مٹی کس سرزمین کی ہے خواہ انھوں نے کبھی سرزمین عراق کا سفر بھی نہ کیا ہو۔ لیکن اگر وہ اس مٹی کو نہ پہچانتیں تو پھر یہ کہانی کیسے وجود میں آتی۔

ہاں ہم یہ ضرور سنتے اور پڑھتے آئے تھے کہ نبی کے علاوہ کسی انسان میں یہ قدرت نہیں کہ وہ کسی فرشتے کو دیکھ سکے۔ اگر فرشتہ انسانی صورت میں بھی آئے گا، تب بھی نبی کے علاوہ کسی کو یہ نہ معلوم ہو سکے گا کہ یہ فرشتہ ہے۔ تاوقتیکہ وہ خود اس سے مطلع نہ کرے یا نبی اس کی اطلاع دے۔ کجا کہ اس کا کلام سننا کیونکہ یہ غیر نبی کے لیے ممکن ہی نہیں۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ جبرائیل تشریف فرما ہیں اور یہ مکالمہ ہو رہا ہے روایت کے الفاظ یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ چشم دید واقعہ ہے جو اس کے جھوٹ ہونے کی ایک واضح دلیل ہے۔

امام ذہبی نے یہ کہانی ابان بن ابی عیاش کے ترجمہ میں نقل کی ہے۔ امام ذہبی نے اس ابان پر کیا تبصرہ کیا ہے وہ بھی ملاحظہ کر لیجیے۔

ابان بن ابی عیاش:

اس کی کنیت ابو اسماعیل ہے۔ بصرہ کا باشندہ ہے۔ اسے صوفی دینار زاہد بھی کہا جاتا ہے۔ یہ چھوٹے درجہ کا تابعی ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں اس کا شمار ضعیف راویوں میں ہوتا ہے۔

امام شعبہ فرماتے ہیں اس کی روایت بیان کرنے سے بہتر تو یہ ہے کہ انسان گدھے کا پیشاب پی لے اور ایک بار فرمایا کہ اس کی روایت لینے سے بہتر یہ ہے کہ انسان زنا کر لے (کیونکہ زنا سے عقیدہ تو خراب نہ ہوگا اور انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنے سے محفوظ تو رہے گا۔

امام احمد اور یحیٰی بن معین کہتے ہیں یہ شخص متروک الحدیث ہے ابو عوانہ کہتے ہیں میں نے اس سے حسن بصری کی بہت سی روایات سنی تھیں۔ لیکن اب میں ان کا بیان کرنا بھی حلال نہیں سمجھتا۔ جوزجانی کہتے ہیں یہ ساقط الاعتبار ہے۔ نسائی کہتے ہیں متروک ہے۔ ابن عدی لکھتے ہیں اس کی سب روایات منکر ہیں، ان منکرات میں سے ایک مذکورہ روایت بھی ہے۔

امام شعبہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ ابان بن ابی عیاش جھوٹ نہ بولتا ہو تو میرا گھر اور میری سواری مساکین کے لیے صدقہ ہے (یعنی اگر اس کا جھوٹا نہ ہونا ثابت ہو جائے) اگر مجھے لوگوں سے شرم محسوس نہ ہوتی تو میں اس کی

نماز جنازہ بھی نہ پڑھتا۔

یزید بن زریع فرماتے ہیں میں نے اس کی روایات ترک کردی ہیں۔ امام سفیان ثوری فرماتے ہیں یہ حدیث میں بہت بھولتا ہے۔ یحییٰ بن سعید القطان اور عبدالرحمن بن مہدی اس کی روایات قبول نہ کرتے۔
علی بن المسہر کا بیان ہے کہ میں نے اور حمزہ الزیات نے اس ابان سے سن کر پانچ سو احادیث لکھی تھیں۔ کچھ روز بعد میری حمزہ سے ملاقات ہوئی۔ اُنھوں نے فرمایا میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ میں آپ کے روبرو ابان کی احادیث پڑھ رہا ہوں۔ آپ نے پانچ یا چھ احادیث کے علاوہ سب سے انکار کردیا (گویا ایک فی صد صحیح کا حساب بنا۔ یہ بھی غنیمت ہے۔ ورنہ بعد کے صوفیاء میں تو ایک فی صد کا حساب بھی نہیں بنتا۔)
احمد بن علی الابار کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا تو آپ سے عرض کیا۔ کیا آپ ابان سے راضی ہیں؟ فرمایا نہیں۔

ابن حبان لکھتے ہیں کہ یہ بہت زاہد و متقی اور نیک انسان تھا۔ تمام رات نماز پڑھتا اور ہمیشہ روزہ رکھتا (گویا اپنے وقت کا قطب تھا) اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے چند روایات سنی تھیں اور حسن بصری کی مجلس میں شریک ہوتا۔ یہ اکثر اوقات حسن بصری کی ذاتی رائے اور قول کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ذریعہ حدیث بنا کر پیش کرتا ہے حتی کہ خود بھی اسے اس کا احساس نہیں ہوتا۔ تهذيب الكمال (٤٨/١) تهذيب التهذيب (٩٧/١) الكاشف (٧٥/١) تاريخ البخاري الكبير (٣٥٣/١) تاريخ البخاري الصغير (٥٣/٢) الجرح والتعديل (٢٩٥/٢)

دارقطنی لکھتے ہیں۔ اس ابان کے باپ کا نام فیروز ہے۔ بصرہ کا باشندہ ہے۔ متروک ہے الضعفاء والمتروکین ص ٦٤۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں ابان کی روایات کچھ نہیں، ابوزرعہ کہتے ہیں کہ اس نے حضرت انس۔ شہر اور حسن بصری سے کچھ باتیں سنیں۔ لیکن اسے تو اتنی بھی تمیز نہیں کہ کون سا قول کس کا ہے۔ الجرح والتعدیل ج ا ص ٢٩٦۔

اس ابان نے اس کہانی کو شہر کی جانب منسوب کیا ہے۔ اس نے یہ روایت شہر سے کہاں سنی اور کب سنی؟ اس لیے کہ شہر دمشق کا باشندہ ہے اور ابان بصرہ کا رہنے والا ہے۔ ہمارے نزدیک تو یہ بھی اس کا ایک جھوٹ ہے۔ ویسے بھی شہر صاحب کوئی اچھی شہرت کے مالک نہیں۔

شہر بن حوشب:

یہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور اسماء بنت یزید بن السکن رضی اللہ عنہا سے احادیث روایت کرتا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں۔ یہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت یزید سے اچھی احادیث روایت کرتا ہے۔ (یعنی بقیہ بے کار ہوتی ہیں)
ابوحاتم فرماتے ہیں یہ حجت نہیں۔ نسائی اور ابن عدی کہتے ہیں قوی نہیں۔ ابن عون کہتے ہیں، محدثین نے اس

سے روایت لینی ترک کر دی ہے۔

ابو جعفر الکرنی کا بیان ہے کہ یہ بیت المال میں ملازم تھا اس نے اس میں سے چند درہم چرائے جس پر ایک شاعر نے اس کی مذمت میں اشعار بھی کہے۔

دولابی کہتے ہیں اس کی روایات دیگر لوگوں کی طرح نہیں ہوتیں۔ یہ جب روایت بیان کرتا ہے تو اس کی تفصیل کچھ اس طرح پیش کرتا ہے کہ جیسے یہ حضور کی اونٹنی کی لگام تھامے ساتھ موجود رہا ہو۔

فلاس کہتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید اس سے روایت نہ لیتے۔ شعبہ نے بھی اس کی روایت ترک کر دی ہے عباد بن منصور کا بیان ہے کہ یہ میرے ساتھ حج کو گیا۔ اس نے میری تھیلی چرالی۔ گویا یہ آدمی چور تھا۔

ابن عدی لکھتے ہیں۔ شہر کی کوئی روایت حجت نہیں ہو سکتی اور نہ اس کی روایت کو دین سمجھ کر اختیار کیا جا سکتا ہے۔

میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۸۴۔

یعنی اس کہانی کا اگر راوی صرف شہر ہی ہوتا تب بھی یہ نا قابل قبول ہوتی۔ لیکن اس کی سند میں تو ابان جیسا خطرناک انسان موجود ہے۔ لہٰذا اب اس روایت کے منکر ہونے میں کیا شک وشبہ ہو سکتا ہے؟

یہودیوں کی جبریل علیہ السلام سے دشمنی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں یہودیوں کے مجمع میں کبھی کبھی چلا جایا کرتا تھا اور یہ دیکھتا رہتا تھا کہ کس طرح قرآن تورات اور تورات قرآن کی سچائی کی تصدیق کرتا ہے یہودی بھی مجھ سے محبت ظاہر کرنے لگے اور اکثر بات چیت ہوا کرتی تھی۔ ایک دن میں ان سے باتیں کر ہی رہا تھا تو راستے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اُنھوں نے مجھ سے کہا تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ جا رہے ہیں۔ میں نے کہا میں ان کے پاس جاتا ہوں لیکن تم یہ تو بتاؤ تمھیں اللہ وحدہ کی قسم اللہ جل شانہ برحق کو مدنظر رکھو اس کی نعمتوں کا خیال کرو۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب تم میں موجود ہے رب کی قسم کھا کر بتاؤ کیا تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول نہیں مانتے؟ اب سب خاموش ہو گئے ان کے بڑے عالم نے جو ان سب میں علم میں بھی کامل تھا اور سب کا سردار بھی تھا اس نے کہا اس شخص نے اتنی سخت قسم دی ہے تم صاف اور سچا جواب کیوں نہیں دیتے؟ اُنھوں نے کہا حضرت آپ ہی ہمارے بڑے ہیں ذرا آپ ہی جواب دیجیے۔ اس بڑے پادری نے کہا سنیے، جناب! آپ نے زبردست قسم دی ہے لہٰذا سچ تو یہی

ہے کہ ہم دل سے جانتے ہیں کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

میں نے کہا افسوس جب یہ جانتے ہو تو پھر مانتے کیوں نہیں کہا صرف اس وجہ سے کہ ان کے پاس آسمانی وحی لے کر آنے والے جبرئیل علیہ السلام ہیں جو نہایت سختی، تنگی، شدت، عذاب اور تکلیف کے فرشتے ہیں ہم ان کے اور وہ ہمارے دشمن ہیں اگر وحی لے کر حضرت میکائیل علیہ السلام آتے جو رحمت ورافت تخفیف وراحت والے فرشتے ہیں تو ہمیں ماننے میں تامل نہ ہوتا۔ میں نے کہا اچھا بتاؤ تو ان دونوں کی اللہ کے نزدیک کیا قدر ومنزل ہے؟ انھوں نے کہا ایک تو جناب باری کے داہنے بازو کی طرف ہے اور دوسرا دوسری طرف میں نے کہا اللہ کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں جو ان میں سے کسی کا دشمن ہو۔ اللہ کا بھی دشمن ہے اور دوسرا فرشتہ بھی کیونکہ جبرئیل کے دشمن سے میکائیل دوستی نہیں رکھ سکتے اور میکائیل کا دشمن جبرئیل کا دوست نہیں ہو سکتا۔ نہ ان میں سے کسی ایک کا دشمن اللہ تبارک وتعالیٰ کا دوست ہو سکتا ہے نہ ان دونوں میں سے کوئی ایک باری تعالیٰ کی اجازت کے بغیر زمین پر آ سکتا ہے نہ کوئی کام کر سکتا ہے۔ واللہ مجھے نہ تم سے لالچ ہے نہ خوف ہے۔ سنو جو شخص اللہ تعالیٰ کا دشمن ہو اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں اور جبرئیل ومیکائیل کا دشمن ہو تو اس کافر کا اللہ وحدہ لاشریک بھی دشمن ہے اتنا کہہ کر میں چلا آیا۔

حضور ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا اے ابن خطاب مجھ پر تازہ وحی نازل ہوئی ہے میں نے کہا حضور سنایئے۔ آپ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ میں نے کہا حضور ﷺ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں یہی باتیں ابھی ابھی یہودیوں سے میری ہو رہی تھیں۔ میں تو چاہتا ہی تھا بلکہ اسی لیے حاضر خدمت ہوا تھا کہ آپ کو اطلاع کروں مگر میرے آنے سے پہلے لطیف وخبیر سننے دیکھنے والے اللہ نے آپ کو خبر پہنچا دی ملاحظہ ہو ابن ابی حاتم وغیرہ۔[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورۃ بقرۃ آیت (۹۸) اس کی دو سندیں ہیں دونوں شعبی تک جاتی ہیں جبکہ شعبی نے سیدنا عمر کا زمانہ نہیں پایا۔ اس لیے یہ منقطع روایت ہے۔ تفسیر الطبری (۱۶۱۱)

قصہ اس ٹیڑھی کھجور کا جس کی شاخیں مسکینوں کے گھر میں لٹکتی تھیں

عوامی اور قصہ گو خطباء کے ہاں یہ واقعہ بڑا مشہور ہے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں ابن ابی حاتم کی ایک بہت ہی غریب حدیث میں اس پوری سورت کا شان نزول یہ لکھا ہے کہ ایک شخص کا کھجوروں کا باغ تھا، باغ والا جب اس درخت کی کھجوریں اتارنے آتا تو اس مسکین کے گھر میں جا کر وہاں کھجوریں اتارتا اس میں جو کھجوریں نیچے گرتیں انھیں اس غریب شخص کے بچے چن لیتے تو یہ آکر ان سے چھین لیتا بلکہ اگر کسی بچے نے منہ میں ڈال لی ہے تو انگلی ڈال کر اس کے منہ سے نکلوا لیتا، اس مسکین نے اس کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی آپ نے اس سے فرمایا کہ اچھا تم جاؤ اور آپ اس باغ والے سے ملے اور فرمایا کہ تو اپنا وہ درخت جس کی شاخیں فلاں مسکین کے گھر میں ہیں، مجھے دے دے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تجھے جنت کا ایک درخت دے گا کہنے لگا اچھا حضرت میں نے دیا مگر مجھے اس کی کھجوریں بہت اچھی لگتی ہیں میرے تمام باغ میں ایسی کھجوریں کسی اور درخت کی نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموشی کے ساتھ واپس تشریف لے گئے۔ ایک شخص جو یہ بات چیت سن رہا تھا وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا حضرت! اگر یہ درخت میرا ہو جائے اور میں آپ کا کر دوں تو کیا مجھے اس کے بدلے جنتی درخت مل سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، یہ شخص اس باغ والے کے پاس آئے ان کا بھی ایک باغ کھجوروں کا تھا یہ پہلا شخص ان سے وہ ذکر کرنے لگا کہ حضرت مجھے فلاں درخت کھجور کے بدلے جنت کا ایک درخت کہہ رہے تھے میں نے یہ جواب دیا یہ سن کر خاموش ہو رہے، پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ کیا تم اسے بیچنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا نہیں؟ ہاں یہ اور بات ہے کہ جو قیمت اس کی مانگوں وہ کوئی مجھے دے دے، لیکن کون دے سکتا ہے؟ پوچھا کیا قیمت لینا چاہتے ہو؟ اس نے کہا نہیں؟ ہاں یہ اور بات ہے کہ جو قیمت اس کی مانگوں وہ کوئی مجھے دے دے، لیکن کون دے سکتا ہے؟ پوچھا کیا قیمت لینا چاہتے ہو؟ کہا چالیس درخت کھجوروں کے۔ اس نے کہا یہ تو بڑی زبردست قیمت لگا رہے ہو

ایک کے چالیس پھر اور باتوں میں لگ گئے، پھر کہنے لگے اچھا میں اسے اتنے میں ہی خریدتا ہوں اس نے کہا اچھا اگر سچ مچ خریدنا ہے تو گواہ کرلو، اس نے چند لوگوں کو بلا لیا اور معاملہ طے ہوگیا گواہ مقرر ہو گئے، پھر اسے کچھ سوجھی تو کہنے لگے کہ دیکھیے صاحب جب تک ہم تم الگ نہیں ہوئے یہ معاملہ طے نہیں ہوا اس نے بھی ایسا کہا بہت اچھا میں ایسا احمق ہوں کہ تیرے درخت کے بدلے جو خم کھایا ہے اپنے چالیس درخت دے دوں تو یہ کہنے لگا اچھا اچھا مجھے منظور ہے لیکن درخت جو میں لوں گا وہ تنے والے عمدہ لوں گا اس نے کہا اچھا منظور چنانچہ گواہوں کے روبرو یہ سودا طے ہوا اور مجلس برخاست ہوئی۔ یہ شخص خوشی خوشی رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ اب وہ درخت میرا ہوگیا اور میں نے اسے آپ کو دے دیا۔ رسول اللہ ﷺ اس مسکین کے پاس گئے اور فرمانے لگے یہ درخت تمھارا ہے اور تمھارے بچوں کا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ [۴]

---

[۴] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر سورۃ اللیل پارہ ۳۰۔ الدر المنثور (۶/۶۲) الواحدی فی اسباب النزول (۸۵۲) اس میں حفص بن عمر العدنی راوی ضعیف ہے۔ نیز یہ سورت مکی ہے اور واقعہ کا سیاق وسباق مدنی ہے۔

اگر ابو عبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے تو میں انھیں خلیفہ مقرر کر دیتا

فرمان عمر رضی اللہ عنہ

ثابت بن الحجاج کہتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (جبکہ وہ شدید زخمی تھے) کہا اگر آج ابو عبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کر دیتا۔ [۱]

---

[۱] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ مستدرک حاکم (۳/۲۶۸) حدیث رقم (۵۱۶۵)، کنز العمال (۱۳/۲۱۶) اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

جنگ بدر میں ابو عبیدہ نے اپنے والد کو قتل کر دیا اللہ نے قرآن نازل کر دیا

مشہور واقعہ ہے کہ جنگ بدر میں ابو عبیدہ بن الجراح کے والد کفر کی حمایت میں مسلمانوں کے مقابلے پر آئے تو ابو عبیدہ بن الجراح نے ان کو قتل کر دیا، اللہ تعالیٰ نے ابو عبیدہ کے بارے میں قرآن کی یہ آیت نازل فرمائی۔ ﴿لَا تَجِدُ قوماً یومنون باللّٰہ والیوم الآخر ...... الخ﴾ سورہ مجادلہ، آیت: (۲۲)[1]

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ مستدرك حاكم (۳/۲٦٥) رقم الحديث (٥١٥٢) تلخيص الحبير (١٠٢/٤) حديث (١٨٥٩) اس کی سند مرسل (ضعیف) ہے۔

اہل کتاب کے ایک عالم کے پاس نبی کریم ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصویر

بیہقی کہتے ہیں ہمیں خبر دی شیخ ابو الفتح رحمہ اللہ نے اپنی اصل کتاب سے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کو حدیث بیان کی عبدالرحمٰن بن ابو شریح ہروی نے، ان کو یحییٰ بن محمد بن صاعد نے، ان کو عبداللہ بن شبیب نے، ان کو ابو سعید ربعی نے، ان کو محمد بن عمر بن سعید بن محمد بن جبیر بن مطعم نے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے حدیث بیان کی ام عثمان بنت سعید بن محمد بن جبیر بن مطعم نے اپنے والد سعید بن محمد بن جبیر سے، اس نے اپنے والد سے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا اپنے والد جبیر بن مطعم سے، وہ کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے جب اپنے نبی کو بھیجا اور اس کا معاملہ مکے میں ظاہر ہو گیا میں شام کی طرف گیا۔ جب میں مقام بصری میں پہنچا تو میرے پاس انصار کی ایک جماعت آئی انھوں نے مجھ

سے کہا کیا آپ ارض حرم سے آئے ہو؟ میں نے بتایا کہ جی ہاں۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ کیا آپ پہچانتے ہو اس شخص کو جس نے تم لوگوں میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ میں نے بتایا جی ہاں۔ کہتے ہیں کہ اُنھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اپنے عبادت خانے میں لے گئے۔ اس میں مورتیاں اور بت رکھے ہوئے تھے یا تصویریں اور شکلیں بنی ہوئی تھیں۔ اُنھوں نے مجھ سے کہا تم دیکھو کیا تم دیکھتے ہو اس نبی کی شبیہ اور شکل جو تمھارے اندر بھیجا گیا ہے؟ میں نے ان سب میں نظر ماری مگر مجھے حضور ﷺ کی شکل اور شبیہ نظر نہ آئی۔ میں نے بتایا کہ میں اس نبی کی شکل اور اس کی صورت نہیں دیکھ رہا ہوں۔

اس کے بعد وہ مجھے اس سے بہت بڑے معبد خانے میں لے گئے۔ دیکھتا کیا ہوں کہ اس میں پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ شبیہیں اور تصویریں موجود ہیں۔ اب اُنھوں نے مجھ سے پوچھا کہ اب آپ دیکھیے، کیا آپ اس نبی کی صورت یہاں دیکھتے ہیں؟ میں نے نظر ماری تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں پر حضور ﷺ کی صورت اور آپ ﷺ کی صفت کے مطابق شبیہ موجود ہے۔ پھر میں نے دیکھا وہاں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شبیہ اور صورت بھی موجود ہے اور (اس تصویر میں) ابوبکر رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ کی ایڑی کو پکڑے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم نے اس نبی کی صورت اس کی صفت پر دیکھی؟ میں نے ان کو بتایا جی ہاں۔ اُنھوں نے پوچھا کہ کیا وہ یہ ہیں؟ اور اُنھوں نے رسول ﷺ کی صفت اور آپ ﷺ کے مشابہ صورت کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ میں نے ان کو بتایا اے اللہ! ہاں یہی ہیں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ یہ وہی ہیں۔ پھر اُنھوں نے مجھ سے پوچھا کیا آپ اس شخص کو پہچانتے ہیں جو ان کی ایڑی کو پکڑے ہوئے ہیں؟ میں نے بتایا کہ جی ہاں پہچانتا ہوں۔ ان لوگوں نے کہا ہم سب گواہی دیتے ہیں کہ یہی تم لوگوں کا نبی ہے اور یہ دوسرا (ایڑی پکڑنے والا) اس کے بعد اس کا جانشین ہے۔

بخاری نے اس کو روایت کیا ہے تاریخ میں محمد سے جو غیر منسوب ہے، اس نے محمد بن عمر سے۔ یہ اسی اسناد کے ساتھ ہے۔[1]

---

[1] اسنادہ منکر۔ اس کی سند منکر ہے۔ اخرجہ الطبرانی فی الکبیر (۱۵۳۷) والاوسط (۸۲۲۷) مجمع

الزوائد (۸/۲۳۳، ۲۳۴) ہیثمی کہتے ہیں اس میں مجہول راوی ہیں۔ التاریخ الکبیر للبخاری ۱/۱۷۹۔ دلائل النبوۃ للبیہقی۔

ملک شام میں نبی ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی تصاویر

حضرت جبیر بن مطعم سے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں تجارت کی غرض سے ملک شام کی طرف گیا اور میں وہاں پر اہل کتاب کے ایک شخص سے ملا۔ اس نے پوچھا کہ کیا تمھارے یہاں کوئی ایسا آدمی ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ یا نبی بن گیا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ چنانچہ اہل کتاب کا ایک آدمی آیا اس نے پوچھا کہ تم لوگ کس کام سے آئے ہو؟ اس پہلے والے نے اس کو بتایا (کہ یہ اس نبی کے شہر سے آیا ہے جس نے نبوت کا حال ہی میں ارض حرم میں دعویٰ کیا ہے۔) لہٰذا اُس نے مجھے ایک گھر میں داخل کیا جو اسی کا تھا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ اس میں بہت سی تصویریں اور شبیہیں رکھی ہوئی ہیں۔ میں نے ان میں نبی کریم ﷺ کی شبیہ بھی دیکھی۔ اس شخص نے پوچھا کیا وہ شخص (جو تمھارے ہاں نبی بنا ہے) وہ یہی ہے؟ میں نے بتایا کہ جی ہاں یہی ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ نہیں ہوا کوئی نبی (جو نبی بن کر آیا) مگر اس کے بعد بھی کوئی نہ کوئی نبی ہوتا تھا سوائے اس نبی (محمد ﷺ) کے (یعنی اس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا بلکہ اس کے بعد اس کے خلفاء ہوں گے۔)

ایہم غسان کو دعوت اسلام:

ہمیں اس کی خبر دی ابوبکر فارسی نے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی ابو اسحاق اصفہانی نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حدیث بیان کی ابو احمد بن فارس نے، ان کو حدیث بیان کی محمد بن اسماعیل بخاری نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حدیث بیان کی محمد نے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے حدیث بیان کی محمد بن عمر نے۔ اس نے مذکورہ حدیث ذکر کی۔

اور میری کتاب میں ہے ہمارے شیخ ابو عبداللہ حافظ نے وہ اس میں سے ہے جو اس نے مجھے خبر دی بطور اجازت کے یہ کہ ابو محمد عبداللہ بن اسحاق بغوی نے ان کو خبر دی ہے، وہ کہتے ہیں کہ

ہمیں حدیث بیان کی ہے ابراہیم بن ہیثم بلدی نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حدیث بیان کی ہے عبدالعزیز بن مسلم بن ادریس نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حدیث بیان کی ہے عبداللہ بن ادریس نے شرحبیل بن مسلم سے، اس نے ابوامامہ باہلی سے، اس نے ہشام بن عاص اموی سے۔ اُنھوں نے کہا میں بھیجا گیا اور قریش میں سے ایک آدمی بھی ہرقل روم کی طرف۔ اس کو اسلام کی دعوت دینے کی غرض سے۔ ہم لوگ روانہ ہوئے حتی کہ ہم مقام غوطہ یعنی دمشق میں جا پہنچے اور ہم جبلہ بن ایہم غسانی کے پاس اُترے (یعنی غسان کا بادشاہ)۔ اس کے دربار میں داخل ہوئے وہ اپنے تخت پر براجمان تھا۔ اس نے ہمارے پاس اپنا نمائندہ بھیجا تا کہ ہم اس کے ساتھ بات چیت کریں۔ ہم نے اس سے کہا کہ قسم بخدا ہم نمائندے سے بات نہیں کریں گے۔ ہم براہِ راست بادشاہ کی طرف بھیجے گئے ہیں اگر وہ ہمیں بات کرنے کی اجازت دیں گے تو ہم اس سے بات کریں گے ورنہ ہم قاصد سے بات نہیں کریں گے۔ وہ نمائندہ واپس گیا اس نے جا کر اس کو خبر دی اس بات کی۔ کہتے ہیں کہ اس نے ہم کو اجازت دے دی۔ ہم گئے تو اس نے کہا بات کیجیے۔

چنانچہ ہشام بن عاص نے اس سے بات کی اور اس کو اسلام کی دعوت دی۔ اس وقت اس نے سیاہ کپڑے زیب تن کر رکھے تھے۔ ہشام نے اس سے کہا کہ یہ کیا ہے آپ کے اُوپر؟ اس نے کہا کہ میں نے یہ کپڑے پہنے ہیں اور قسم کھائی تھی کہ میں ان کو نہیں اُتاروں گا۔ یہاں تک کہ تم لوگوں کو شام سے نکال دوں گا۔ ہم نے کہا آپ یہاں بیٹھے رہیے، اللہ کی قسم البتہ ہم ضرور تجھ سے یہ چھین لیں گے اور ہم ضرور اقتدا اور حکومت چھین لیں گے بڑے بادشاہ سے بھی ان شاء اللہ۔ ہمیں اس بات کی خبر ہمارے نبی نے دی ہے۔ اس نے کہا کہ تم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سارا سارا دن روزہ رکھتے ہیں، رات کو کھولتے ہیں۔ تمھارا روزہ کیسے ہوتا ہے؟ ہم نے جب اس کو بتایا تو اس کا چہرہ سیاہی سے بھر گیا۔ پھر اس نے کہا کہ تم لوگ اُٹھ جاؤ۔ اس نے ہمارے ساتھ ایک نمائندہ بھیجا۔ ہم لوگ روانہ ہوئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہرقل کے دربار میں:

جب ہم ہرقل روم کے شہر کے قریب پہنچے تو جو ہمارے ساتھ تھا اس نے کہا کہ تمھارے یہ

سواری کے جانور بادشاہ کے شہر میں داخل نہیں ہو سکتے۔ ہاں اگر تم لوگ چاہو تو ہم تمھیں خچر اور ٹٹو وغیرہ پر سوار کر لیتے ہیں۔ ہم نے کہا اللہ کی قسم ہم لوگ انھی سواریوں پر اس کے پاس جائیں گے۔ اُنھوں نے بادشاہ کی طرف پیغام بھیجا کہ یہ لوگ نہیں مان رہے۔ لہٰذا ہم لوگ اپنی اپنی سواریوں پر داخل ہوئے۔ ہم نے اپنی تلوار حمائل کر رکھی تھی۔ یہاں تک کہ ہم اس کے بالا خانے تک جا پہنچے۔ ہم نے اس کے مکان کے ساتھ اپنی سواریاں بٹھائیں اور بادشاہ ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔

ہم نے کہا: لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ اللّٰهُ اَكْبَرْ اللہ جانتا ہے کہ اس کا وہ کمرہ لرزنے لگا تھا۔ لرزتے لرزتے ایسا ہو گیا جیسے کھجور کی شاخ اور خوشہ ہلتا ہے جس کو ہوا تھپیڑیں مارتی ہے۔ اس نے ہمارے پاس بندہ بھیجا کہ تمھیں اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ تم لوگ ہم لوگوں پر اپنا دین کھلم کھلا بیان کرو اور ہمارے پاس پیغام بھیجا کہ اندر داخل ہو جاؤ۔ ہم اس کے پاس اندر گئے اور وہ اپنے بستر پر بیٹھا تھا اور اس کے پاس روم کے سردار بیٹھے تھے اور اس کی مجلس میں ہر چیز سرخ تھی۔ اس کے اردگرد سرخی تھی اور اس کے اوپر سرخ کپڑے تھے جونہی اس کے قریب ہوئے تو وہ ہنسنے لگا اور اس نے کہا کہ تمھارے لیے اجازت ہے کہ تم لوگ چاہو تو مجھے اس طرح سلام کرو جیسے تم لوگ آپس میں کرتے ہو۔ اس کے پاس ایک آدمی تھا جو فصیح عربی بولتا تھا، کثیر الکلام تھا۔ ہم نے کہا کہ بے شک ہمارا اسلام جو ہمارے مابین ہوتا ہے وہ تیرے لیے حلال نہیں ہے۔ رہا تیرا سلام جس کے ساتھ تجھے سلام کیا جاتا ہے وہ ہمارے لیے حلال نہیں ہے کہ تجھے اس طرح سلام کیا جائے۔ اس نے پوچھا کہ تم لوگ اپنے بادشاہ کو سلام کیسے کرتے ہو؟ ہم نے بتایا کہ ہم اس کو بھی یہی سلام کرتے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ وہ تمھیں کس طرح جواب دیتا ہے؟ ہم نے بتایا کہ وہ بھی ہمیں اسی طرح جواب دیتا ہے۔ اس نے پوچھا کہ تمھاری سب سے بڑا کلام بڑی بات کیا ہے؟ ہم نے بتایا لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ اللّٰهُ اَكْبَرْ ۔ ہم نے جب ان الفاظ کے ساتھ کلام کیا تو کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم پھر وہ کمرہ لرزنے لگا۔ یہاں تک کہ اس نے اس کی طرف سر اُٹھایا اور کہنے لگا یہ الفاظ جو تم نے کہے ہیں جس سے کمرہ ہلنے لگا ہے کیا تم لوگ جب بھی اپنے گھروں میں کہتے ہو تو تمھارے

گھر بھی اسی طرح کانپنے لگتے ہیں؟ ہم نے کہا کہ نہیں ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ ایسا ہوا ہو مگر یہاں دیکھ رہے ہیں تیرے پاس۔ وہ کہنے لگا میں چاہتا تھا کہ اگر یہ واقعہ ہر وقت ہوتا ہے کہ تم لوگ جب بھی کہتے ہو ہر شے تمھارے کہنے سے کانپتی ہے تو میں اپنا آدھا ملک خالی کر دوں، آدھے ملک سے نکل جاؤں۔ ہم نے کہا کیوں؟ اس نے کہا کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ ہمارے لیے آسان ہوتا اور ہمارے لیے زیادہ بہتر ہوتا یہ کہ نہ ہو امر نبوت سے اور یہ کہ وہ لوگوں کی تدبیروں میں سے۔

پھر اس نے ہم سے پوچھا اس کے بارے میں جو حضور ﷺ نے ارادہ کیا ہے، یعنی وہ کیا چاہتے ہیں؟ ہم نے اس کو خبر دی۔ پھر اس نے پوچھا کہ تمھاری نماز کیسے ہوتی ہے؟ اور تمھارا روزہ کیسے ہوتا ہے؟ ہم نے اس کو بتا دیا۔ اس نے کہا اچھا اب تم لوگ اُٹھ جاؤ۔ لہٰذا ہم لوگ اُٹھ گئے، اس نے ہمارے لیے اچھے گھر اور اچھی ضیافت کا انتظام کیا۔ ہم نے تین دن اس کے ہاں قیام کیا۔ اس نے ایک مرتبہ رات کے وقت ہمیں بلایا۔ ہم لوگ گئے۔ اس نے کہا کہ آپ لوگ اپنی بات میرے سامنے پھر دُہراؤ۔ ہم نے اپنی بات دہرائی۔ اس کے بعد اس نے کوئی چیز منگوائی جو کسی بہت بڑے صندوق کی صورت پر تھی اس پر سونے کا پانی چڑھایا گیا تھا۔ اس نے اندر چھوٹے چھوٹے گھریا خانے بنے ہوئے تھے ان پر دروازے لگے ہوئے تھے اس نے ایک خانہ اور تالا کھولا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تصویر:

اور اس نے ایک کالا ریشم کا کپڑا نکالا اور اس کو پھیلایا۔ یکایک اس میں ایک تصویر تھی جو کہ سرخ تھی اس تصویر پر ایک آدمی تھا جس کی دونوں آنکھیں موٹی موٹی تھیں، سرینیں بڑی تھیں، گردن اس قدر لمبی کہ میں نے ایسی کبھی نہ دیکھی تھی۔ جبکہ اس کی داڑھی نہیں تھی، بالوں کی دو چٹیا بنی ہوئی تھیں۔ اللہ نے جو مخلوق پیدا کی ہے اس میں حسین ترین شکل تھی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم اس کو پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا کہ نہیں۔ اس نے بتایا کہ یہ آدم علیہ السلام ہیں اور وہ سب لوگوں سے زیادہ بالوں والے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی تصویر:

اس کے بعد اس نے ہمارے لیے ایک اور دروازہ کھولا اور اس میں سے ایک سیاہ ریشمی کپڑا نکالا۔ اس میں بھی ایک تصویر تھی جس پر ایک سفید شخص بیٹھا ہوا تھا اس کے بال تھے گھونگھرالے بالوں کی طرح، اس کی آنکھیں سرخ تھیں، سر بڑا تھا، داڑھی خوبصورت تھی۔ اس نے پوچھا کہ اس کو تم پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا کہ نہیں۔ اس نے بتایا کہ یہ نوح علیہ السلام ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر:

اس کے بعد اس نے ایک اور دروازہ کھولا اور اس میں سے ایک سیاہ ریشم نکالا۔ اس میں ایک آدمی تھا جو انتہائی سفید رنگ والا، خوبصورت آنکھوں والا، کشادہ پیشانی والا، لمبے رخسار والا، سفید داڑھی والا۔ ایسے لگتا تھا جیسے ابھی مسکرا دے گا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کیا تم لوگ اس کو پہچانتے ہو؟ ہم نے بتایا کہ نہیں پہچانتے۔ اس نے بتایا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر:

اس کے بعد اس نے ایک دروازہ کھولا۔ اس میں بھی ایک صورت تھی جو کہ انتہائی سفید تھی۔ یہ تو اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اس نے پوچھا کیا تم لوگ ان کو پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا جی ہاں! یہ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم رو پڑے۔ کہتے ہیں کہ اللہ جانتا ہے کہ وہ (دکھانے والا) اُٹھ کھڑا ہوا۔ بعد میں بیٹھ گیا اور کہنے لگا اللہ کی قسم کیا یہ واقعی وہی ہیں؟ ہم نے کہا کہ جی ہاں یہ وہی ہیں۔ ایسے محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم انھی کو دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا وہ تھوڑی دیر تک اس صورت کو دیکھتا رہا پھر کہنے لگا بہر حال یہ آخری گھر یا آخری خانہ تھا مگر میں نے اس کو پہلے کھول دیا ہے تا کہ میں اس کو جلدی دیکھوں جو شخص تمھارے ہاں ہے۔

حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی تصویر:

اس کے بعد اس نے ایک اور خانہ کھولا اور اس میں سے ایک سیاہ ریشم نکالا۔ اس میں ایک صورت تھی گندم گوں، سیاہی مائل۔ یکا یک دیکھا تو ایک آدمی تھا انتہائی گھونگھرالے بالوں والا،

گہری آنکھوں والا، تیز نگاہوں والا، سخت چہرے والا، باہم جڑے ہوئے دانتوں والا، موٹے اوپر اُٹھے ہوئے ہونٹوں والا جیسے کہ سخت غصے میں ہے۔ (دکھانے والے) نے پوچھا کہ کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا کہ نہیں۔ اس نے بتایا یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

اور اس کے برابر پہلو میں ایک اور صورت تھی جو موسیٰ علیہ السلام کے مشابہ تھی مگر ان کے سر پر تیل لگا ہوا تھا۔ پیشانی چوڑی تھی، اس کی آنکھ میں بھینگا پن یا ایک طرف جھکاؤ تھا۔ اُنھوں نے بتایا کہ کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ ہم نے بتایا کہ نہیں۔ اس نے بتایا کہ یہ ہارون بن عمران ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کی تصویر:

اس کے بعد اس نے ایک اور دروازہ کھولا۔ اس میں ایک سفید ریشم نکلوایا۔ اس میں ایک آدمی کی صورت تھی جس کا گندمی رنگ تھا۔ بال سیدھے تھے۔ میانہ قد تھا۔ دیکھنے میں ایسا لگتا تھا جیسے وہ غصے میں بیٹھا ہے۔ اُنھوں نے پوچھا کہ اس کو جانتے ہو؟ ہم نے بتایا کہ نہیں۔ اس نے کہا کہ یہ لوط علیہ السلام ہیں۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام کی تصویر:

اس کے بعد اس نے ایک اور دروازہ کھولا اس میں سے ایک سفید ریشمی کپڑا نکلوایا۔ اس میں ایک صورت تھی جو کہ ایک سفید رنگ کا آدمی تھا اس کے رنگ میں سرخی کی آمیزش تھی، ناک کی ہڈی اونچی تھی، رخسار ہلکے تھے بھرے ہوئے نہیں تھے، چہرہ خوبصورت تھا۔ اُنھوں نے پوچھا کہ اس کو پہچانتے ہو؟ ہم نے بتایا کہ نہیں۔ اس نے کہا کہ یہ اسحٰق علیہ السلام ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی تصویر:

اس کے بعد اس نے ایک اور دروازہ کھولا اس میں سے ایک سفید ریشم کا کپڑا نکالا۔ اس میں ایک صورت تھی جو کہ اسحٰق علیہ السلام سے مشابہ تھی مگر اس کے نیچے والے ہونٹ پر ایک تل تھا۔ اُنھوں نے پوچھا کہ اس کو پہچانتے ہو؟ ہم نے بتایا کہ نہیں۔ اس نے کہا کہ یہ یعقوب علیہ السلام ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تصویر:

اس کے بعد اس نے ایک اور دروازہ کھولا اور اس میں سے ایک سیاہ ریشم نکالا۔ اس میں

ایک آدمی کی صورت تھی جو سفید رنگ خوبصورت چہرے والا آدمی تھا، ناک کی ہڈی اُونچی تھی، خوبصورت قامت تھی۔ اس کے چہرے پر نور غالب تھا مگر چہرے میں عاجزی پہچانی جارہی تھی۔ یہ بھی سرخی مائل تھے۔ اُنھوں نے پوچھا کہ اس کو پہچانتے ہو؟ ہم نے بتایا کہ نہیں۔ اس نے کہا کہ یہ اسماعیل علیہ السلام ہیں، تمھارے نبی کے دادا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی تصویر:

اس کے بعد اس نے ایک اور دروازہ کھولا اس میں سے ایک سفید ریشم نکالا۔ اس میں ایک صورت تھی آدم علیہ السلام جیسی۔ ایسے لگتا تھا جیسے اس کے چہرے پر سورج رواں دواں ہے۔ اُنھوں نے پوچھا کہ اس کو جانتے ہو؟ ہم نے منع کیا تو اس نے بتایا کہ یہ یوسف علیہ السلام ہیں۔

حضرت داوٗد علیہ السلام کی تصویر:

اس کے بعد ایک اور دروازہ کھولا اس میں سے ایک سفید ریشم نکالا اس میں ایک آدمی کی صورت تھی جو کہ سرخ رنگ والا تھا، پنڈلیاں پتلی تھیں، آنکھیں چھوٹی تھیں، پیٹ بڑا تھا، میانہ قد تھا۔ جسم پر تلوار لٹکائی ہوئی تھی۔ اُنھوں نے پوچھا کہ اس کو جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں۔ اُنھوں نے بتایا کہ یہ داوٗد علیہ السلام ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی تصویر:

اس کے بعد ایک اور دروازہ کھولا، اس میں سے ایک سفید ریشم نکالا۔ اس میں ایک آدمی کی شبیہ تھی۔ اس کی سرین موٹی تھی، پیر لمبے تھے۔ یہ آدمی گھوڑے پر سوار تھا۔ اُنھوں نے پوچھا، اس کو پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا کہ نہیں۔ اُنھوں نے بتایا کہ یہ سلیمان بن داوٗد علیہ السلام ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ:

اس کے بعد اس نے اور دروازہ کھولا اور اس میں سے ایک سیاہ ریشم نکالا۔ اس میں ایک سفید شبیہ تھی، وہ ایک نوجوان آدمی تھا۔ داڑھی انتہائی شدید کالی تھی، بال زیادہ تھے۔ آنکھیں خوبصورت، چہرہ خوبصورت۔ اُنھوں نے پوچھا، اس کو جانتے ہو؟ ہم نے منع کیا تو اُنھوں نے

بتایا کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام ہیں۔

ہم نے پوچھا یہ تصویریں آپ کے پاس کہاں سے آئی ہیں۔ اس لیے کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ بالکل اسی کیفیت پر ہیں جس پر انبیاء علیہم السلام کی صورتیں اور شکلیں بنائی گئی تھیں۔ اس لیے کہ ہم نے دیکھ لیا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت وشکل بالکل انھیں کی مثل ہے؟ لہٰذا ہرقل ملک اعظم نے کہا کہ بے شک آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے درخواست کی تھی کہ ان کو اس کی اولاد میں سے انبیاء کرام علیہم السلام ان کو دکھا دیں۔ لہٰذا اللہ نے آدم علیہ السلام پر ان انبیاء علیہم السلام کی صورتیں اور شکلیں اُتاری تھیں۔ اور وہ آدم علیہ السلام کے خزانے میں محفوظ تھیں۔ سورج کے غروب ہونے کی جگہ کے قریب۔ غروب شمس کی جگہ سے ان کو ذوالقرنین بادشاہ نے نکال لیا تھا۔ اس نے ان کو حضرت دانیال علیہ السلام کے حوالے کر دیا تھا۔

اس کے بعد (ہرقل نے) کہا، سن لو اللہ کی قسم بے شک میرا دل تو خوش ہے میرے ملک سے نکلنے پر اور اگر میں عبد اور غلام ہوتا تو اس ملک کو نہ چھوڑتا، یہاں تک کہ میں مر جاتا۔ پھر اس نے ہمیں روانہ کیا اور ہمیں اچھے طریقے سے صلہ دیا اور ہمیں چھوڑ دیا۔

ہم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ اور ہم نے وہ سب کچھ بتایا جو ہم نے دیکھا تھا۔ اور جو کچھ اس نے ہم سے کہا تھا۔ اور اس نے جو کچھ ہمیں صلہ دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمانے لگے کہ وہ مسکین ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا تو وہ ضرور یہ کام کرتا (یعنی اسلام قبول کرتا)۔ اس کے بعد کہا، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ وہ لوگ (یعنی عیسائی) اور یہودی اپنے ہاں یعنی (توراۃ وانجیل میں) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت پاتے ہیں۔[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ تفسیر ابن کثیر سورۃ الاعراف آیت (۱۵۷) واخرجہ البیہقی فی دلائل النبوۃ (۱/۳۸۵، ۳۹۰) اس کا متن غریب بعض الفاظ میں نکارت اور اس میں عبدالعزیز بن مسلم راوی مجہول ہے۔ المغنی (۲/۳۹۹) میزان الاعتدال (۲/۳۶۷)

کشتیاں جلا دو طارق بن زیاد کا اندلس (سپین) پر حملہ کے موقع پر حکم

اکبر شاہ نجیب آبادی کہتے ہیں طارق بھی آبنائے وسط میں تھا اور ساحل اندلس تک پہنچا تھا کہ اس پر غنودگی طاری ہوئی اور اس نے خواب میں دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ اس سے فرماتے ہیں کہ تمھارے ہاتھ پر اندلس فتح ہو جائے گا۔ اس کے بعد فوراً طارق کی آنکھ کھل گئی اور اس کو اپنی فتح کا کامل یقین ہو گیا۔

اندلس کے ساحل پر طارق کا ایک عجیب حکم:

طارق اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اندلس کے ساحل پر اترا اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جن جہازوں میں سوار ہو کر آئے تھے، ان کو آگ لگا کر سمندر میں غرق کر دیا۔ طارق کی یہ حرکت بہت ہی عجیب معلوم ہوتی ہے لیکن اگر ذرا غور و تامل کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ طارق کی انتہائی بہادری اور قابلیت سپہ سالاری کی ایک زبردست دلیل ہے۔ طارق اس بات سے واقف تھا کہ یہ مٹھی بھر فوج ایک عظیم الشان سلطنت کی افواج گراں کے مقابلہ میں بے حقیقت نظر آئے گی۔ ممکن ہے کہ بربری نو مسلموں کو گھر یاد آنے لگے اور ماتحت فوجی افسر اس بات پر زور دینے لگیں کہ جب تک بڑی اور زبردست فوجیں نہ آئیں، اس وقت تک لڑائی کا چھیڑنا مناسب نہیں، اور بہتر یہی ہے کہ طنجہ کو واپس چلیں۔ ایسی حالت میں یہ پہلی مہم ناکام رہے گی اور طارق کے خواب کی تعبیر مشتبہ ہو جائے گی۔ طارق کو اپنے خواب پر ایسا کامل یقین تھا کہ وہ اندلس کو اسی فوج سے فتح کر لینا یقینی سمجھتا تھا۔ اس نے جہازوں کو غرق کر کے اپنے ہمراہیوں کو بتا دیا کہ واپس جانے کا اب کوئی راستہ نہیں۔ ہمارے پیچھے سمندر ہے اور آگے دشمن کا ملک ہے۔ سوائے اس کے اور کوئی صورت نجات کی باقی نہ رہی کہ ہم دشمن کے ملک پر قبضہ کرتے اور اس کی فوجوں کو پیچھے دھکیلتے چلے جائیں۔ اس کام میں ہم جس قدر زیادہ چستی، ہمت اور جفاکشی سے کام لیں گے، ہمارے لیے

بہتر ہوگا۔ سستی، پست ہمتی اور تن آسانی کا نتیجہ ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔[1]

[1] طارق بن زیاد کا کشتیاں جلانے والا سارا قصہ جعلی اور من گھڑت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ صدیق اکبر ہیں علی رضی اللہ عنہ نے دوسرے لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی

عباد بن عبداللہ کا بیان ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی ہوں اور میں صدیق اکبر ہوں اور میرے بعد جو صدیق اکبر ہونے کا دعویٰ کرے گا وہ انتہائی جھوٹا ہے اور میں نے دوسرے لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی ہے۔[1]

[1] اسنادہ باطل۔ اس کی سند باطل ہے۔ سنن ابن ماجه، کتاب السنة، باب فضل علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب حدیث رقم (١٢٠) شیخ البانی نے اس کو عباد بن عبداللہ کی وجہ سے باطل قرار دیا ہے۔ مستدرك لحاکم (١١٢/٣ ۔ حدیث رقم (٤٥٨٤) ذہبی کہتے ہیں عباد کو ابن المدینی نے ضعیف کہا ہے۔ کنز العمال (١٢٢/١٣) تلخیص الجبیر (١٣٢/٣) بعض محققین نے اس کو شدید ضعیف کہا ہے، جبکہ ابن جوزی نے اس کو من گھڑت کہا ہے۔

محمد بن اسماعیل:

اس کا پہلا راوی محمد بن اسماعیل الرازی ہے۔ ذہبی کہتے ہیں اس کی حدیث باطل ہے۔ خطیب کہتے ہیں یہ ثقہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ روایت وضع کرتا ہے۔ خطیب نے اس کی متعدد روایات نقل کی ہیں جو اس نے وضع کی ہیں۔ میزان ج ٣ ص ٤٨٥۔

عبیداللہ بن موسیٰ العبسی الکوفی:

اس کا دوسرا راوی عبیداللہ بن موسیٰ ہے۔ جسے اگرچہ ابو حاتم اور یحییٰ بن معین وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔ لیکن ابوداؤد فرماتے ہیں یہ تو آگ لگانے والا شیعہ ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں یہ احادیث میں خلط ملط کرتا ہے اور بہت بری روایات بیان کرتا ہے۔ بلکہ ان کا موجد بھی وہ خود ہی ہے۔ میں نے اسے مکہ میں دیکھا تھا لیکن میں نے اس سے روایت لینا پسند نہیں کیا۔ کسی نے امام احمد سے سوال کیا کہ کیا میں اس سے روایات لوں۔ امام احمد

نے منع فرمادیا۔ اس سے بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت لی ہیں۔ میزان ج ۳ ص ۱۶ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ یہ ثقہ ہے شیعہ ہے۔ ۲۱۳ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ تقریب ص ۲۲۷۔

علاء بن صالح التمیمی الکوفی:

اس کا تیسرا راوی علاء بن صالح ہے۔ اسے اگرچہ ابوداؤد اور یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا ہے۔ ابو حاتم اور ابوزرعہ کہتے ہیں اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن علی بن المدینی کا بیان ہے یہ منکر احادیث روایت کرتا ہے جس کی مثال خود یہ روایت ہے۔ میزان ج ۴ ص ۱۹۲۔

عباد بن عبداللہ الاسدی الکوفی:

یہ اس روایت کی سند کا آخری راوی ہے بخاری کہتے ہیں اس پر اعتراض ہے۔ ذہبی کہتے ہیں اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب یہ بہتان منسوب کیا ہے۔ ابن المدینی کہتے ہیں ضعیف الحدیث ہے۔ میزان ج ۲ ص ۳۶۸۔ یہ تو وہ تخیلات تھے جو ہم نے چودہ پندرہ سال قبل تحریر کیے تھے۔ اب آگے ابن الجوزی کا فیصلہ بھی سنیے۔ وہ فرماتے ہیں۔

یہ روایت موضوع ہے اور اس کا واضع عباد بن عبداللہ ہے۔ علی بن المدینی کا بیان ہے کہ وہ ضعیف الحدیث ہے۔ ازدی کا بیان ہے کہ یہ عباد ایسی روایات پیش کرتا ہے کہ جنھیں کوئی اور بیان نہیں کرتا۔ اثرم کا بیان ہے کہ میں نے ابوعبداللہ یعنی امام احمد بن حنبل سے اس روایت کے بارے میں دریافت کیا۔ اُنھوں نے فرمایا اس کی روایت پھینک دو یہ تو منکر ہے۔ الموضوعات ج ۱ ص ۳۴۱۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعلان نبوت فرمایا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وغیرہ اسلام لائے تو کہنے والے کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لانے ہیں یا پانچوں میں سب سے قبل وہ ایمان لائے۔ آخر جب وہ ایمان لائے تو ان کی عمر کیا تھی۔ کوئی کہتا ہے کہ پانچ سال۔ کوئی سات سال۔ کوئی نو اور زیادہ سے زیادہ تیرہ بیان کی جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر دعویٰ یہ کیا جارہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بعثت رسول بلکہ اپنی تخلیق سے قبل ہی نمازیں شروع فرمادی تھیں۔ کیونکہ جب وہ پانچ سال کی عمر میں ایمان لائے تو وہ اپنی تخلیق سے دو سال پہلے سے نماز پڑھتے آئے تھے۔ یہ مسئلہ علم ظاہر کی رو سے ہرگز سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اس کے لیے کسی ولی اور پیر کو تلاش کرنا ہوگا تاکہ وہ باطنی علوم کے ذریعہ ہماری برین واشنگ کرسکے۔

علامہ عبدالرشید نعمانی صاحب مدیر "البینات" مدرسہ نیوٹاؤن کراچی اپنی کتاب "ماتمس به الحاجه" میں رقم طراز ہیں۔

ابن ماجہ کی دوسری موضوع حدیث وہ روایت ہے جو ابن ماجہ نے فضل علی میں منہال عن عباد بن عبداللہ کے ذریعہ نقل کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی ہوں اور میں ہی

صدیق اکبر ہوں۔ میرے بعد جو خود کو صدیق اکبر کہے وہ جھوٹا ہے۔ میں نے لوگوں سے سات سال قبل نماز پڑھی ہے۔

ابن الجوزی کہتے ہیں یہ موضوع ہے۔اس میں آفت عباد ہے اور منہال کو شعبہ نے ترک کیا ہے۔ ذہبی میزان میں عباد کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ اس عباد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جھوٹ بولا ہے۔

سیوطی نے ''تعصاب علی الموضوعات'' میں تحریر کیا ہے۔ یہ روایت نسائی نے خصائص میں اور حاکم نے مستدرک میں نقل کی ہے اور حاکم کہتے ہیں یہ بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے۔لیکن ذہبی نے حاکم پر اعتراض کیا کہ عباد ضعیف ہے۔

علامہ نعمانی لکھتے ہیں بلکہ ذہبی نے ''تلخیص'' میں واضح طور پر یہ بات لکھی ہے۔

کہ حاکم نے جو یہ کہا ہے کہ یہ روایت بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے یہ تو ان میں سے ایک کی شرط پر بھی پوری نہیں اترتی۔ بلکہ یہ تو صحیح بھی نہیں۔ یہ تو باطل ہے۔اس پر غور کر لینا چاہیے کیونکہ عباد کو ابن المدینی نے ضعیف کہا ہے۔ماتمس به الحاجة ص ۳۸۔

ایک پیچیدہ اور مشکل مقدمہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دانشمندانہ فیصلہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے مجھے یمن بھیجا، میں ایک ایسی قوم کے پاس پہنچا جنھوں نے شیر کو شکار کرنے کے لیے ایک گڑھا کھود کر اسے ڈھانپ رکھا تھا (شیر آیا اور اس میں گر پڑا)، ابھی وہ یہ کام کر رہے تھے کہ اچانک ایک آدمی اس گڑھے میں گر پڑا، اس کے پیچھے دوسرا، تیسرا حتی کہ چار آدمی گر پڑے، اس گڑھے میں موجود شیر نے ان سب کو زخمی کر دیا، یہ دیکھ کر ایک آدمی نے جلدی سے نیزہ پکڑا اور شیر کو دے مارا، شیر ہلاک ہو گیا اور وہ چاروں آدمی بھی اپنے اپنے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے دنیا سے چل بسے۔

مقتولین کے وارث اسلحہ نکال کر جنگ کے لیے ایک دوسرے کے مدمقابل آ گئے، اتنی دیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ آ پہنچے اور کہنے لگے کہ ابھی تو نبی علیہ السلام حیات ہیں، تم ان کی حیات میں باہمی قتل و قتال کرو گے؟ میں تمھارے درمیان فیصلہ کرتا ہوں، اگر تم اس پر راضی ہو گئے تو سمجھو کہ فیصلہ ہو گیا، اور اگر تم سمجھتے ہو کہ اس سے تمھاری تشفی نہیں ہوئی تو تم نبی علیہ السلام کے پاس جا کر اس کا فیصلہ

کروالینا، وہ تمھارے درمیان اس کا فیصلہ کر دیں گے، اس کے بعد جو حد سے تجاوز کرے گا وہ حق پر نہیں ہوگا۔

فیصلہ یہ ہے کہ جن قبیلوں کے لوگوں نے اس گڑھے کی کھدائی میں حصہ لیا ہے ان سے چوتھائی دیت، تہائی دیت، نصف دیت اور کامل دیت لے کر جمع کرواور جو شخص پہلے گر کر گڑھے میں شیر کے ہاتھوں زخمی ہوا، اس کے ورثاء کو چوتھائی دیت دے دو، دوسرے کو ایک تہائی اور تیسرے کو نصف دیت دے دو، ان لوگوں نے یہ فیصلہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ (کیونکہ ان کی سمجھ میں ہی نہیں آیا۔)

چنانچہ وہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت نبی علیہ السلام مقام ابراہیم کے پاس تھے، اُنھوں نے نبی علیہ السلام کو سارا قصہ سنایا، نبی علیہ السلام نے فرمایا میں تمھارے درمیان فیصلہ کرتا ہوں، یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گوٹ مار کر بیٹھ گئے، اتنی دیر میں ایک آدمی کہنے لگا یا رسول اللہ! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمارے درمیان یہ فیصلہ فرمایا تھا، نبی علیہ السلام نے اسی کو نافذ کر دیا۔[1]

[1] اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ مسند احمد (۱/۱۷۷) حدیث رقم (۵۷۳) علامہ شعیب الارناؤط نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اٹھارہ ذوالحجہ کو شہید ہوئے؟

مسند احمد میں روایت ہے ابو معشر کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اٹھارہ ذوالحجہ بروز جمعۃ المبارک ۳۵ھ میں ہوئی آپ کی مدت خلافت بارہ دن کم بارہ سال تھی۔[1]

[1] اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ مسند احمد (۱/۷۳) حدیث رقم (۵۴۵) اس میں ابو معشر راوی ضعیف ہے۔ صحیح روایت کے مطابق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ایام تشریق کے درمیان ہوئی اور یہ ۱۲ بارہ ذوالحجہ کی تاریخ بنتی ہے۔ روایت ہے کہ ابو عثمان کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ایام تشریق کے درمیان ہوئی۔ مسند احمد (۱/۷۴) حدیث رقم (۵۴٦) شعیب الارناؤط نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

سورۃ حاقہ کی آیات سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنے کا واقعہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں قبول اسلام سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کے ارادے سے نکلا لیکن پتہ چلا کہ وہ مجھ سے پہلے ہی مسجد میں جا چکے ہیں، میں جا کر ان کے پیچھے کھڑا ہو گیا، نبی علیہ السلام نے سورۂ حاقہ کی تلاوت شروع کر دی، مجھے نظم قرآن اور اس کے اسلوب سے تعجب ہونے لگا، میں نے اپنے دل میں سوچا واللہ! یہ شخص شاعر ہے جیسا کہ قریش کہتے ہیں، اتنی دیر میں نبی علیہ السلام اس آیت پر پہنچ گئے کہ "تو وہ ایک معزز قاصد کا قول ہے، کسی شاعر کی بات تھوڑی ہے لیکن تم ایمان بہت کم لاتے ہو۔"

یہ سن کر میں نے اپنے دل میں سوچا یہ تو کاہن ہے، ادھر نبی علیہ السلام نے یہ آیت تلاوت فرمائی" اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا کلام ہے، تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو، یہ تو رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اگر یہ پیغمبر ہماری طرف کسی بات کی جھوٹی نسبت کرے تو ہم اسے اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیں اور اس کی گردن توڑ ڈالیں اور تم میں سے کوئی ان کی طرف سے رکاوٹ نہ بن سکے" یہ آیات سن کر اسلام نے میرے دل میں اپنے پنجے مضبوطی سے گاڑنا شروع کر دیے۔[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف - اس کی سند ضعیف ہے۔ مسند احمد (۱۷/۱) حدیث رقم (۱۰۷) شعیب الارناؤط نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ مجمع الزوائد (۶۲/۹) حدیث رقم (۱٤٤۰۷) منقطع ہے اس لیے کہ شریح بن عبید نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے متعلق تیسرا واقعہ سینے پر ہاتھ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ

ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر تین مرتبہ دعا کی:

((اللهم اخرج ما في صدر عمر بن غلٍ و ابدله ايمانا))

''اے اللہ عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کے دل میں جو کچھ بھی بیماری ہے اس کو ایمان کی دولت سے بدل دے۔''[1]

---

[1] اسناده ضعيف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ مستدرك للحاكم (۳/۸۳) حديث رقم (٤٤٩٢) ذہبی کہتے ہیں کہ بخاری نے کہا اس میں خالد بن ابی بکر العمری کے پاس منکر روایات ہیں۔ مجمع الزوائد (۹/٦٥) حديث رقم (١٤٤١٧) رواه الطبراني في الاوسط رقم (١١٠٠) والكبير رقم (١٣١٩١) بعض کا کہنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے مندرجہ بالا دعا کی تو عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا، مگر ہمارے خیال میں روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قبول اسلام کی نیت وارادہ سے جب نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی ویسے بھی ذہبی نے اس روایت کو غیر صحیح کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

میں آپ کے لیے ایسی چکی بناؤں گا کہ مشرق ومغرب تک لوگ اس کا چرچا کریں گے (ابولؤلؤ)

ابن اثیر جزری نے اپنی کتاب اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں روایت نقل کی ہے کہ بہت سے لوگوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابولؤلؤ سے کہا تھا کہ میرے لیے ایک چکی بنا دے اور اس نے جواب دیا کہ بہت خوب میں آپ کے لیے ایسی چکی بنادوں گا کہ تمام شہروں میں اس کا چرچا ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی بات سے چونک اُٹھے اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ اس نے آپ کو قتل کی دھمکی دی ہے۔[1]

---

[1] اسناده ضعيف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ یہ قصہ باسند صحیح ثابت نہیں۔ ابن اثیر نے اس کو روی جیسے صیغہ مجہول سے بیان کیا ہے اور اس کی کوئی سند بیان نہیں کی۔ دیکھیں اسد الغابہ تذکرہ عمر بن خطاب۔

ابولؤلؤ فیروز مجوسی نہیں بلکہ عیسائی تھا

خطباء وعوام الناس میں مشہور ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قاتل ابولؤلؤ فیروز مجوسی تھا جبکہ یہ بات صحیح نہیں۔ درست بات یہ ہے کہ وہ عیسائی تھا روایت کے الفاظ ہیں۔

((وكان اسمعه فيروز وكان نصرانيًا))

"ابولؤلؤ کا نام فیروز تھا اور یہ عیسائی مذہب رکھتا تھا۔"[1]

[1] دیکھیں: مستدرك للحاكم (٣/٩١) حديث رقم (٢/٤٥) كنز العمال (٧/٦٩٨) الاحسان (١٥/٣٣٣) تلخيص الحبير (٤/٢٠) (١٦٩٢) نیز طبری کی روایت میں ہے کہ مغیرہ بن شعبہ اس سے دو درہم روزانہ ٹیکس لیتے تھے جبکہ طبری کی دو درہم والی روایت ضعیف ہے صحیح روایت کے مطابق حضرت مغیرہ بن شعبہ اس سے چار درہم یومیہ ٹیکس وصول کرتے تھے۔ دیکھیں مستدرک حوالہ سابقہ۔ و مجمع الزوائد (١/٧٦) حديث رقم (١٤٤٦٤) كتاب المناقب ـ و صحيح ابن حبان كتاب اخباره عن مناقب الصحابه حديث رقم (٦٩٠٥)

حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے مکان کا پرنالہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اُکھاڑ دیا عباس رضی اللہ عنہ نے مقدمہ دائر کر دیا

روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مکان مسجد سے متصل واقع تھا، اور اس کا پرنالہ مسجد میں گرتا تھا۔ بعض اوقات اس میں پانی آتا تو نمازیوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں مسجد کے احترام اور نمازیوں کے آرام کی خاطر اس پرنالے کو اکھڑ وا دیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ مالک مکان اتفاق سے اس وقت وہاں موجود نہ تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ گھر آئے تو یہ دیکھ کر بہت ناراض ہوئے اور فوراً مفتی شہر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس خلیفہ وقت پر دعویٰ دائر کر دیا۔ اس پر سید الانصار حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے دنیا کے سب سے بڑے حکمران کے نام فرمان جاری کر دیا، کہ آپ کے خلاف حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب

نے مقدمہ دائر کیا ہے، لہٰذا عدالت میں حاضر ہو کر مقدمے کی پیروی کریں۔

آج کل کا کوئی بادشاہ ہوتا تو اس طلبی کو اپنی سخت توہین سمجھتا، مگر عرب وعجم کا بادشاہ امیر المؤمنین نہایت سادگی سے تاریخ مقررہ پر حضرت ابی بن کعب کے مکان پر حاضر ہو گیا، اندر جانے کی اجازت بہت دیر کے بعد ملی۔ کیونکہ حضرت ابی بن کعب نہایت مصروف تھے، اتنی دیر حضرت امیر المؤمنین باہر کھڑے انتظار کرتے رہے، تھوڑی دیر بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے، مقدمہ پیش ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ وقت نے کچھ کہنا چاہا، مگر فاضل جج نے روک دیا اور فرمایا کہ مدعی کا حق ہے کہ وہ پہلے اپنا دعویٰ پیش کرے مہربانی فرما کر آپ خاموش رہیں، بات اصولی تھی، اس لیے امیر المؤمنین خاموش ہو گئے اور مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بیان دیا کہ جناب میرے مکان کا پرنالہ شروع سے ہی مسجد نبوی کی طرف تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی یہیں رہا اور خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی اسی جگہ رہا، مگر اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اکھاڑ کر پھینک دیا ہے، جس سے میرا نقصان ہوا ہے اور تکلیف بھی پہنچی ہے، لہٰذا مجھ سے انصاف کیا جائے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا، گھبرائیں نہ۔ آپ کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے امیر المؤمنین آپ صفائی میں کیا کہنا چاہتے ہیں کہ اب فرمائیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا پرنالہ میں نے اکھڑوایا ہے، اس لیے میں ہی اس کا ذمہ دار ہوں، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا آپ کو دوسرے کے مکان میں اس کی اجازت کے بغیر مداخلت کرنے کا کیا حق تھا، آپ نے ایسے کیوں کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، محترم قاضی صاحب، پرنالہ میں سے بعض اوقات پانی آتا تو چھینٹیں اُڑ کر نمازیوں کے کپڑوں پر جا پڑتیں اور کپڑے خراب ہو جاتے، اس لیے میں نے ان کی سہولت کی خاطر پرنالہ اکھڑوا دیا اور اس معاملہ میں جہاں تک میں سمجھتا ہوں کوئی برا کام نہیں کیا۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا فرمایے

آپ ان کے جواب میں کچھ کہنا چاہتے ہیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے خود اپنی مبارک چھڑی سے زمین پر نشان لگائے اور میں نے انھی نشانات پر اپنا مکان بنوایا، جب مکان بن چکا تو یہ پرنالہ آپ نے اپنے حکم سے اس جگہ رکھوایا۔ فرمایا کہ میرے کندھوں پر کھڑے ہو جاؤ اور پرنالہ یہاں لگا دو، میں نے ادباً انکار کیا، مگر آپ نے بہت اصرار فرمایا، چنانچہ آپ نیچے کھڑے ہو گئے اور میں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے آپ کے کندھوں پر چڑھ کر پرنالہ یہاں لگا دیا تھا، جہاں سے اب امیر المؤمنین نے اکھاڑ پھینکا ہے، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو کہا کیا آپ اس واقعہ کا کوئی گواہ پیش کر سکتے ہیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ایک دو نہیں بلکہ کئی گواہ پیش کیے جا سکتے ہیں، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا اچھا پھر پیش کیجیے، تاکہ ابھی فیصلہ کر دیا جائے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ باہر گئے اور چند انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ واپس آئے جنھوں نے شہادت دی کہ ہمارے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے کندھوں پر چڑھ کر پرنالہ نصب کرنے کا حکم دیا تھا، گواہی ختم ہوتے ہی دنیا کا ایک عظیم حکمران (جواب تک آنکھیں نیچے کیے سامنے کھڑا تھا) آگے بڑھا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا، اے ابوالفضل، (حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی کنیت تھی) اللہ کے لیے میرا قصور معاف کر دیجیے، مجھے ہرگز علم نہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ پرنالہ لگوایا تھا، ورنہ بھول کر بھی مجھ سے یہ فعل سرزد نہ ہوتا، بھلا میری کیا مجال تھی کہ آپ کے لگوائے ہوئے پرنالہ کو اکھڑواتا، یہ جو کچھ ہوا، لاعلمی سے ہوا اور اب اس کی تلافی اس طرح ہو سکتی ہے کہ آپ میرے کندھوں پر کھڑے ہو کر پرنالے کو اسی جگہ لگا دیں، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا یا امیر المؤمنین انصاف کا یہی تقاضا ہے، آپ کو اسی طرح ہی کرنا چاہیے، چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ قیصر و کسریٰ کو شکست دینے والا جرنیل نہایت مسکینی سے دیوار کے ساتھ کھڑا ہے، اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس کے کندھوں پر چڑھ کر پرنالہ نصب کر رہے ہیں۔[1]

[1] یہ واقعہ جعلی اور من گھڑت معلوم ہوتا ہے، کسی مستند کتاب سے صحیح سند سے نہیں مل سکا۔

اگر میں ساڑھے نو سو سال عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کروں تو بھی ختم نہ ہوں، جبریل علیہ السلام

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عمار رضی اللہ عنہ ابھی ابھی میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے تو میں نے کہا اے جبریل علیہ السلام مجھے بتاؤ کہ آسمانوں میں عمر کا کیا مقام ہے تو جبریل علیہ السلام نے جواب دیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں عمر کے فضائل اتنی دیر تک بیان کروں جتنی دیر نوح علیہ السلام اپنی قوم میں رہے۔ (یعنی ساڑھے نو سو سال) تو بھی عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل ختم نہ ہوں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت تو عمر رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ ہے۔[1]

[1] اسنادہ ضعیف جدا۔ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد (۹/۶۸) حدیث رقم (۱٤٤۳۲) ہیثمی کہتے ہیں اس کو ابو یعلیٰ اور طبرانی نے الکبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے۔ اس میں الولید بن الفضل العنزی سخت ضعیف راوی ہے۔ ابو یعلیٰ رقم (۱۶۰۳) والطبرانی فی الاوسط رقم (۱۵۹۳) تنزیہ الشریعۃ لابن عراق (۱/۳٤۶)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خواب اور قبول اسلام کا واقعہ

یزید بن رومان سے روایت ہے کہ عثمان بن عفان اور طلحہ بن عبید اللہ سیدنا زبیر بن عوام کے پیچھے پیچھے چلے یہاں تک کہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں پر سلام پیش کیا انھیں قرآن پڑھ کر سنایا حقوق اسلام سے آگاہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے بزرگی کا وعدہ کیا تو دونوں ایمان لے آئے اور تصدیق کی۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول میں حال ہی میں شام سے آیا ہوں ہم لوگ معان اور الزرقاء کے درمیان قریب قریب سوئے ہوئے تھے کہ ایک منادی ہمیں پکارنے لگا کہ اے سونے والو جلدی ہوا کی طرح چلو کیونکہ

احمد کا مکہ میں ظہور ہو چکا یہاں آئے تو ہم نے آپ کا اعلان نبوت سنا۔[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف جدا۔ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ طبقات ابن سعد حصہ سوم ص ۱۵۷۔ یہ قصہ صحیح نہیں اس میں محمد بن عمر الواقدی راوی کذاب و متروک ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی خالہ سعدی بنت کریز کا شادی کی خوشخبری دینا اور قبول اسلام پر آمادہ کرنا

عبدالعزیز زہری محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان اپنے والد اور دادا کی سند سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے قبول اسلام کا واقعہ ہمیں یوں بیان فرمایا ہے میں عورتوں کا دلدادہ شخص تھا چنانچہ ایک رات میں قریش کی ایک جماعت کے ساتھ کعبہ کے صحن میں بیٹھا ہوا تھا اچانک ہمیں آواز سنائی دی: محمد اپنی بیٹی کا نکاح عتبہ بن ابی لہب سے کرنا چاہتے ہیں رقیہ رضی اللہ عنہا بہت حسن و جمال والی عورت تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے حسرت ہوئی کہ میں عتبہ پر سبقت کیوں نہ لے جاؤں میں وہاں نہ بیٹھا اور فوراً اٹھ کر اپنے گھر کی طرف چل پڑا میں نے گھر پر اپنی خالہ سعدی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بیٹھی پائی سعدی بنت کریز اپنی قوم کو غیب کی خبریں سنایا کرتی تھی۔ جب اس نے مجھے دیکھا کہنے لگی:

بشر و حیت ثلاثاً تترى ثم ثلاثا وثلاثا اخرى

خوش ہو جا تجھے تین بار لگاتار خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے پھر سہ بار اور ایک اور سہ بار۔

ثم باخرى كي تتم عشرا اتاك خير و وقيت الشرا

پھر ایک بار اور تا کہ دس بار پوری ہو جائے تیرے پاس خیر و بھلائی پہنچی ہے اور شر سے محفوظ کیا ہے۔

انكحت والله حصانا زهرا وانت بكر ولقيت بكرا

بخدا تیرا نکاح ایک پاکدامن چاندی صورت سے کیا جائے گا تو بھی کنوارا ہے اور کنواری کو پائے گا۔

و فیتها بنت عظیم قدرا بنت امری بقد اشادذکرا

تم اسے قدر و منزلت کے اعتبار سے عظیم باپ کی بیٹی پاؤ گے ایک ایسے شخص کی بیٹی ہے جس کی شہرت کے تذکرے ہوں گے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے خالہ کے قول سے تعجب کیا اور کہا: اے خالہ کیا کہتی ہو وہ بولی: اے عثمان!

لك الجمال ولك اللسان هذا نبی معه البرهان

تمھارے لیے حسن و جمال اور زبان ہے یہ شخص نبی ہے اور اس کے پاس برھان ہے۔

ارسله بحقه الدیان وجاءه التنزیل والفرقان فاتبعیه لاتغتالك الاوثان

اللہ تعالیٰ نے انھیں برحق پیغمبر بنا کر بھیجا ہے ان کے پاس تنزیل و فرقان آئے ہیں لہٰذا تم ان کی اتباع کرو تجھے بت گمراہ نہ کرنے پائیں۔

میں نے کہا: اے خالہ! آپ ایسی چیز کا ذکر کر رہی ہیں جس کا چرچا ہمارے شہر میں چل پڑا ہے آپ اس کی وضاحت کریں وہ محمد بن عبداللہ ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہیں اللہ تعالیٰ کا قرآن لائیں گے اور اللہ کی طرف اس کی دعوت دیں گے، پھر بولی: اس کا چراغ ہمیشہ روشن رہے گا اس کا دین فلاح و کامیابی ہے اس کا معاملہ کامرانی ہے اسے غلبہ حاصل ہوگا گمراہ لوگ اس سے مغلوب ہوں گے چیخ و پکار فضول ہوگی اگرچہ گھمسان کی جنگیں ہی کیوں نہ ہوں تلواریں بے نیام ہی کیوں نہ ہوں جائیں نیزے کیوں نہ کھینچ لیے جائیں پھر خالہ اُٹھ کر چلی گئی۔ لیکن اس کا کلام میرے دل میں رچ بس گیا میں اس معاملہ میں سوچ و بچار کرنے لگا۔ دریں اثناء میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس اُٹھتا بیٹھتا تھا میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انھیں تنہائی میں پایا میں ان کے پاس بیٹھ گیا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے فکرمند دیکھا آپ نے فکرمندی کی وجہ پوچھی چونکہ ابوبکر دل میں دوسروں کا درد

رکھنے والے شخص تھے میں نے انھیں اپنی خالہ کا کلام سنا ڈالا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عثمان رضی اللہ عنہ تیری ہلاکت ہو بلاشبہ تو عقلمند آدمی ہے تمھارے اوپر حق باطل سے مخفی نہیں رہ سکتا یہ کیسے بت ہیں جن کی تمھاری قوم عبادت کرتی ہے کیا یہ گونگے پتھر نہیں جو نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں جو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم جی ہاں حقیقت میں یہ ایسے ہی ہیں ابوبکر بولے: اللہ کی قسم تمھاری خالہ نے سچ کہا ہے اللہ کی قسم! یہ اللہ تعالیٰ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ ہیں اللہ تعالیٰ نے انھیں مخلوق کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے کیا تم ان کے پاس جا سکتے ہو کہ ان کی بات سن لو میں نے حامی بھر لی، اللہ کی قسم! تھوڑی دیر بھی نہیں گزری تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ادھر سے گزرے علی رضی اللہ عنہ نے کپڑے اُٹھائے ہوئے تھے جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ کی طرف اُٹھے اور آپ کے کان میں سرگوشی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور بیٹھ گئے پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے عثمان رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی دعوت قبول کر لو اور جنت میں داخل ہو جاؤ بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں تیری طرف اور مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ اللہ کی قسم میں نے جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات سنی میں نے زرہ بھر ڈھیل نہیں کی اسلام قبول کر لیا اور کلمہ شہادت پڑھ لیا اس کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی۔ چنانچہ کہا جاتا تھا کہ سب سے اچھا جوڑا عثمان رضی اللہ عنہ اور رقیہ رضی اللہ عنہا کا ہے پھر دوسرے دن صبح کو ابوبکر رضی اللہ عنہ عثمان بن مظعون ابوعبیدہ بن جراح عبدالرحمٰن بن عوف ابوسلمہ بن عبدالاسد اور ارقم بن ابی ارقم کو لے آئے اور اُنھوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اڑتیس (۳۸) مرد جمع ہو گئے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے متعلق ان کی خالہ سعدی نے یہ اشعار کہے ہیں:

هدى الله عثمانًا بقول الى الهدى   و آر شده والله يهدى الى الحق

اللہ تعالیٰ نے عثمان کو ہدایت دی ہے اور ہدایت کی طرف اس کی رہنمائی کی ہے اللہ تعالیٰ حق کی رہنمائی کرتا ہے۔

فتابع بالرای السد بدمحمدا   وکان برای لایصد عن الصدق

اس نے استصواب رائے سے محمد کی اتباع کی جب کہ غلط رائے سچائی سے نہیں روک سکتی۔

وانکحه المبعوث بالحق بنته   فکانا کبدر مازج الشمس فی الافق

اس پیغمبر نے اپنی بیٹی کا نکاح کرادیا اور وہ زوجین کا جوڑا چاند جیسا ہے جو اُفق میں سورج کو ماند کردیتا ہے۔

فدء لك یا ابن الهاشمین مهجتی   وانت امین اللّٰه ارسلت کی الخلق

اے ہاشمیوں کے بیٹے! تجھ پر میری جان قربان جائے تو اللہ کا امین ہے تجھے مخلوق میں رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔[1]

---

[1] اسناده ضعیف جدا۔ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔تاریخ ابن کثیر جلد ۴ص ۲۰۱۔اس میں موجود راوی عبدالعزیز بن عمران الزہری کے متعلق بخاری کہتے ہیں اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔نسائی وغیرہ نے اسے متروک کہا ہے۔ دیکھیں:میزان الاعتدال ترجمه (۳۸۵۷) اس راوی کی مزید مرویات کے لیے دیکھیں:تهذیب الکمال (۸۳۵/۲،۸٤۱) تهذیب التهذیب (۳۵۰/٦) تقریب التهذیب (۵۱۱/۱) (۱۲٤۲) مجمع الزوائد (۱۲۰/۱، ۱۹۳) خلاصه تهذیب الکمال (۱٦٤/۲، ۱٦۸) الکاشف (۲۰۱/۲) تاریخ الکبیر للبخاری (۲۹/٦) الجرح والتعدیل (۱۸۱۷/۵) لسان المیزان (۲۹۸/۷) طبقات ابن سعد (٤۳٦/۵)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام پر اُن کے چچا کا جبر و تشدد

موسیٰ بن محمد بن ابراہیم بن حارث التیمی نے اپنے والد سے روایت کی کہ جب سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو اُنھیں ان کے چچا حکم بن ابی العاص بن اُمیہ نے گرفتار کرلیا۔ اُنھیں رسی سے باندھ دیا اور کہا کہ کیا تم نے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر نیا دین اختیار کرلیا ہے۔ واللہ میں تم کو کبھی نہ کھولوں گا یہاں تک کہ تم اس نئے دین کو چھوڑ دو، عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم میں اسے کبھی ترک نہ کروں گا، جب چچا حکم بن ابی العاص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دین اسلام

پر استقامت دیکھی تو انھیں چھوڑ دیا۔ ①

① اسنادہ ضعیف جدا۔ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ طبقات ابن سعد جلد سوم ص ۱۵۷ طبع نفیس اکیڈمی کراچی۔ اس میں واقدی کذاب اور متروک ہے اور موسیٰ بن محمد بن ابراہیم کے متعلق یحییٰ کہتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں۔ اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ بخاری کہتے ہیں عندہ مناکیر اس کے پاس منکر روایات ہیں۔ نسائی کہتے ہیں منکر الحدیث ہے۔ دار قطنی کہتے ہیں متروک ہے۔ دیکھیں: میزان الاعتدال ترجمہ (۴۹۸۳) جلد ۶ ص ۵۵۷۔

نبی ﷺ کے گھر چار دن کا فاقہ عثمان رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو اناج، آٹا، گندم اور کھجوروں کے ڈھیر لگا دیے

عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ محمد ﷺ کے گھر والوں نے چار دن تک کوئی چیز نہ کھائی حتیٰ کہ بچے چیخنے لگے چنانچہ نبی کریم ﷺ گھر والوں کے پاس تشریف لائے اور فرمایا میرے بعد تم نے کوئی چیز پائی ہے؟ میں نے عرض کیا: بھلا ہم کہاں سے پاتے اگر اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ پر کسی چیز کو نہ لاے چنانچہ آپ ﷺ نے وضو کیا اور حالت انقباض میں نکل گئے پھر کبھی ایک جگہ نماز پڑھی اور کبھی دوسری جگہ اور پھر دعا میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ دن کے آخری حصہ میں عثمان رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے اجازت طلب کی میں نے چاہا کہ معاملہ عثمان رضی اللہ عنہ سے پوشیدہ رکھوں لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ یہ مالدار مسلمانوں میں سے ہیں شاید اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر ہمارے لیے کوئی مال بھیجا ہو میں نے انھیں اجازت دی اندر آ کر فرمایا: اے اماں جان رسول اللہ ﷺ کہاں ہیں؟ میں نے کہا: اے بیٹا! محمد ﷺ کے گھر والوں نے چار دنوں سے کوئی چیز نہیں کھائی پھر میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے متعلق خبر دی عثمان رضی اللہ عنہ رونے لگے اور پھر فرمایا: اے ام المومنین! اس دنیا کا ناس ہو جب آپ پر یہ مصیبت نازل ہوئی ہے تو آپ نے مجھے عبدالرحمٰن بن عوف ثابت بن قیس اور ہم جیسے دوسرے مالدار مسلمانوں کو خبر کیوں نہیں کی۔

عثمان رضی اللہ عنہ گھر سے باہر نکل گئے اور ہمارے لیے آٹا، گندم اور کھجور کے بہت سارے تھیلے بھیجے۔ کھال اتری ہوئی ایک بکری بھی بھیجی، ایک تھیلی بھیجی جس میں تین سو درہم تھے پھر کہا کہ یہ سامان تمھیں جلدی میں بھیجا ہے جبکہ عثمان رضی اللہ عنہ خود روٹیاں اور بھونا ہوا بہت سا گوشت لے کر آئے اور کہا: یہ کھاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی رکھو پھر مجھے قسم دے کر کہا جب بھی ایسی حالت ہو مجھے ضرور خبر کرو تھوڑی دیر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: اے عائشہ! میرے بعد تم نے کوئی چیز پائی ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے علم تھا کہ جب آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے دیکھا کہ اتنا آٹا، گندم اور کھجوریں ایک تھیلی جس میں تین سو درہم روٹیاں اور بھونا ہوا گوشت فرمایا کس نے دیا ہے؟ میں نے عرض کیا: عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے میں نے انھیں خبر کی وہ رونے لگے پھر مجھے قسم دی کہ جب بھی ایسی حالت ہو میں انھیں ضرور خبر کروں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے نہیں اور فوراً مسجد کی طرف چل پڑے اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنے لگے یا اللہ میں عثمان رضی اللہ عنہ سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ تین بار یہ دعا فرمائی۔ [1]

[1] اسنادہ ضعیف جدا۔ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ اس کو ابونعیم نے فضائل الصحابہ ابن عساکر اور ابن قدامہ نے کتاب البکاء والرقۃ وغیرہ میں نقل کیا۔ الشریعۃ ۳۹۱/۳۹۲۔

اُم المؤمنین اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے باغیوں کی بدسلوکی

حضرت اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا اپنے خچر پر سوار ہو کر پانی کا ایک مشکیزہ لے کر آئیں تو لوگوں نے کہا اُم المؤمنین ہیں، ان لوگوں نے ان کے خچر کے منہ پر طمانچہ مارا تو آپ نے فرمایا بنو اُمیہ کے وصیت نامے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ہیں، اس لیے میں ان سے ملنا چاہتی ہوں تاکہ میں ان کے بارے میں معلومات حاصل کروں کہیں ایسا نہ ہو کہ یتیموں اور بیواؤں کے مال و جائیداد ضائع ہو جائیں۔ ان باغیوں نے کہا کہ آپ جھوٹ بول رہی ہیں اس

کے بعد ان لوگوں نے خچر کی رسی تلوار سے کاٹ دی جس کی وجہ سے خچر بدکنے لگا اور حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا گرنے لگیں "نعوذ باللہ" کچھ لوگوں نے انھیں پکڑ لیا قریب تھا کہ انھیں قتل کر دیا جائے لیکن کچھ دوسرے لوگوں نے آپ کو گھر پہنچا دیا۔[1]

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اس میں سیف بن عمر راوی ضعیف ہے۔ (طبری جلد سوم، ص ۳۹۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا باغیوں کو سرزنش کرنا اور باغیوں کا اصرار

طبری کہتے ہیں سیف کی روایت کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ چالیس دن رہا اور ان باغیوں کا قیام ستر دن رہا، جب محاصرہ کے اٹھارہ دن ہو گئے تو انھیں اطلاع ملی مختلف ممالک سے امدادی فوجیں آ رہی ہیں شام سے حبیب آ رہے ہیں، مصر سے معاویہ اپنے لشکر کے ساتھ آ رہے ہیں اور کوفہ سے قعقاع امدادی فوج سے لے کر آ رہے ہیں اور نیز یہ بھی اطلاع ہے کہ مجاشع بھی روانہ ہو گئے ہیں جب انھیں یہ خبر ملی تو انھوں نے لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آنے اور ان سے ملنے سے روک دیا اور ان کے گھر میں کسی بھی چیز کے جانے پر پابندی لگا دی یہاں تک کہ پانی بھی بند کر دیا البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ضرورت کی کچھ چیزیں لے کر آ جاتے تھے اس دوران یہ لوگ بہانہ تلاش کرنے لگے مگر انھیں جنگ کرنے کے لیے کوئی بہانہ نہ مل سکا اس لیے ان باغیوں نے آپ کے گھر پر پتھر پھینکے اور ان کا مقصد یہ تھا کہ جواب میں وہاں سے بھی پتھر پھینکے جائیں تاکہ وہ یہ کہہ سکیں کہ ہمارے ساتھ جنگ کی گئی تھی۔

یہ واقعہ رات کے وقت ہوا، ان کے پتھر پھینکنے پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پکار کر فرمایا کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے ہو؟ کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ گھر میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے یہ لوگ بولے نہیں، خدا کی قسم! ہم نے آپ پر پتھر نہیں پھینکے اس پر آپ نے فرمایا پھر ہم پر کس نے پتھر پھینکے؟ اُنھوں نے کہا اللہ نے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم جھوٹ بولتے ہو اگر اللہ کو ہم پر پتھر پھینکنا ہوتا تو اس کا نشانہ خطا نہ جاتا مگر تمھارا نشانہ خطا گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے پڑوسی آل حزم کی طرف متوجہ ہوئے اور عمرو کے فرزند کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ ان لوگوں نے ہمارا پانی بھی بند کر دیا ہے اگر ہو سکے پانی بھیج دو۔

آپ نے طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ، اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج مطہرات نبوی کی طرف بھی پیغام بھیجے چنانچہ سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ام المؤمنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا مدد کے لیے آئیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ صبح سویرے تشریف لائے اور فرمایا اے لوگو! تم جو حرکتیں کر رہے ہو وہ نہ مؤمنوں جیسی ہیں اور نہ کافروں جیسی ہیں۔ تم اس شخص کی ضروریات کو بند نہ کرو کیونکہ روم و فارس کے جو لوگ گرفتار کیے جاتے ہیں انھیں بھی ہم کھانا پینا مہیا کرتے ہیں اس شخص نے تمھارے ساتھ کوئی مقابلہ نہیں کیا ہے تو پھر تم اسے کس وجہ سے محصور کر رہے ہو اور انھیں قتل کرنا چاہتے ہو؟ اس پر ان لوگوں نے کہا، خدا کی قسم ہم انھیں کھانے پینے نہیں دیں گے۔ اس پر آپ نے اپنا عمامہ گھر میں پھینک کر فرمایا میں نے جو کچھ تم لوگوں سے کہا تھا اس کے لیے میں نے کوشش بھی کی ہے، اس کے بعد آپ واپس چلے گئے۔ [1]

---

[1] اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ طبری حوالہ سابقہ اس میں سیف بن عمر وراوی ضعیف ہے۔

❀❀❀

حسن بن علی رضی اللہ عنہما و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا عثمان رضی اللہ عنہ کی پہریداری کرنا

طبری کہتے ہیں پھر آپ نے حضرت طلحہ، زبیر، علی رضی اللہ عنہم اور چند دیگر مخصوص لوگوں کو اپنے پاس بلایا اور پھر فرمایا اے لوگو! بیٹھ جاؤ تمام لوگ بیٹھ گئے پھر آپ نے فرمایا اے اہل مدینہ! میں تمھیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں اور اس سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میرے بعد تمھیں اچھا خلیفہ عطاء فرمائے۔ میں آج کے بعد پھر کسی کے پاس نہیں آؤں گا یہاں تک کہ اللہ میرے بارے میں کوئی فیصلہ صادر فرمائے میں ان لوگوں سے اور ان سے جو میرے دروازے کے عقب میں موجود ہے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا اور ان سے کوئی ایسی بات نہیں کہوں گا جس کی بدولت وہ دین و دنیا میں کوئی فائدہ اُٹھا سکیں بلکہ اللہ تعالیٰ جو چاہے گا وہ کرے گا۔

پھر آپ نے اہل مدینہ کو حکم دیا کہ وہ واپس چلے جائیں اور آپ نے واپس جانے کے لیے انھیں قسم دلائی چنانچہ وہ سب واپس لوٹ گئے البتہ حسن بن علی، محمد اور ابن الزبیر وغیرہ اپنے والدین کے حکم کے مطابق دروازے پر بیٹھے رہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خانہ نشین ہو گئے۔ [1]

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ طبری حوالہ سابقہ اس میں سیف بن عمر راوی ضعیف ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شہادت والے دن پائجامہ پہنا اور بیس غلام آزاد کیے

مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کے آخری دن اکٹھے بیس غلام آزاد کیے، شلوار منگوا کر مضبوطی سے باندھ لی حالانکہ اس سے پہلے زمانہ جاہلیت یا زمانہ اسلام میں اُنھوں نے اسے کبھی نہیں پہنا تھا۔ [1]

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ مسند احمد (۷۲/۱) حدیث رقم (۵۲۶) شعیب الارناؤط نے

اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔اس میں یونس بن ابی یعفور العبدی راوی ضعیف ہے۔ اس کو ابن معین، نسائی اور احمد نے ضعیف کہا ہے۔میزان الاعتدال (٣٢٠/٧) ترجمہ (٣٧٢ت) مزید دیکھیں: تهذيب الكمال (١٥٧٢/٣) تهذيب التهذيب (٤٥٢/١١) (٨٧٠) الكاشف (٣٠٦/٣) تاريخ البخاري الكبير (٤١٠/١) تاريخ البخاري الصغير (٢٢/٢) الجرح والتعديل (٢٤٧/٩) الثقات (٦٥١/٧)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تدفین اور نماز جنازہ کی امامت

فروخ کہتے ہیں کہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت موجود تھا انھیں ان کے خون آلود کپڑوں میں ہی سپرد خاک کر دیا گیا اور انھیں غسل بھی نہیں دیا گیا۔ ①

① اسناده ضعيف - اس کی سند ضعیف ہے۔مسند احمد (٧٣/١) حديث رقم (٥٣١) شعیب الارناؤط نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

کیا عثمان رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی؟

ایک روایت میں ہے، قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور انھیں سپرد خاک کر دیا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھی کو وصیت کی تھی۔ ①

① اسناده ضعيف - اس کی سند ضعیف ہے۔اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔مسند احمد (٧٤/١) حديث رقم (٥٤٩) طبقات ابن سعد کی ایک روایت کے مطابق نماز جنازہ جبیر ابن مطعم نے پڑھائی۔مگر اس کی سند واقدی کذاب کی وجہ سے صحیح نہیں۔

کلہاڑی لے جاؤ اور جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر شہر میں بیچا کرو

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

آیا وہ کچھ مانگ رہا تھا تو آپ نے فرمایا کیا تمھارے گھر میں کچھ نہیں ہے کہنے لگا کیوں نہیں ایک کملی ہے اس کا ایک حصہ اوڑھ لیتے ہیں اور ایک حصہ نیچے بچھا لیتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس سے پانی پیتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا یہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ چنانچہ وہ لے آیا تو نبی ﷺ نے انھیں اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا کون یہ چیزیں خریدتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں انھیں ایک درہم میں لیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے؟ آپ ﷺ نے دو یا تین بار فرمایا۔ ایک اور شخص نے کہا میں ان کو دو درہم میں خریدتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے دونوں چیزیں اسے دے دیں اور دو درہم لے لیے اور وہ دونوں اُس انصاری کو دے دیے اور اس سے فرمایا: ایک درہم کا کھانا خرید واور اپنے گھر والوں کو دے آؤ دوسرے سے کلہاڑا خرید کر میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ وہ لے آیا تو آپ ﷺ نے اس میں اپنے ہاتھ مبارک سے دستہ ٹھونک دیا اور فرمایا: ''جاؤ! لکڑیاں کاٹو اور بیچو اور پندرہ دن تک میں تمھیں نہ دیکھوں۔'' چنانچہ وہ شخص چلا گیا لکڑیاں کاٹتا اور بیچتا رہا پھر آیا اور اسے دس درہم ملے تھے کچھ کا اس نے کپڑا خریدا اور کچھ سے کھانے پینے کی چیزیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اس سے بہتر ہے کہ مانگنے سے تیرے چہرے پر قیامت کے دن داغ ہوں۔ بلاشبہ مانگنا مناسب نہیں ہے سوائے تین آدمیوں کے بہت زیادہ فقیر، محتاج خاک نشین کے یا بے چینی میں مبتلا قرض دار کے، یا دیت میں پڑے خون والے کے۔[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ ابو داؤد، کتاب الزکاۃ، باب ماتجوز فیه المسألة حدیث رقم(١٦٤١) سنن ابن ماجه، حدیث رقم (٢١٩٨) سنن نسائی، کتاب البیوع، حدیث رقم (٤٥١٢) شیخ البانی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ ارواء الغلیل (٣٧١/٣) (١٢٨٩) مشکاۃ المصابیح (٢٨٧٣) (احادیث البیوع) تخریج مشکلة الفقر حدیث (٤١) (٣٠/١) ہم نے البانی کی تحقیق پر اس کو ضعیف کہا ہے۔ مگر بعض اہل علم محققین نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ اس میں ابوبکر الحنفی راوی کے متعلق حافظ تقریب میں کہتے ہیں لایعرف حالہ۔ بخاری کہتے ہیں اس کی حدیث صحیح نہیں۔ جو اس حدیث کو حسن کہتے ہیں ان کے نزدیک ابوبکر الحنفی راوی حسن الحدیث ہے اور بخاری کا قول بھی ان کے نزدیک ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بسم اللہ پڑھ کے زہر کا پیالہ پی لیا اور کچھ بھی نہ ہوا

ابی السفر راوی سے مروی ہے کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حیرہ (شہر) میں بنی المرازبۃ کے معاملے میں گئے تو آپ سے کہا گیا کہ ہوشیار رہیں کہیں عجمی لوگ آپ کو زہر نہ پلا دیں۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا میرے پاس زہر لاؤ آپ کے پاس زہر کا پیالہ لایا گیا تو اُنھوں نے اپنے ہاتھ سے پیالہ پکڑا اور بسم اللہ پڑھ کر سارا پیالہ پی گئے تو آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ بعض حضرات اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی شخص زہر ہلاہل (مہلک) کا لبریز پیالہ لایا اور کہا کہ اگر آپ اس زہر کو پی کر صحیح سلامت زندہ ہیں تو ہم جان لیں گے کہ آپ کا مذہب اسلام سچا مذہب ہے۔ آپ نے بسم اللہ پڑھ کر وہ زہر کا پیالہ پی لیا اور اللہ کے فضل سے کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ [1]

---

[1] اسنادہ ضعیف - اس کی سند ضعیف ہے۔ مسند ابی یعلٰی ، مسند خالد بن ولید حدیث رقم (۷۱۸۱) سند میں انقطاع ہے ابی السفر راوی کی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔ مجمع الزوائد (۹/۳۵۰) حدیث رقم (۱۵۸۸٤) کتاب المناقب - والطبرانی فی الکبیر رقم (۳۸۰۸) (۳۸۰۹)

اطاعت رسول کی مشہور مثال گھر اسلام ہے اور دستر خوان جنت ہے

عطیہ سے روایت ہے کہ اُنھوں نے ربیعہ جرشی رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے ہیں کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتہ آیا، آپ سے کہا گیا: آپ کی آنکھیں سو جائیں اور آپ کے کان سننے لگیں اور دل غور وفکر کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پس میری آنکھیں سو گئیں، میرے کان سننے لگے اور میرا دل سمجھنے لگا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھ سے کہا گیا کہ ایک سردار نے ایک مکان بنایا، پھر دستر خوان لگایا اور ایک دعوت دینے والا بھیجا، جس شخص نے دعوت کو قبول کیا وہ گھر میں داخل ہوا اور

دستر خوان سے کھایا، اس سے سردار خوش ہوگیا اور جس نے دعوت کو قبول نہ کیا، وہ گھر میں داخل ہوا اور نہ دستر خوان سے کچھ کھایا اور اس پر سردار ناراض ہو گیا۔ فرمایا: پس وہ سردار اللہ ہے، اور محمد ﷺ دعوت دینے والے ہیں، گھر اسلام ہے اور دستر خوان جنت ہے۔''[1]

[1] اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اتحاف (٤٥٧٧) شیخ البانی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھیں: مشکاۃ المصابیح تحقیق للالبانی رقم (١٦١) المعجم الکبیر للطبرانی (٤٥٥/٤) حدیث رقم (٤٤٦٣) اس میں عباد بن منصور راوی ضعیف ہے۔ مدلس ہے آخر میں اس کا حافظہ بھی خراب ہو گیا تھا۔ مجمع الزوائد (٢٦٠/٨) حدیث رقم (١٣٩٥٨) اس میں ریحان بن سعید صدوق ہے مگر کبھی کبھار غلطی کر جاتا ہے۔ کتاب السنۃ لمحمد بن نصر المروزی (٩٦/١) حدیث رقم (٩٥)

حضور ﷺ کا وزن کیا گیا آپ ﷺ ساری دنیا سے زیادہ وزنی ہوئے

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! جس وقت آپ کو نبوت عطا ہوئی تو آپ کو کیسے پتہ چلا کہ آپ نبی ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوذر! میں مکہ کے کسی نالے پر تھا میرے پاس دو فرشتے آئے ان میں سے ایک زمین پر آیا اور دوسرا آسمان اور زمین کے درمیان تھا ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: ''کیا یہ وہی ہے؟'' اس نے کہا: ''جی ہاں'' اس نے کہا: ''انھیں ایک آدمی کے ساتھ تولو۔'' میں اس کے ساتھ تولا گیا تو میں وزنی ہو گیا۔ پھر اس نے کہا: ''ان کا دس آدمیوں کے ساتھ وزن کرو۔'' میرا ان سے وزن کیا گیا تو میں ان سے وزنی ہو گیا۔ پھر اس نے کہا: ''انھیں سو آدمیوں کے ساتھ تولو۔'' میں ان کے ساتھ تولا گیا تو ان سے بھی جھک گیا۔ پھر اس نے کہا: ''انھیں ہزار آدمیوں کے ساتھ تولو۔'' میں ان کے ساتھ تولا گیا تو ان سے بھی جھک گیا۔ گویا کہ میں انھیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ ترازو کے ہلکا ہونے کی وجہ سے مجھ پر گر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: ''اگر

اس کی پوری اُمت سے اس کا وزن کیا جاتا تو یقیناً یہ اس سے جھک جاتا۔'' ①

① اسنادہ ضعیف ۔اس کی سند ضعیف ہے۔مشکاۃ المصابیح حدیث رقم (٥٧٧٤) ورواہ البزار فی کتاب الفضائل ذکر نبینا، باب بعثہ حدیث رقم (٢٣٧١) عن عروہ عن ابی ذر ﷺ، کشف الاستار (٣/١١٥، ١١٦) سنن دارمی المقدمہ حدیث رقم (١٤) اس میں انقطاع ہے عروہ بن زبیر نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

ایک دیہاتی کے پچیس سوالات اور نبی کریم ﷺ کے جوابات

سوال نمبر 1: میں امیر (غنی) بننا چاہتا ہوں؟

جواب: فرمایا قناعت اختیار کرو، امیر ہو جاؤ گے۔

سوال نمبر 2: میں سب سے بڑا عالم بننا چاہتا ہوں؟

جواب: تقویٰ اختیار کرو عالم بن جاؤ گے۔

سوال نمبر 3: عزت والا بننا چاہتا ہوں؟

جواب: مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلانا بند کر دو باعزت بن جاؤ گے۔

سوال نمبر 4: اچھا آدمی بننا چاہتا ہوں؟

جواب: لوگوں کو نفع پہنچاؤ۔

سوال نمبر 5: عادل بننا چاہتا ہوں؟

جواب: جسے اپنے لیے اچھا سمجھتے ہو وہی دوسروں کے لیے پسند کرو۔

سوال نمبر 6: طاقتور بننا چاہتا ہوں؟

جواب: اللہ پر توکل (بھروسہ) کرو۔

سوال نمبر 7: اللہ کے دربار میں خاص درجہ چاہتا ہوں؟

جواب: کثرت سے ذکر کرو۔

سوال نمبر 8: رزق کی کشادگی چاہتا ہوں؟

جواب: ہمیشہ باوضو رہو۔

سوال نمبر 9: دعاؤں کی قبولیت چاہتا ہوں؟

جواب: حرام نہ کھاؤ۔

سوال نمبر 10: ایمان کی تکمیل چاہتا ہوں؟

جواب: اخلاق اچھے کر لو۔

سوال نمبر 11: قیامت کے روز اللہ سے گناہوں سے پاک ہو کر ملنا چاہتا ہوں؟

جواب: جنابت کے بعد فوراً غسل کیا کرو۔

سوال نمبر 12: گناہوں کی کمی چاہتا ہوں؟

جواب: کثرت سے استغفار کرو۔

سوال نمبر 13: قیامت کے روز نور میں اُٹھنا چاہتا ہوں؟

جواب: ظلم کرنا چھوڑ دو۔

سوال نمبر 14: میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھ پر رحم کرے؟

جواب: اللہ کے بندوں پر رحم کرو۔

سوال نمبر 15: میں چاہتا ہوں کہ اللہ میری پردہ پوشی کرے؟

جواب: لوگوں کی پردہ پوشی کرو۔

سوال نمبر 16: رسوائی سے بچنا چاہتا ہوں؟

جواب: زنا سے بچو۔

سوال نمبر 17: میں چاہتا ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا محبوب بن جاؤں؟

جواب: جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب ہو اسے اپنا محبوب بنا لو۔

سوال نمبر 18: اللہ کا فرماں بردار بننا چاہتا ہوں۔

جواب: فرائض کا اہتمام کرو۔

سوال نمبر 19: احسان کرنے والا بننا چاہتا ہوں؟

جواب: اللہ کی اس طرح بندگی کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو یا جیسے وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔

سوال نمبر 20: یا رسول اللہ ﷺ! کیا چیز گناہوں سے معافی دلائے گی؟

جواب: آنسو...... عاجزی...... اور بیماری۔

سوال نمبر 21: کیا چیز دوزخ کی آگ کو ٹھنڈا کرے گی؟

جواب: دنیا کی مصیبتوں پر صبر۔

سوال نمبر 22: اللہ کے غصہ کو کیا چیز ٹھنڈا کرے گی؟

جواب: چپکے چپکے صدقہ............ اور صلہ رحمی۔

سوال نمبر 23: سب سے بڑی برائی کیا ہے؟

جواب: برے اخلاق............ اور بخل۔

سوال نمبر 24: سب سے بڑی اچھائی کیا ہے؟

جواب: اچھے اخلاق...... تواضع...... اور صبر۔

سوال نمبر 25: اللہ کے غصے سے بچنا چاہتا ہوں؟

جواب: لوگوں پر غصہ کرنا چھوڑ دو۔ [1]

---

[1] اسنادہ ضعیف جدا۔ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ کنز العمال (۱۲۷، ۱۲۹، ۱۶،) حدیث رقم (٤٤١٥٤) یہ تمام قصہ واہی ہے اور اس میں سخت نکارت ہے۔ اس میں ابو حامد المصری راوی مجہول ہے۔

ایک عورت کا عجیب قصہ زنا اور بچے کا قتل اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت میرے پاس آئی اور اس نے مجھ سے پوچھا: کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ میں نے زنا کیا تھا جس سے میرے ہاں بچہ پیدا ہوا، پھر میں نے اس بچہ کو قتل کر ڈالا، میں نے کہا نہیں (تم نے دو بڑے گناہ کیے ہیں اس لیے) نہ تو تمھاری آنکھ کبھی ٹھنڈی ہو اور نہ تجھے شرافت و کرامت حاصل ہو۔ اس پر وہ عورت افسوس کرتی ہوئی اُٹھ کر چلی گئی۔ پھر میں نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی اور اس عورت نے جو کچھ کہا تھا

اور میں نے اسے جواب دیا تھا وہ سب حضور ﷺ کو بتایا، حضور ﷺ نے فرمایا تم نے اسے برا جواب دیا، کیا تم یہ آیت نہیں پڑھتے:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهِ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَّكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾

[الفرقان: ٦٨-٧٠]

"اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے، اور جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق پر اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو سزا سے اس کو سابقہ پڑے گا کہ قیامت کے روز اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا اور وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ ذلیل (وخوار) ہو کر رہے گا، مگر جو (شرک اور معاصی سے) توبہ کر لے اور (ایمان) بھی لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے (گذشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔"

پھر میں نے یہ آیتیں اس عورت کو پڑھ کر سنائیں، اس نے کہا تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے میری خلاصی کی صورت بنا دی۔

ابن جریر کی ایک روایت میں ہے کہ وہ افسوس کرتے ہوئے ان کے پاس سے چلی گئی اور وہ کہہ رہی تی ہائے افسوس! کیا یہ حسن جہنم کے لیے پیدا کیا گیا ہے؟ اس روایت میں آگے یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ واپس آئے اور انھوں نے مدینہ کے تمام محلوں اور گھروں میں اس عورت کو ڈھونڈھنا شروع کیا، اسے بہت ڈھونڈھا لیکن وہ عورت کہیں نہ ملی، اگلی رات کو وہ خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئی تو حضور اکرم ﷺ نے جو جواب دیا تھا وہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اُسے بتادیا، وہ فوراً سجدہ میں گر گئی اور کہنے لگی: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے میرے لیے خلاصی کی صورت بنادی اور جو گناہ مجھ سے سرزد ہو گیا تھا اس سے توبہ کا راستہ بتادیا اور اس عورت نے اپنی ایک باندی اور اس کی بیٹی آزاد کی، اور اللہ کے سامنے سچی توبہ کی۔[1]

[1] اسناده موضوع- اس کی سند من گھڑت ہے۔ تفسیر طبری رقم (٢٦٥١٥) (٣٠٧/١٩) اس کی سند میں عیسیٰ بن شعیب بن ثوبان المدنی راوی مجہول ہے۔ امام ذہبی نے اس قصہ کو من گھڑت کہا ہے۔ میزان الاعتدال ترجمہ (٤٣٣٥) رقم (٦٥٧٨) مزید دیکھیں: تهذيب الكمال (١٠٨٠/٢) تقريب التهذيب (٩٨/٢) تاريخ الكبير للبخاری (٣٨٧/٦) الجرح و التعديل (١٥٤٥/٦)

غسل دیتے ہوئے عورت کا ہاتھ میت سے چمٹ گیا امام مالک کا فتویٰ کہ اسے اسی کوڑے لگاؤ

زرقانی (شرح مؤطا امام مالک رحمہ اللہ) میں ایک بڑا عجیب واقعہ لکھا ہے کہ مدینہ منورہ کے گردونواح میں ایک ڈیرے پر ایک عورت فوت ہو جاتی ہے تو دوسری اسے غسل دینے لگی۔ جو غسل دے رہی تھی جب اس کا ہاتھ مری ہوئی عورت کی ران پر پہنچا تو اس کی زبان سے نکل گیا میری بہنو! (جو دو چار ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں) یہ جو عورت آج مر گئی ہے اس کے تو فلاں آدمی کے ساتھ خراب تعلقات تھے۔

غسل دینے والی عورت نے جب یہ کہا تو قدرت کی طرف سے گرفت آ گئی اس کا ہاتھ ران پر چمٹ گیا جتنا کھینچتی ہے وہ جدا نہیں ہوتا، زور لگاتی ہے مگر ران ساتھ ہی آتی ہے، دیر لگ گئی، میت کے ورثاء کہنے لگے بی بی! جلدی غسل دو، شام ہونے والی ہے، ہم کو جنازہ پڑھ کر اس کو دفنانا بھی ہے۔ وہ کہنے لگی کہ میں تو تمہارے مردے کو چھوڑتی ہوں مگر وہ مجھے نہیں چھوڑتا۔ رات پڑ گئی

مگر ہاتھ یوں ہی چمٹا رہا۔ دن آ گیا پھر ہاتھ چمٹا رہا۔ اب مشکل بنی تو اس کے ورثاء علماء کے پاس گئے۔ ایک مولوی سے پوچھتے ہیں مولوی صاحب! ایک عورت دوسری عورت کو غسل دے رہی تھی تو اس کا ہاتھ اس میت کی ران کے ساتھ چمٹا رہا۔ اب کیا کیا جائے؟ وہ فتویٰ دیتا ہے کہ چھری سے اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ غسل دینے والی عورت کے وارث کہنے لگے ہم تو اپنی عورت کو معذور کرانا نہیں چاہتے ہم اس کا ہاتھ نہیں کاٹنے دیں گے۔

اُنھوں نے کہا فلاں مولوی کے پاس چلیں۔ اس سے پوچھا تو کہنے لگا چھری لے کر مری ہوئی عورت کا گوشت کاٹ دیا جائے۔ مگر اس کے ورثاء نے کہا کہ ہم اپنا مردہ خراب کرنا نہیں چاہتے۔ تین دن اور تین رات اسی طرح گزر گئے۔ گرمی بھی تھی، دھوپ بھی تھی، بدبو پڑنے لگی، گردونواح کے کئی کئی دیہاتوں تک خبر پہنچ گئی۔ اُنھوں نے سوچا کہ یہاں مسئلہ کوئی حل نہیں کر سکتا، چلو مدینہ میں، وہاں حضرت امام مالک رحمہ اللہ اس وقت قاضی القضاۃ کی حیثیت میں تھے۔ وہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے حضرت! ایک عورت مری پڑی تھی دوسری اسے غسل دے رہی تھی اس کا ہاتھ اس کی ران کے ساتھ چمٹ گیا چھوٹتا ہی نہیں، تین دن ہو گئے، کیا فتویٰ ہے؟

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہاں مجھے لے چلو۔ وہاں پہنچے اور چادر کی آڑ میں پردے کے اندر کھڑے ہو کر غسل دینے والی عورت سے پوچھا بی بی! جب تیرا ہاتھ چمٹا تھا تو تو نے زبان سے کوئی بات تو نہیں کہی تھی؟ وہ کہنے لگی میں نے اتنا کہا تھا کہ یہ جو عورت مری ہے اس کے فلاں مرد کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے پوچھا بی بی! جو تو نے تہمت لگائی ہے کیا اس کے چار چشم دید گواہ تیرے پاس ہیں؟ کہنے لگی: نہیں۔ پھر فرمایا: کیا اس عورت نے خود تیرے سامنے اپنے بارے میں اقرارِ جرم کیا تھا؟ کہنے لگی: نہیں۔ فرمایا: پھر تو نے کیوں تہمت لگائی؟ اس نے کہا: میں نے اس لیے کہہ دیا تھا کہ وہ گھڑا اُٹھا کر اس کے دروازے سے گزر رہی تھی۔ یہ سن کر امام مالک رحمہ اللہ نے وہیں

کھڑے ہو کر پورے قرآن میں نظر دوڑائی، پھر فرمانے لگے: قرآن پاک میں آتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً﴾[النور: ٤]

''جو عورتوں پر ناجائز تہمتیں لگا دیتے ہیں پھر ان کے پاس چار گواہ نہیں ہوتے تو ان کی سزا ہے کہ ان کو اسی کوڑے مارے جائیں۔''

تو نے ایک مردہ عورت پر تہمت لگائی، تیرے پاس کوئی گواہ نہیں تھا، میں وقت کا قاضی القضاۃ حکم کرتا ہوں جلادو! اسے مارنا شروع کردو۔ جلادوں نے اسے مارنا شروع کر دیا۔ وہ کوڑے مارے جا رہے ہیں۔ ستر کوڑے، مارے مگر ہاتھ یوں ہی چمٹا رہا۔ پچھتر کوڑے مارے گئے مگر ہاتھ پھر بھی یوں ہی چمٹا رہا۔ اناسی کوڑے مارے تو ہاتھ پھر بھی نہ چھوٹا۔ جب اسی واں کوڑا لگا تو اس کا ہاتھ خود بخود چھوٹ کر جدا ہو گیا۔ ①

① اسنادہ ضعیف جدا۔ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ اس میں یعقوب بن اسحاق کذاب راوی ہے۔ میزان الاعتدال (٧/٢٧٤) رقم (٩٨١٢) لسان المیزان (٦/٣٠٤) ابن حجر کہتے ہیں یہ حکایت اسی یعقوب بن اسحاق العسقلانی کی وضع کردہ ہے۔ نیز اس میں میسّب بن عبدالکریم متہم بالوضع ہے۔ تنزیہ الشریعۃ لابن عراق (١/١٧) اس میں ابراھیم بن عقبہ راوی مجھول الحال ھے ۔ لسان المیزان (١/٧٧-٢٣٩)

سو احادیث کے اسناد و متون کو الٹ پلٹ کر کے امام بخاری رحمہ اللہ کا بغداد میں امتحان

روایت ہے ایک مرتبہ امام بخاری رحمہ اللہ بغداد تشریف لائے۔ چونکہ وہاں کے اہل علم حضرات نے ان کے علم کی شہرت سن رکھی تھی۔ اُنھوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کا امتحان لینے کی ایک ترکیب اختیار کی کہ ایک سو احادیث دس علماء مجمع میں پڑھیں۔ لیکن متون اور اسانید میں تبدیلی کر دیں۔

ایک حدیث کا متن دوسری سند کے ساتھ اور دوسری سند کو دوسرے متن کے ساتھ ملا دیں۔

جب امام صاحب رحمہ اللہ تشریف لائے تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر دس احادیث بمعہ اسناد کے پیش کیں۔ جن میں تبدیلی کر دی گئی تھی۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے ہر ایک حدیث کے جواب میں فرمایا: لا أعرفه ۔ پھر دوسرے آدمی نے اسی طرح دس حدیثیں پڑھیں جن کی سندیں اور متن میں تبدیلی کر دی گئی تھیں۔ آپ نے اس کے جواب میں بھی یہی فرمایا: لا أعرفه ۔ حتی کہ باری باری سب نے ایک سو احادیث پیش کر دیں اور امام صاحب رحمہ اللہ سب کے جواب میں یہی فرماتے رہے: لا أعرفه ۔

عام لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ اتنا بڑا عالم اور اس قدر زیادہ شہرت ہے۔ ہمارے علماء نے 100 حدیثیں اس کو سنائی ہیں۔ اسے تو ایک بھی معلوم نہیں۔ البتہ صاحب علم حضرات سمجھ گئے تھے کہ امام بخاری رحمہ اللہ ان کی چال بھانپ گئے ہیں۔

جب 100 کی 100 حدیثیں سنا چکے تو امام بخاری رحمہ اللہ پہلے شخص کی طرف متوجہ ہوئے، جس نے سب سے پہلے دس حدیثیں سنائی تھیں۔ ان میں پہلی حدیث یوں سنائی تھی۔ لیکن آپ نے اس کے متن میں یہ گڑ بڑ کی ہے اور سند کو اس طرح تبدیل کیا ہے۔ اصل سند اور متن اس طرح ہے۔ پھر آپ نے ایک ایک حدیث کی تبدیلی کا ذکر کیا اور صحیح سند اور متن کے ساتھ پوری دس احادیث ترتیب وار سنا دیں۔ اسی طرح پوری ایک سو احادیث ترتیب وار تبدیل شدہ سند اور متن کے ساتھ اور پھر صحیح سند اور متن کے ساتھ سنا دیں۔ اب تو سب کو یقین ہو گیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کس قدر ماہر فن ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ تعجب اس پر نہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے غلطی پہچان لی اور اس کی اصلاح کر دی۔ کیونکہ وہ حافظ حدیث تھے، ان کا تو کام ہی یہ ہے۔ لیکن تعجب دراصل اس بات پر ہے کہ غلط احادیث کو صرف ایک مرتبہ سن کر ترتیب وار محفوظ رکھا اور پھر ترتیب کے ساتھ ان کو بیان کر کے اصلاح بھی کر دی۔

ابوالازہر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سمرقند میں چار سو محدث تھے۔ ان سب نے مل کر طے کیا احادیث کی اسناد مختلفہ کو خلط ملط کر کے محمد بن اسماعیل رحمہ اللہ کو مغالطہ دینے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ اُنھوں نے محدثین شام کی اسناد کو محدثین عراق کی اسناد میں شامل کر دیا اور عراق کی اسناد کو حرمین کی اسناد اور حرمین کی اسناد کو یمن کے محدثین کی اسناد میں شامل کر کے سوالات کرتے رہے۔ لیکن پھر بھی وہ امام بخاری رحمہ اللہ کو مغالطے دینے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ [1]

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اس میں مجہول راوی ہیں۔ یہ قصہ باسند صحیح ثابت نہیں۔ مقدمہ الفتح الباری (٤٨٦) تاریخ بغداد (٢٠١/١) ذکر عقد البخاری مجلس التحدیث ببغداد و امتحان البغداد بین لہ۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سن ہو گیا ان سے کہا گیا اپنی محبوب شخصیت کو پکارو تو اُنھوں نے یا محمد کہا

((قال الإمام البخاري في الأدب المفرد: حدثنا أبو نعيم قال: حدثنا سفيان، عن أبي إسحاق، عن عبدالرحمن بن سعد قال: خدرت رجل ابن عمر، فقال له رجل: اذكر أحب الناس إليك، فقال: يامحمد.

وقال إبن السني في عمل اليوم والليلة۔ حدثني محمد بن إبراهيم الأنماطي، وعمرو بن الجنيد بن عيسى، قالا: ثنا محمد بن خداش، ثناأبوبكر بن عياش، ثنا ابو إسحاق السبيعي، عن أبي شعبة، قال: كنت أمشي مع ابن عمر ﷺ، فخدرت رجله، فجلس، فقال له رجل: أذكر أحب الناس إليك. فقال: "يامحمد فقام فمشى"

وقال: حدثنا محمد بن خالد بن محمد البرذعي، ثنا حاجب بن سليمان، ثنا محمد بن مصعب، ثنا إسرائيل، عن أبي إسحاق، عن

الهيثم بن حنش، قال: كنا عند عبدالله بن عمر ﷺ، فخدرت رجله، فقال له رجل: ((أذكر أحب الناس إليك۔ فقال: يا محمد ﷺ ۔قال: فقام فكأنما نشط من عقال ۔ وقال: أخبرني أحمد بن الحسن الصوفي، حدثنا يحيى بن الجعد، ثنا زهير، عن أبي إسحاق، عن عبدالرحمن بن سعد، قال: "كنت عند ابن عمر، فخدرت رجله، فقلت: يا أبا عبدالرحمن، ما الرجلك ؟ قال: إجتمع عصبها من هاهنا۔ قالت: أدع أحب الناس إليك۔ فقال: يا محمد فانبسطت"))

"امام بخاری رحمہ اللہ نے "الادب المفرد" میں کہا۔ ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی کہا ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی ابواسحٰق سے وہ عبدالرحمٰن بن سعد سے کہ ابن عمر کا پاؤں بے حس ہوگیا تو ایک شخص نے ان کو کہا تجھے جو سب سے زیادہ محبوب ہے، اسے یاد کر ابن عمر نے کہا یا محمد " ابن السني عمل اليوم والليلة "میں کہتا ہے مجھے محمد بن ابراہیم الانماطی اور عمرو بن جنید بن عیسیٰ نے حدیث بیان کی کہتے ہیں ہمیں محمد بن خداش نے حدیث کی کہا ہمیں ابوبکر بن عیاش نے حدیث بیان کی۔ کہا ہمیں ابواسحٰق السبیعی نے ابوشیبہ سے حدیث بیان کی کہتا ہے، میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ چل رہا تھا، ان کا پاؤں بے حس ہوگیا وہ بیٹھ گیا، ایک شخص نے کہا اپنے محبوب ترین کو یاد کرو تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا یا محمد چنانچہ کھڑے ہو گئے اور چل پڑے اور کہا ہمیں محمد بن خالد بن محمد برذعی نے حدیث بیان کی کہا ہمیں حاجب بن سلیمان نے حدیث بیان کی کہا ہمیں محمد بن مصعب نے حدیث بیان کی، کہا ہمیں اسرائیل نے ابواسحٰق سے وہ ہیثم سے کہا ہم عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھے اس کا پاؤں سن ہو گیا، ایک شخص نے اس کو کہا تجھے جو سب سے زیادہ پیارا ہے اسے یاد کر۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہا چنانچہ وہ اُٹھے، گویا رسی سے آزاد ہو گئے ہیں اور کہا مجھے احمد بن حسن صوفی نے حدیث

بیان کی کہا ہمیں یحییٰ بن جعد نے حدیث بیان کی کہا ہمیں زہیر نے ابو اسحٰق سے وہ عبدالرحمٰن بن سعد سے حدیث بیان کرتا ہے کہا میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھا اس کا پاؤں بے حس ہو گیا میں نے کہا اے عبدالرحمٰن آپ کے پاؤں کو کیا ہو گیا؟ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا اس کا عقب یہاں سے مجتمع ہو گیا پس کہا یا محمد ﷺ چنانچہ پاؤں کھل گیا۔ [1]

---

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اس کی سند میں سفیان ثوری اور ابو اسحاق السبیعی دونوں راوی مدلس ہیں اور سماع کی صراحت نہیں لہٰذا اس کی سند ان دونوں کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ شیخ البانی نے ضیف الادب المفرد (۱۴۸/۹۶۴) میں اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (۱/ ۱۲۷) الشیخ العلامہ ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی نے اس روایت کی بڑی عرق ریزی سے تحقیق کی ہے اور مشرکین و مبتدعین کے تمام اشکالات و شبہات کا شافعی و کافی جواب دیا ہے۔ ہم اُن کی تحقیق کو قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

أقول أولاً: یہ روایت صحیح نہیں ہے سب اسانید کا مدار ابو اسحٰق السبیعی ہے جیسا کہ ''ابن السنی'' کی ایک روایت میں تعیین ہے اور دراصل یہ ایک ہی سند ہے اور ابو اسحٰق عمرو بن عبداللہ ہمدانی ہے، یہ متغیر الحفظ ہے، آخر میں اس کا حافظہ بدل گیا تھا، ایسے شخص کی حدیث معتبر نہیں۔

((قال ابن الصلاح في المقدمة: والحكم فيهم: أنه يقبل حديث من أخذ عنهم قبل الاختلاط . ولا يقبل حديث من أخذ عنهم بعد الاختلاط ، أو أشكل أمره، فلم يدر هل أخذ عنه قبل الاختلاط أو بعده......أبو إسحٰق السبيعي اختلط أيضا، ويقال: أن سماع سفيان بن عيينة منه بعد الاختلاط ، ذكر ذلك أبو يعلى الخليلي))

''ابن الصلاح ''المقدمہ'' میں کہتے ہیں ہیں۔ ان کے بارے میں فیصلہ یہ ہے کہ اختلاط سے پہلے جن لوگوں نے ان سے حدیث لی وہ قبول ہے اور اختلاط سے بعد اخذ کرنے والوں کی حدیث غیر مقبول ہے اور ان کی حدیث بھی غیر مقبول جن کے بارے میں اشکال ہو کہ اختلاط کے پہلے لی یا بعد میں اور ابو اسحٰق سبیعی بھی مختلط تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سفیان بن عیینہ کا سبیعی سے سماع اختلاط کے بعد ہے۔ ابو یعلیٰ خلیلی نے اس کا ذکر کیا ہے۔''

((قال الحافظ ابن كثير إختصار علوم الحديث: نحوه قال وممن اختلط بآخرة: عطاء بن السائب وأبو إسحاق السبيعي ، قال الحافظ أبو يعلى الخليلي : وإنما سمع منه ابن عيينة بعد ذلك ۔ وهكذا في تدريب الراوي))

"حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ "اختصار علوم الحدیث" میں اسی طرح ذکر کرتے ہیں، کہا جو آخر میں مختلط ہو گئے ان میں عطا بن سائب، ابو اسحٰق سبیعی ہیں۔ حافظ ابو یعلیٰ خلیلی کہتے ہیں، ابن عیینہ نے اختلاط کے بعد سبیعی سے سنا نیز "تدریب الراوی" میں بھی اسی طرح ہے۔"

اور ابو اسحٰق کو حافظ ابو الوفاء سبط العجمی نے کتاب "الإعتباط بمعرفة من رمی بالاختلاط" قلمی میں ذکر کیا ہے۔

((و قال الحافظ فی التقریب : إختلط بآخره۔ و قال الذهبی فی میزان الإعتدال: شاخ و نسی و لم یختلط ۔ و قد سمع منه سفیان بن عیینة ، و قد تغیر قلیلا۔ و قال الفسوی: فقال بعض أهل العلم: کان قد اختلط، و إنما ترکوه مع ابن عیینة لإختلاطه ۔ مختصرا))

"حافظ "تقریب" میں لکھتے ہیں۔ آخر میں مختلط ہو گیا۔ ذہبی "میزان الاعتدال" میں کہتے ہیں، میں بوڑھا ہو گیا اور ناسی ہوا مختلط نہیں ہوا۔ ابن عیینہ کو جب سماع حاصل ہوا تھوڑا تھوڑا متغیر تھا۔ فسوی کہتا ہے بعض اہل علم کہتے ہیں یہ مختلط ہو گیا تھا اور ابن عیینہ کی روایات میں اختلاط کی وجہ سے متروک ہے۔"

ثانیا: یہی ابو اسحٰق مدلس ہے اور معنعن روایت کی ہے اور اس کی تدلیس مرتبہ ثالثہ کی ہے اس کو حافظ سبط بن العجمی نے کتاب "التبیین فی أسماء المدلسین" قلمی میں ذکر کیا ہے۔

و قال تابعی کبیر مشهور به۔ اور کہا تابعی کبیر ہے اور تدلیس میں مشہور ہے۔

اور حافظ ابن حجر "طبقات المدلسین" مرتبہ ثالثہ میں اس کو ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ:

((مشهور بالتدلیس و هو تابعی وصفه النسائی وغیره بذلك و قال ابن حبان فی کتاب الثقات کان مدلسا۔ و کذا ذکره فی المدلسین حسین الکرابیسی و أبو جعفر الطبری و قال ابن معین أفسد حدیث أهل الکوفة الأعمش و أبو إسحاق یعنی للتدلیس کذا فی التهذیب))

"تدلیس میں مشہور ہے، تابعی ہے نسائی وغیرہ نے ایسا ہی کہا ہے، ابن حبان نے "الثقات" میں کہا مدلس ہے۔ حسین کرابیسی اور ابو جعفر الطبری نے مدلسین میں اس کا شمار کیا ہے۔ ابن معین رحمہ اللہ کہتا ہے اہل کوفہ کی حدیث کو اعمش اور ابو اسحٰق نے تدلیس کی وجہ سے فاسد کر دیا ہے۔"

پس یہ روایت قابل اعتماد نہیں ہے۔ ایضاً ابن السنی کی اسانید میں دیگر علتیں بھی ہیں چنانچہ پہلی سند میں ابو بکر بن عیاش ہے۔ قال فی التقریب: لما کبر ساء حفظه و کتابه صحیح۔ جب بوڑھا ہوا حافظہ خراب ہو گیا اور اس کی کتاب صحیح ہے۔

ایضاً ابو اسحٰق کے استاد ابو شعبہ کے متعلق پتہ نہیں لگتا کہ کون ہے اور دوسری سند میں محمد بن مصعب ہے۔

((و هو القرقسانی قال فی التقریب : صدوق کثیر الغلط ۔ و فی مختصر ضعفاء ابن حبان۔ کان ممن ساء حفظه حتی کان یقلب الأسانید ویرفع المراسیل لایجوز الإحتجاج به إذا إنفرد ۔ و قال

ابن أبي حاتم في الجرح والتعديل قسم۔ قال سألت أبا زرعة عن محمد بن مصعب القرقسانی فقال: صدوق في الحديث ولكنه حدث بأحاديث منكرة ۔ قلت فليس هذا مما يضعفه ؟ قال: نظن أنه غلط فيها۔ قال سألت أبي عنه فقال: ضعيف الحديث ، قلت له أن أبا زرعة قال كذا وحكيت له كلامه فقال: ليس هو عندي كذا ضعف لما حدث بهٰذه المناكير))

''وہ قرقسانی ہے'' تقریب'' میں حافظ لکھتے ہیں، صدوق کثیر الغلط ہے۔ ''مختصر ضعفاء ابن حبان'' میں ہے، یہ ان میں سے تھا جن کی یادداشت خراب ہوگئی تھی حتی کہ اسانید کو اُلٹ دیتا اور مراسیل کو مرفوع بنا دیتا تھا۔ اگر اکیلا ہے تو اس کی روایت قابل احتجاج نہیں ہے۔ ابن ابی حاتم ''الجرح والتعدیل'' میں کہتے ہیں میں نے ابو زرعہ سے محمد بن مصعب قرقسانی کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا حدیث میں صدوق ہے مگر احادیث منکرہ روایت کرتا ہے، میں نے کہا اس سے تو اس کی تضعیف نہیں ہوئی کہا ہمارا خیال ہے ان میں غلطیاں کرتا ہے، کہا اور میں نے اپنے والد سے اس کے بارے میں پوچھا تو کہا ضعیف الحدیث ہے، میں نے کہا ابوزرعہ نے تو اس کے بارے میں کہا اور پھر میں نے ابوزرعہ کی مذکورہ بالا بات نقل کی تو والد صاحب نے کہا میرے نزدیک یہ ایسا نہیں ہے۔ جب یہ ان مناکیر کو روایت کرتا ہے، ضعیف ہوگیا۔''

پس ایسے شخص کی روایت علی الاطلاق حجت نہیں۔ بالخصوص فیما نحن فيه صریح آیات اور احادیث کے خلاف ہے۔ ایضاً ابو اسحٰق کا استاد ہیثم بن حنش مجہول ہے۔

((قال الإمام ابو بكر الخطيب البغدادي في الكفاية: المجهول عند أصحاب الحديث : هو كل من لم يشتهر بطلب العلم في نفسه، ولا عرفه العلماء به ، ومن لم يعرف حديثه إلا من جهة راو واحد، مثل عمرو ذي مرة وجبار الطائي وعبد الله بن أغر الهمداني والهيثم بن حنش ومالك بن أغر وسَعِيدِ بْنِ ذِي جُدَّانَ وَقَيْسِ بْنِ كُرْكُمٍ وضمر بن مالك ، وهؤلاء كلهم لم يروعنهم غير أبي إسحٰق السبيعي))

''امام ابوبکر خطیب بغدادی ''الکفایہ'' میں لکھتے ہیں، اصحاب الحدیث کے نزدیک مجہول وہ راوی ہے جو فی نفسہ طلب علم میں شہرت یافتہ نہیں ہے نہ ہی اس کو علماء جانتے ہیں اور وہ کہ اس کی حدیث ایک ہی راوی کی طرف سے معروف ہے جیسا کہ عمرو ذی مرۃ اور جبار طائی اور عبداللہ بن اغر ہمدانی اور ہیثم بن حنش اور مالک بن اغر اور سعید بن ذی جدان اور قیس بن کرکم اور ضمر بن مالک ان سب سے ابو اسحٰق سبیعی اکیلا روایت کرتا ہے۔''

((وقال أبو اسحاق الجوزجاني: فأما أبو إسحاق فروى عن قوم لايعرفون ولم ينتشر عنهم عند أهل العلم إلا ما حكى أبو إسحاق عنهم فإذا روى تلك الأشياء عنهم كان التوقيف في ذلك عندي الصواب كذا في التهذيب))

''ابو اسحاق جوز جانی کہتے ہیں، ابو اسحٰق غیر معروف لوگوں سے روایت کرتا ہے اور ان کی روایت اہل علم کے

نزدیک نہیں پھیلیں۔صرف ابواسحاق ہی ان سے روایت کرتا ہے،میرے نزدیک اس کے بارے میں توقف کرنا بہتر ہے،تہذیب میں اسی طرح ہے"

اور تیسری سند وہی الادب المفرد والی ہے نیز اس میں بھی زہیر بن معاویہ ہے جس کا اسحٰق سے سماع بعد التغیر والإختلاط ہے۔

((قال في التقريب : ثقة ثبت إلا أن سماعه من أبي إسحاق بآخره و هكذا في تدريب الراوي وفي التهذيب))

"تقریب میں ہے،ثقہ ثبت ہے مگر اس کا سماع ابواسحٰق سے آخر میں ہے۔"تدریب الراوی" میں اسی طرح ہے،تہذیب میں ہے۔"

((عن الإمام أحمد في حديث عن أبي إسحاق لين سمع منه بآخره وعن ابن معين سمع من أبي إسحاق بعد الإختلاط وعن أبي حاتم زهير أحب إلينا من إسرائيل في كل شيء إلا في حديث أبي إسحاق))

"امام احمد نے زہیر کی ابواسحاق سے حدیث کے بارے میں کہا کمزور ہے،آخر میں سنا،ابن معین کہتے ہیں،ابو اسحاق سے اختلاط کے بعد سنا،ابو حاتم سے ہے کہ زہیر اسرائیل سے ہمیں ہر معاملہ میں زیادہ پسند ہے سوا ابواسحاق کی حدیث کے۔"

ثالثا:ایک نسخہ میں بدون حرف اللہ اور صرف اسم محمد ﷺ کا ذکر ہے،دیکھو "فضل اللّٰه الصمد شرح الأدب المفرد " للشیخ فضل اللہ الجیلانی یہ بھی استدلال میں مخدوش ہے۔

رابعا:سند میں اضطراب واقع ہے،کبھی ابواسحٰق عبدالرحمٰن بن اسحٰق سے روایت کرتا ہے اور کبھی ابوشعبہ سے تو کبھی ہیثم بن حنش سے اور واقعہ ایک معلوم ہوتا ہے۔

خامسا:علی التقدیر یہ روایت موقوف ہے،مرفوع نہیں نہ اس کے معنی میں ہے۔

((قال الشوكاني: في تحفة الذاكرين وليس في هذا مايفيد أن لذلك حكم الرفع))

"امام شوکانی"تحفة الذاكرين "میں کہتے ہیں،اس میں یہ نہیں ہے کہ اس کا مرفوع کا حکم ہے۔

سادسا و سابعا:یہ روایت مدعی پر قطعیۃ الدلالۃ نہیں ہے۔

((ففي فضل اللّٰه الصمد: تحت الرواية و على كل حال فصورة النداء في بعض الروايات ليس حقيقة ولا يتوهم أنه الإستغاثة أو الإستعانة و إنما المقصود إظهار الشوق و إضرام نار المحبة وذكر المحبوب بسخن القلب وبنشطه فيهذب إنجماد الدم فيجري في العروق و هذا هو الفرح والخطاب قد يكون لا على إرادة الإسماع و قال: والخطاب ليس على إرادة السماع وإن كان الأصل في الخطاب أن يوتى به لإسماع المخاطب فكثيرا مايوتى به لغير ذلك ما هو كثير فاحش في كلام العرب والسنة و كلام الصحابة و في كلام الناس كما في ندبة وذكر المر-

حبیبه فی غیبة و أمثال ذلك))

''اس روایت کے تحت "فضل اللہ الصمد" میں ہے۔ بہرحال بعض روایات میں ندا کی صورت محقق نہیں ہے، نہ ہی یہ وہم کیا جائے کہ استغاثہ یا استعانہ ہے، مقصد صرف اظہار شوق اور محبت کی آگ کو روشن کرنا ہے اور گرم دلی سے محبوب کا ذکر کرنا ہے تاکہ دل کا انجماد ختم ہو جائے اور رگوں میں جاری و ساری ہو جائے۔ یہ اظہار خوشی و فرح ہے، خطاب کبھی سنانے کے ارادہ سے نہیں ہوتا۔ نیز کہا اصل خطاب میں اگرچہ سنانے کا ارادہ ہوتا مگر کبھی ایسے نہیں ہوتا جیسا کہ کلام عرب، حدیث اور کلام صحابہ رضی اللہ عنہم سے معلوم ہوتا ہے، اسی طرح عام لوگوں کی گفتگو میں ہوتا ہے جیسا کہ ندبہ میں اور انسان کا اپنے دوست کو غائبانہ ذکر کرنا وغیرہ وغیرہ۔''

الحاصل: مجرد خطاب سنانے یا مخاطب کے سننے یا اس سے استغاثہ پر دلیل نہیں جیسا کہ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کا حجر اسود سے خطاب کہ:

((إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْلَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ يُقَبِّلُ مَا قَبَّلْتُكَ ۔ أخرجه البخاری و مسلم كذا فی المشكاة))

''میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نفع اور نقصان نہیں دے سکتا، اگر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرا بوسہ لیتے نہ دیکھتا تیرا بوسہ نہ لیتا۔ بخاری اور مسلم نے روایت کیا جیسا کہ مشکوۃ میں ہے۔''

اور جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو خطاب کیا کہ:

((وَاللّٰهِ إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ وَلَوْلَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ))

''اللہ کی قسم تو اللہ کی اچھی زمین ہے اور اللہ کی زمین سب سے زیادہ پیاری۔ اگر میں تجھ سے نہ نکالا جاتا تو نہ جاتا۔''

ترمذی اور ابن ماجہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا جیسا کہ مشکوۃ میں ہے۔

اس طرح ''سبعہ معلقات'' (۹) میں امرؤ القیس کا شعر ہے کہ:

ألا أيها الليل الطويل الا انجلى   بصبح و ما الاصباح منك بأمثل

''اے طویل رات صبح کے ساتھ روشن ہو   مگر تیری صبح بھی تو میرے لیے کوئی بہتر نہیں ہے''

جب یہ سب خطابات اس نیت سے ہرگز نہیں کہ مخاطب سنتا ہے:

((فإذا جاء الإحتمال بطل الإستدلال و هو السابع))

اے عمر رضی اللہ عنہ ہمارے لیے ایک ایک کپڑا، تیرے لیے دو ہم تیری اطاعت نہیں کریں گے، سلمان رضی اللہ عنہ

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کہیں سے بہت سے کپڑے آئے تو آپ نے لوگوں

میں وہ کپڑے تقسیم کر دیے۔ ہر آدمی کو کپڑا ملا، پھر آپ رضی اللہ عنہ منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بدن پر کپڑوں کا جوڑا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگو! میری بات سنو۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نہ آپ کی بات سنتے ہیں اور نہ مانتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعجب ہو کر کہا کہ اے ابوعبداللہ! کیوں؟ اُنھوں نے کہا کہ آپ نے ہم میں تو ایک ایک کپڑا تقسیم کیا اور اپنی ذات کے لیے دو کپڑے رکھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابوعبداللہ! جلدی نہ کرو، پھر آواز دی۔ اے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما! ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ امیر المؤمنین! میں حاضر ہوں، فرمایے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تجھے خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ جو کپڑا میں نے پہنا ہوا ہے، کیا یہ تیرا کپڑا ہے؟ اُنھوں نے کہا کہ جی ہاں، یہ میرا ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں، اب ہم آپ کی بات سنیں گے اور اطاعت بھی کریں گے۔[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ تاریخ طبری (۵/۲۴) اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: قصص لا تثبت جلد ۷ ص ۷۵۔

قریش کی دعوت کون میرا قرض ادا کرے گا؟ علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں!

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴾ [الشعراء:٢١٤]

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان والوں کو جمع کیا، تیں آدمی اکٹھے ہوئے اور سب نے کھایا پیا، نبی علیہ السلام نے ان سے فرمایا میرے قرضوں اور وعدوں کی تکمیل کی ضمانت کون دیتا ہے کہ وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا، اور میرے اہل خانہ میں میرا نائب ہوگا؟ کسی شخص نے بعد میں نبی علیہ السلام سے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ تو سمندر تھے، آپ کی جگہ کون کھڑا ہو سکتا تھا؟ بہر حال! نبی علیہ السلام نے دوسرے سے بھی یہی کہا، بالآخر اپنے اہل بیت کے سامنے یہ دعوت پیش کی، تو حضرت علی

رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ کام میں کروں گا۔ ①

① اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ مسند احمد (۱۱۱/۱) حدیث رقم (۸۸۳) شعیب الارناؤط نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل بہت سارے ہیں لیکن یہ روایت منکر ہے اور اس کے سارے شواہد کمزور ہیں۔ اس کی تمام اسناد ضعیف ہیں۔ کشف الاستار (۱۸۳/۳) میں ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ان دونوں کی اسناد میں عباد بن عبداللہ اسدی ضعیف ہے اور اس میں ایک راوی شریک نہایت برے حافظے والا ہے اور اس میں اعمش مدلس کا عنعنہ ہے۔ اس کے کمزور سے شواہد ابن اسحٰق کے ہاں السیر والمغازی (۱۴۶،۱۴۵) میں دیکھیں۔ اس کی سند میں عبدالغفار بن قاسم ابو مریم متروک الحدیث، سخت جھوٹا اور شیعہ ہے۔ (تفسیر طبری (۷۵،۷۴/۱۹) ابن کثیر کی تفسیر (۳۵۱/۳) اس کے تعارف کے لیے دیکھیں: ضعفاء عقیلی (۱۰۱/۳۰) ابن اسحٰق نے اپنی سند میں اسے مبہم رکھا ہے اور احمد بن عبدالجبار عطاری نے اس کا پول کھولا ہے۔ (دلائل النبوۃ بیہقی: ۱۸۰،۱۷۸/۲) طبقات ابن سعد (۱۸۷/۱) کی سند میں واقدی اور یزید بن عیاض دونوں متروک الحدیث ہیں۔
ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں ایسی سند سے روایت کیا ہے، جس میں عبداللہ بن عبدالقدوس رافضی ضعیف ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۳۵۲،۳۵۱/۳) منہاج السنۃ ابن تیمیہ (۸۱/۴) النسائی کی خصائص علی رضی اللہ عنہ رقم (۶۶)، تاریخ طبری: (۳۲۱/۲) دونوں نے ضعیف سند سے روایت کیا۔ اس میں ربیعہ بن ناجد ازدی کوفی ہے جس کے بارے میں ذہبی نے کہا ہے کہ اس کی پہچان کی توقع ہی نہیں اور اس راوی سے ابو صادق نے ایک منکر حدیث نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی میرا بھائی اور میرا وارث ہے۔ (میزان الاعتدال (۴۵/۲) باقی رہی یہ بات کہ ابن حجر نے تقریب (۲۰۸) میں اس کی توثیق کی ہے تو دراصل اس معاملہ میں انھوں نے ابن حبان اور عجلی کی متابعت کی ہے اور یہ دونوں اس معاملہ میں تساہل برت جاتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب: ۲۶۳/۳)

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا قصہ

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگنائی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ آپ کے پاس سے گزرے آپ نے فرمایا بیٹھتے نہیں ہو؟ وہ بیٹھ گئے، آپ اس کی طرف متوجہ ہو کر باتیں کر رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دفعۃً اپنی نظریں آسمان کی جانب اُٹھائیں کچھ دیر اوپر ہی دیکھتے رہے، پھر نگاہیں آہستہ آہستہ نیچی کیں اور اپنی دائیں جانب زمین کی طرف

دیکھنے لگے اور اسی طرف آپ نے رُخ بھی کر لیا اور اسی طرح سر ہلانے لگے گویا کسی سے کچھ سمجھ رہے ہیں اور کوئی آپ سے کچھ کہہ رہا ہے تھوڑی دیر تک یہی حالت طاری رہی پھر آپ نے نگاہیں اونچی کرنی شروع کیں، یہاں تک کہ آسمان تک آپ کی نگاہیں پہنچیں پھر آپ ٹھیک ٹھاک ہو گئے اور اسی پہلی بیٹھک پر عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔ وہ یہ سب دیکھ رہا تھا، اس سے صبر نہ ہو سکا، پوچھا کہ حضرت آپ کے پاس کئی بار بیٹھنے کا اتفاق ہوا لیکن آج جیسا منظر تو کبھی نہیں دیکھا، آپ نے پوچھا تم نے کیا دیکھا؟ اس نے کہا یہ کہ آپ نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اُٹھائی پھر نیچی کر لی اور اپنے دائیں طرف دیکھنے لگے اور اسی طرف گھوم کر بیٹھ گئے، مجھے چھوڑ دیا، پھر اس طرح سر ہلانے لگے جیسے کوئی آپ سے کچھ کہہ رہا ہو اور آپ اسے اچھی طرح سن رہے ہوں۔ آپ نے فرمایا میرے پاس اللہ کا نازل کردہ فرشتہ وحی لے کر آیا تھا اس نے کہا اللہ کا بھیجا ہوا؟ آپ نے فرمایا ہاں، ہاں اللہ کا بھیجا ہوا۔ پوچھا اس نے آپ سے کیا کہا؟ آپ نے یہی آیت پڑھ سنائی۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسی وقت میرے دل میں ایمان بیٹھ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے میرے دل میں گھر کر لیا۔ ایک اور روایت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا جو آپ نے اپنی نگاہیں اوپر کو اُٹھائیں اور فرمایا حضرت جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں اس آیت کو اس سورت کی اس جگہ رکھوں۔ [1]

---

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ مسند احمد (۳۱۸/۱) حدیث رقم (۲۹۱۹) والطبرانی فی الکبیر رقم (۸۳۲۲) مجمع الزوائد: کتاب التفسیر (۴۸/۷) حدیث رقم (۱۱۱۱۹) طبقات ابن سعد (۱۷۵،۱۷۴/۱) اس کی سند میں شہر بن حوشب راوی صدوق تو ہے مگر اکثر مرسل روایت بیان کرتا ہے اور کثیر الوہم بھی ہے۔ تقریب التہذیب (۲۶۹) اگر اس کی ارسال کی علت ختم بھی ہو جائے تو وہم کی علت باقی رہتی ہے۔ لہٰذا یہ سند لامحالہ ضعیف ہے۔ (یاد رہے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے جلد ہی اسلام قبول کر لیا تھا)

جب سیدنا علی، زید بن حارثہ اور جعفر رضی اللہ عنہم خوشی سے اچھلنے کودنے لگے

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت جعفر اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو کہا تو ہمارا مولا ہے تو وہ خوشی سے اُچھلنے کودنے لگے اور جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا تو صورت اور سیرت میں میرے مشابہ ہے۔ تو وہ بھی اُچھلنے کودنے لگے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے آپ نے کہا انت منی تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں تو وہ بھی خوشی سے اُچھلنے کودنے لگے۔ ①

① اسنادہ ضعیف - اس کی سند ضعیف ہے۔ مسند احمد (۱/۱۰۸) حدیث رقم (۸۵۷) اس میں ھانی بن ھانی راوی کو ابن مدینی نے مجہول کہا ہے۔ تہذیب الکمال (۱۹/۲۲۲/۱۲۴۷) تہذیب التہذیب (۱۱/۲۲) میزان الاعتدال (۴/۲۹۱/۹۱۹۹) نیز اس میں ابی اسحاق السبیعی راوی مدلس ہے۔ یہ سارا قصہ ایک راوی کی جہالت اور دوسرے کی تدلیس کی وجہ سے واہی ہے۔ اور اس سے صوفیاء کا وجد و حال کی دلیل لینا باطل ہے۔ چونکہ یہ قصہ ثابت ہی نہیں۔

ابوجہل نے تھپڑ مارا، اسماء رضی اللہ عنہا کے کان کی بالی گر گئی

ابن اسحاق کہتے ہیں اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ چلے گئے تو قریش کا ایک گروہ ہمارے پاس آیا جس میں ابوجہل بھی تھا اور ہمارے گھر کے دروازے پر کھڑا ہوا۔ میں اُس کے پاس گئی اُس نے پوچھا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی! تیرا باپ کہاں ہے؟ میں نے کہا مجھے نہیں معلوم کہاں گئے ہیں۔ ابوجہل نے میرے ایک طمانچہ اس زور سے مارا کہ میرے کان کی بالی نکل پڑی۔ پھر وہ سب چلے گئے۔

اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں ہم کو خبر نہ تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرف تشریف لے گئے ہیں اور اس بے خبری میں ہم کو تین روز گزر گئے۔ چوتھے روز ایک جن مکہ کے نیچے کی طرف سے چند اشعار

گاتا ہوا نکلا۔ اُس کی آواز لوگوں کو سنائی دیتی تھی مگر کوئی گانے والا دکھائی نہ دیتا تھا اور وہ جن مکہ کی اُوپر کی طرف جا کر غائب ہو گیا۔ اس کے اشعار کے مضمون سے میں سمجھ گئی کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ کی طرف تشریف لے گئے ہیں۔ ①

① اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اس کو ابن اسحاق نے سیرت النبی ﷺ میں روایت کیا ہے۔ اس میں انقطاع ہے نیز اس کو ابن اسحٰق نے فحدثت کے مجہول صیغے سے روایت کیا ہے۔ اس میں جن اشعار کی طرف اشارہ ہے وہ بھی باسند صحیح ثابت نہیں۔

سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا تھا؟

شیخ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ روایت ہے کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ ①

① اسنادہ موضوع۔ اس کی سند من گھڑت ہے۔ سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة (۱۴۰/۲) حدیث رقم (۷۰۱) رواہ العقیلی فی الضعفاء (۱۸۵) وابن عدی (۱/۱۹۸) وابن عساکر (۱/۲۸۸/۷) اس میں شیخ ابن ابی خالد کی بیان کردہ روایات منکر ہوتی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے کندھوں پر چڑھ کر کعبہ سے بت اُتارا اور توڑ دیا

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں نبی علیہ السلام کے ساتھ روانہ ہوا، ہم خانہ کعبہ پہنچے تو نبی علیہ السلام نے مجھ سے بیٹھنے کے لیے فرمایا اور خود میرے کندھوں پر چڑھ گئے، میں نے کھڑا ہونا چاہا لیکن نہ ہو سکا، نبی علیہ السلام نے جب مجھ میں کمزوری کے آثار دیکھے تو نیچے اتر آئے، خود بیٹھ گئے اور مجھ سے فرمایا میرے کندھوں پر چڑھ جاؤ، چنانچہ میں نبی علیہ السلام کے کندھوں پر سوار ہو گیا اور نبی علیہ السلام

مجھے لے کر کھڑے ہو گئے۔

اس وقت مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اگر میں چاہوں تو اُفق کو چھولوں، بہر حال! میں بیت اللہ پر چڑھ گیا، وہاں پیتل یا تانبے کی ایک مورتی نظر آئی، میں اسے دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے دھکیلنے لگا، جب میں اس پر قادر ہو گیا تو نبی علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا اسے نیچے پھینک دو، چنانچہ میں نے اسے نیچے پٹخ دیا اور وہ شیشے کی طرح چکنا چور ہو گئی، پھر میں نیچے اتر آیا۔

پھر میں اور نبی علیہ السلام ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے، تیزی سے روانہ ہو گئے یہاں تک کہ گھروں میں جا کر چھپ گئے، ہمیں یہ اندیشہ تھا کہ کہیں کوئی آدمی نہ مل جائے۔[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف ۔اس کی سند ضعیف ہے۔مسند احمد (۸٤/۱) حدیث رقم (٦٤٤) علامہ شعیب الارناؤط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

فتح مکہ اور کعبے کے کنجی بردار عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

روایت ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا اور اطمینان کے ساتھ بیت اللہ شریف میں آئے اور اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر طواف کیا۔ حجر اسود کو اپنی لکڑی سے چھوتے تھے اس کے بعد عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو جو کعبہ کی کنجی بردار تھے بلایا ان سے کنجی طلب کی اُنھوں نے دینا چاہی اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب یہ مجھے سونپئے تاکہ میرے گھرانے میں زمزم کا پانی پلانا اور کعبہ کی کنجی رکھنا دونوں ہی باتیں رہیں یہ سنتے ہی حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ روک لیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ طلب کی پھر وہی واقعہ ہوا آپ نے تیسری بار طلب کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر دے دی کہ اللہ کی امانت آپ کو دیتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کا دروازہ کھول کر اندر گئے اور تمام اُمور سے فارغ ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم چابی مجھے عنایت فرمائی جائے تاکہ بیت اللہ کی چوکیداری کا اور حاجیوں کو زمزم پلانے کا منصب دونوں یکجا ہو جائیں لیکن آپ نے انھیں نہ دی مقام ابراہیم کو کعبہ کے اندر سے نکال کر آپ نے کعبہ کی

دیوار سے ملا کر رکھ دیا اور لوگوں سے کہہ دیا کہ تمھارا قبلہ یہی ہے پھر آپ طواف میں مشغول ہو گئے ابھی وہ چند پھیرے ہی پھرے تھے کہ جو حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ نے اپنی زبان مبارک سے اس آیت کی تلاوت شروع کی:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ [النساء: ٥٨]

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے ماں باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں میں نے تو اس سے پہلے آپ کو اس آیت کی تلاوت کرتے نہیں سنا اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انھیں کنجی سونپ دی اور فرمایا آج کا دن وفا، نیکی اور سلوک کا دن ہے۔[1]

[1] اسناده ضعيف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اخرجها ابن مردويه كما في لباب النقول في اسباب النزول ص (٧١) للامام السيوطي ۔ الدر المنثور (١٧٤/٢) تفسير ابن كثير (٢٠٧/٢) من طريق كلبي عن ابي صالح۔ اس میں کلبی راوی متروک الحدیث ہے۔ الجرح والتعدیل (۲۰۷/۷) اس کی تفسیر باطل ہے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس کے متروک ہونے پر اتفاق ہے۔ یہ ذاہب الحدیث ہے۔ الضعفاء المتروکین ترجمہ (۵۱۴) الکامل لابن عدی (۱۱۴/۶) (۱۶۲۶/۵) الضعفاء الکبیر للعقیلی (۷۸/۴۔ ۱۶۳۲) التاریخ الکبیر للبخاری (۱-۱-۱۰۱) میزان الاعتدال (۵۵۶/۳) (۷۵۷۴) دوسرا راوی باذام ابو صالح مولیٰ ام ھانی ضعیف اور مدلس ہے، التقریب (۹۳/۱) میزان الاعتدال (۱-۲۹۶-۱۱۲۱) اس کا دوسرا طرق تفسیر طبری میں ہے وہ بھی ضعیف ہے۔

فضالہ بن عمیر کا دوران طواف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ

ابن ہشام کہتے ہیں فضالہ بن عمیر بن ملوح لیثی نے ارادہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کعبہ کا طواف فرما رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فضالہ ہو؟ عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوں۔ فرمایا تم کس ارادے سے آئے ہو؟ عرض کیا کچھ نہیں خدا کو یاد کر رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا سے مغفرت مانگو اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ فضالہ کے سینہ پر رکھا جس سے ان کے دل کو تسکین ہوئی۔

فضالہ کہتے ہیں خدا کی قسم آپ ﷺ نے دستِ مبارک میرے سینے سے اُٹھایا ہی تھا کہ اللہ کی ساری مخلوق میں ان سے زیادہ میرے لیے کوئی محبوب نہ تھا۔ [1]

[1] ابن ہشام نے اس کو بلا سند بیان کیا ہے، شیخ البانی کہتے ہیں ابن ہشام نے اس کی کوئی متصل سند بیان نہیں کی کہ اس کے راویوں کے بارے میں غور کیا جاسکے۔ لہٰذا یہ روایت صحیح نہیں۔

علاء الحضرمی کی تین حیرت انگیز کرامات

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں جب نبی کریم ﷺ نے علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین کی طرف بھیجا تو میں بھی ان کے ساتھ ہولیا۔ میں نے راستے میں ان کے تین کام دیکھے۔ میں نہیں جانتا کہ ان میں سے زیادہ حیرت انگیز کون سا ہے۔

جب ہم دریا کے کنارے پہنچے تو اُنھوں نے کہا اللہ کا نام لے کر پانی میں اتر جاؤ۔ ہم نے اللہ کا نام لیا اور اتر گئے اور ہم نے اسے یوں عبور کرلیا کہ ہمارے اونٹوں کے تلوے بھی پانی سے تر نہ ہوئے۔

واپسی پر ہم ان کے ساتھ جنگل سے گزر رہے تھے ہمارے پاس پانی نہ تھا ہم نے حضرت علاء رضی اللہ عنہ سے اس صورت حال کا شکوہ کیا۔ اُنھوں نے دو رکعت نماز ادا کر کے دعا کی تو اچانک ایک ڈھال نما بادل گھر آیا اور خوب جم کر برسا۔ ہم نے خود بھی پانی پیا اور جانوروں کو بھی پلایا۔

پھر حضرت علاء رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے تو ہم نے انھیں ایک جگہ ریت میں دفن کر دیا ابھی ہم کچھ ہی دور گئے ہوں گے کہ ہمیں خیال آیا کہ درندے آکر ان کی لاش کو کھا جائیں گے۔ یہ سوچ کر ہم واپس آئے مگر وہاں قبر میں آپ رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے۔ [1]

[1] اسنادہ ضعیف ۔اس کی سند ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد (۳۷۶/۹) حدیث رقم (۱۶۰۰۷) کتاب المناقب۔ ورواہ الطبرانی فی الکبیر (۹۵/۱۸) و طبرانی صغیر رقم (۴۰۰) ہیثمی کہتے ہیں اس میں ابراہیم بن معمر الھروی جو اسماعیل کا والد ہے میں اسے نہیں جانتا۔ یہ مجہول ہے۔ نوٹ اس قصہ کی کوئی سند صحیح نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب واقعہ یا ساریۃ الجبل کی حقیقت

نافع سے روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جنگ کے لیے لشکر بھیجا اور ایک شخص کو ان کا امیر بنایا جسے ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے۔ ایک روز عمر فاروق رضی اللہ عنہ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے کہ دوران خطبہ فرمایا:

((سارية الجبل يا سارية الجبل))

''اے ساریہ پہاڑ کی پناہ لو اے ساریہ پہاڑ کی پناہ لو۔''

تو لوگوں نے دیکھا کہ اسی وقت جمعہ کے دن ساریہ رضی اللہ عنہ پہاڑ کی طرف چل دیے۔ حالانکہ ان کے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک مہینے کے سفر کا فاصلہ تھا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر بھیجا۔ جس کا امیر ساریہ نام کے ایک آدمی کو بنایا۔ کہتے ہیں اس کے بعد ایک جمعہ کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک منبر پر بلند آواز سے پکارنے لگے یا ساریہ الجبل یا ساریہ الجبل۔

جب لشکر کا پیغام رساں (جو فتح کی بشارت لے کر آتا ہے) مدینہ طیبہ میں پہنچا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے جنگ کے احوال پوچھے تو اس نے بتایا امیر المومنین رضی اللہ عنہ! جب دشمن سے ہمارا مقابلہ ہوا تو انھوں نے ہمیں بھاگنے پر مجبور کر دیا مگر اچانک ہمیں آواز آئی کوئی پکار پکار کر کہہ رہا تھا یا ساریہ الجبل تو ہم نے پہاڑ کی پناہ لے لی۔ تب اللہ نے دشمن کو شکست دی تو لوگوں نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا آپ رضی اللہ عنہ ہی (فلاں دن جمعہ کے خطبہ میں) کہہ رہے تھے یا ساریہ الجبل۔

نصر بن ظریف سے روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر روانہ کیا جن کا امیر ساریہ بن زنیم کو بنایا گیا تھا۔ ایک روز دوران خطبہ جمعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ پکار کر کہا:

((يا ساريه بن زنيم الجبل الجبل - قد ظلم من استوعى الذئب الغنم))

''اے ساریہ بن زنیم پہاڑ کی پناہ لو پہاڑ کی پناہ۔ جو آدمی بکریوں کی نگرانی بھیڑیے

سے کروائے تحقیق وہ بڑا ظالم ہے۔“

کہتے ہیں یہ آواز ساریہ کو سنائی دی، جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو پتا چلا تو وہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کیا آپ رضی اللہ عنہ ایک دیہاتی آدمی ہیں دوران خطبہ تین مرتبہ چیخ چیخ کر ”اے ساریہ بن زنیم پہاڑ کی اوٹ لو پہاڑ کی اوٹ لو جس نے بھیڑیے کو بکریوں کا چرواہا مقرر کیا تحقیق اس نے بڑا ظلم کیا۔ کہنے کا مطلب ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے یہ خوف طاری تھا کہ دشمن اسے پہاڑ کی پناہ لینے پر مجبور کر دے گا اور یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو میری آواز پہنچا دے۔ کہتے ہیں پھر ساریہ بن زنیم واپس آئے تو انھوں نے بتلایا کہ میں نے فلاں جمعہ کو دن کے بارہ بجے یہ آواز سنی تھی اے ساریہ بن زنیم پہاڑ کی اوٹ لو پہاڑ کی اوٹ لو۔ تحقیق وہ بڑا ظالم ہے جس نے بھیڑیے کو بکریوں کا نگران بنایا۔

عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز عمر فاروق رضی اللہ عنہ خطبہ جمعہ ارشاد کر رہے تھے مگر اچانک خطبہ بند کر کے دو یا تین بار یہ کہا اے ساریہ پہاڑ کی طرف جاؤ۔ پھر خطبہ کا سلسلہ جاری کر دیا، ناظرین نے جو اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھے یہ دیکھ کر کہا ان پر جنون ہو گیا ہے۔ مجنون نظر آ رہے ہیں۔ یہ کیا ہوا کہ دوران خطبہ کہہ رہے ہیں اے ساریہ پہاڑ کی طرف جاؤ؟

تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (نماز جمعہ کے بعد) آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے کیونکہ وہی آپ رضی اللہ عنہ سے مطمئن ہو کر بات کر سکتے تھے۔ کہنے لگے آج میں نے آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگوں کو بہت ملامت کی۔ (انھیں ڈانٹ ڈپٹ کے خاموش کیا ہے) یاد رکھیے آپ نہ لوگوں کو اپنے متعلق باتیں کرنے کا موقع دے رہے ہیں۔ آج آپ دوران خطبہ آواز لگانے لگے ”اے ساریہ پہاڑ کی اوٹ لو، آخر یہ کیا ہے؟

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بخدا میں نے یہ بے اختیار کہا ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ لوگ پہاڑ کے پاس جنگ کر رہے ہیں اور آگے پیچھے سے گھرے ہوئے ہیں۔ تو میں نے بے ساختہ پکار کر کہا۔ ”اے ساریہ پہاڑ“! تاکہ وہ پہاڑ کی پناہ لے لیں۔

چند ہی روز بعد حضرت ساریہ کا پیغام رساں ان کا خط لے کر آ گیا۔ جس میں لکھا تھا کہ جمعہ

کے روز دشمن سے ہمارا سامنا ہوا ہم نے نماز فجر سے لڑنا شروع کیا اور جمعہ کا وقت آ گیا اور رسالے اپنا رخ بدلنے لگے۔ تو اچانک ہم نے سنا کوئی پکار کر کہہ رہا تھا۔

اے ساریہ پہاڑ! یہ آواز دو مرتبہ آئی۔ تو ہم پہاڑ کے دامن میں چلے گئے اور بڑھ کر دشمن پر حملہ کرنے لگے تا آنکہ اللہ نے انھیں شکست سے دوچار کیا اور تباہ کر ڈالا۔ تب ان اعتراض کرنے والوں نے کہا۔ ان صاحب کو رہنے دیجیے انھیں یہ مقام واقعتاً عطا کیا گیا ہے۔[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اگرچہ البانی نے اس کو صحیح کہا ہے مگر یہ واقعہ باسند صحیح ثابت نہیں۔ سلسلة الاحادیث صحیحة (۳/۱۰۱) حدیث رقم (۱۱۱۰) مشکاة المصابیح (۵۹۵٤) تحقیق الالبانی۔ البانی کا اس واقعہ کو صحیح کہنا درست نہیں ہے۔ اس کی مزید تفصیل درج ذیل ہے

اس کو بیہقی نے دلائل میں اور ابن العرابی نے کرامات الاولیاء وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ تمییز الطیب من الخبیث فی مایدور علی السنة الناس من الحدیث ص ۱۹۸۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے اور فرمایا ہے کہ ساریہ کے کانوں میں کسی جن نے آواز ڈالی ہوگی۔

اس واقعہ کی تین سندات ہیں لیکن سندات پر گفتگو تو ہم بعد میں کریں گے۔ فی الوقت تو ہمارے ذہن میں چند شبہات سر ابھار رہے ہیں پہلے ہم وہ قارئین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ فارس، ایران اور اس کے قرب و جوار کے علاقہ پر جتنے لشکر بھیجے گئے اور ان کے جو امیر بنائے گئے آج تک ہمیں کسی تاریخ میں یہ دستیاب نہیں ہو سکا کہ ساریہ رضی اللہ عنہ کو کس لشکر کا امیر بنایا گیا اور کہاں بھیجا گیا اور وہ کون سی جنگ تھی جس میں اُنھوں نے کامیابی حاصل کی۔ اس سے پوری تاریخ خاموش ہے حالانکہ اتنا اہم واقعہ تو ہر کتاب کی زینت بننا چاہیے تھا۔

۲۔ یہ روایت جن جن کتابوں میں پائی جاتی ہے وہ علماء کی نظروں میں سب غیر معروف اور نامعتبر ہیں۔ مثلاً حرملہ کی الجمع کا آج کوئی وجود نہیں۔

۳۔ واقدی کے علاوہ جن لوگوں نے اس روایت کو نقل کیا وہ سب متاخرین میں داخل ہیں۔

۴۔ تاریخ جنگ فارس میں ایک واقعہ، واقعہ جسر کے نام سے مشہور ہے۔ جو ابو عبید ثقفی اور بہمن کے مابین پیش آیا۔ لیکن اس جنگ کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ نو ہزار مسلمانوں میں سے چھ ہزار شہید ہوئے اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے جو پوری تاریخ اسلام میں واحد واقعہ ہے۔ یہ واقعہ بروز ہفتہ رمضان ۱۳ھ میں پیش آیا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے الفاروق ص ۱۴۴ لیکن اتنی المناک شکست کے باوجود وہاں اس جناتی کرامت کا کوئی ظہور نہیں ہوا۔ اور

ایک نامعلوم مقام پر اور نامعلوم جنگ میں اتنی بڑی کرامت کا ظہور ہوا۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس نے طالب علمی کے دور سے آج تک ہمیں الجھا رکھا ہے اور بچپن سے آج تک ایک لمحہ کے لیے بھی میرے ذہن نے اس کرامت کو قبول نہیں کیا اور نہ آج تک میں یہ معلوم کر سکا کہ یہ ساریہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ لشکر کس جگہ گیا تھا اور وہ کون سی جنگ تھی جو پیش آئی تھی۔

۵۔ اس تگ و دو سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ ساریہ کا نسب نامہ معلوم ہو گیا جو قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔

ساریہ بن زنیم بن عمرو بن عبداللہ بن جابر بن نجبۃ بن عبد بن عدی بن ویل بن بکر بن عبد مناف بن کنانہ۔

اس نسب نامہ سے یہ معلوم ہوا کہ ان کا تعلق بنو بکر بن کنانہ سے ہے۔ قریش اور انصار سے نہیں۔

جہاں تک اس کی سندات کا تعلق ہے وہ صرف تین ہیں۔

۱۔ واقدی، اسامۃ بن زید، زید بن اسلم۔ عمر رضی اللہ عنہ

۲۔ ابن وہب، یحییٰ بن ایوب، ابن عجلان، نافع، ابن عمر رضی اللہ عنہ

۳۔ میمون بن مہران، ابن عمر رضی اللہ عنہ

پہلی سند کے دو راوی قابل اعتراض ہیں، واقدی اور اسامۃ بن زید۔

واقدی:

ان ذات شریف کا نام محمد بن عمر بن واقد الاسلمی المدنی ہے۔ اس کا دادا واقد عبداللہ بن بریدۃ بن الحصیب کا غلام تھا۔ یہ واقدی ۱۳۰ھ میں پیدا ہوا۔ ابن جریج، ابن عجلان، معمر اور ثور بن یزید وغیرہ سے روایات نقل کیں۔ ذہبی کا بیان ہے کہ ذی الحجہ ۲۰۷ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس وقت یہ قاضی تھا۔ لیکن امام بخاری نے سن وفات ۲۰۹ یا اس کے کچھ بعد بیان کیا ہے۔

ابن ماجہ نے اس کی روایت یہ کہہ کر نقل کی کہ ہم سے ابن ابی شیبہ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ایک شخص نے بیان کیا۔ اس نامعلوم شخص سے مراد واقدی ہے۔ جو بغداد کا قاضی تھا۔ حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ ابن ماجہ میں اتنی جرأت ہی پیدا نہ ہو سکی کہ وہ واقدی کا نام لیتے۔

(صحاح ستہ کے مصنفین میں سے ابن ماجہ کے علاوہ کسی نے اس کی روایت نہیں لی اور ابن ماجہ نے بھی صرف ایک روایت لی اور وہ اس کا نام ظاہر کرنے کی جرأت بھی نہ کر سکے۔ یعنی یہ حضرت اس کا پورا مصداق تھے کہ بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، یہ احادیث میں تبدیلیاں کرتا۔ زہری کے بھتیجے سے مروی روایات امام معمر کی جانب منسوب کرتا اور اسی قسم کی حرکات کرتا تھا۔

یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ یہ ثقہ نہیں اور ایک بار کہا کہ اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ بخاری اور ابو حاتم کہتے

ہیں متروک ہے۔ ابوحاتم اور نسائی یہاں تک کہتے ہیں کہ واقدی احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ دارقطنی کا بیان ہے کہ اس میں کمزوری پائی جاتی ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں اس کی روایات درست نہیں ہوتیں۔ اور تمام آفت اسی کی مچائی ہوئی ہے۔

ابن الجوزی وغیرہ کا بیان ہے کہ اس واقدی کو محمد بن ابی شملہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ نام دھوکہ دینے کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ تاکہ لوگوں میں اس فرضی نام سے اس کی داستانیں پھیلائی جائیں۔ لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے واقدی کے بعد ابن ابی شملہ کا ذکر کیا ہے، جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ابن ابی شملہ کو کوئی دوسرا فرد سمجھتے ہیں۔

ابوغالب ابن بنت معاویہ بن عمرو کا بیان ہے کہ میں نے امام علی ابن المدینی کو کہتے سنا ہے کہ واقدی احادیث وضع کیا کرتا تھا۔

مجاہد بن موسیٰ کہتے ہیں میں نے جن لوگوں سے روایات لکھی ہیں ان میں واقدی سے زیادہ حافظہ کسی کا نہیں پایا۔

ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ بات سچ ہے اس لیے کہ تاریخی واقعات، سیرتیں، غزوات، حوادث زمانہ لوگوں پر گزرے ہوئے وقت اور فقہ ان سب چیزوں میں اسے انتہائی کمال حاصل تھا۔

سلیمان الشاذکونی کا بیان ہے کہ واقدی یا تو سب سے سچا ہے اور یا سب سے زیادہ جھوٹا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اس سے روایات لکھیں۔ جب میں نے واپسی کا ارادہ کیا تو میں نے وہ لکھی ہوئی روایات لے کر اس کے پاس آیا اور ان روایات کے سلسلہ میں اس سے سوالات کرنے لگا۔ وہ انھیں بیان کرتا جاتا اور اس تحریر اور اس بیان میں ایک حرف کا بھی تغیر پیدا نہیں ہوا۔ میں نے بلحاظ حافظہ ایسا کوئی دوسرا انسان نہیں دیکھا۔

ابوداؤد رحمہ اللہ کہتے ہیں مجھ تک علی بن المدینی کا یہ قول پہنچا ہے کہ واقدی تیس ہزار غریب احادیث روایت کرتا ہے اور مغیرۃ بن محمد المہلبی نے ابن المدینی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ میرے نزدیک ہیثم بن عدی واقدی سے زیادہ بہتر ہے میں اس سے نہ تو حدیث میں خوش ہوں، نہ انساب میں اور نہ کسی اور شے میں۔

اسحاق بن الطباع کا بیان ہے کہ میں نے مکہ کے راستہ میں واقدی کو دیکھا۔ وہ تو نماز بھی اچھی طرح نہ پڑھتا تھا۔

بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں اس سے محدثین نے سکوت اختیار کیا ہے۔ میرے پاس اس کی کوئی روایت نہیں۔ اسحاق بن راہویہ کا قول ہے کہ واقدی میرے نزدیک احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۶۶۳۔

امام بخاری رحمہ اللہ الضعفاء الصغیر میں لکھتے ہیں محمد بن عمر الواقدی بغداد کا قاضی تھا۔ مالک اور معمر سے روایت

نقل کرتا ہے۔ متروک الحدیث ہے ۲۰۹ یا اس کے کچھ بعد اس کا انتقال ہوا۔ الضعفاء الصغیر ص ۱۰۴۔
امام نسائی لکھتے ہیں محمد بن عمر الواقدی متروک الحدیث ہے۔ کتاب الضعفاء والمتروکین للنسائی ص ۹۳۔ حافظ ابن حجر نے بھی اسے متروک قرار دیا۔ تقریب ص ۳۱۴۔
دار قطنی لکھتے ہیں۔ اس کے بارے میں اختلاف ہے لیکن اس کی حدیث سے اس کا ضعف ظاہر ہے۔ کتاب الضعفاء والمتروکین الدار قطنی ص ۱۵۳۔
عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رقم طراز ہیں۔
سنید بن ابی داؤد کا بیان ہے کہ ہم ہیثم کے پاس بیٹھے تھے، اتنے میں واقدی آ گیا اور سوال کیا اے ہیثم فلاں مسئلہ میں آپ کے پاس کتنی حدیثیں ہیں۔ ہیثم نے پانچ یا چھ حدیثیں بیان کیں اور پھر واقدی سے دریافت کیا تمھارے پاس کتنی حدیثیں ہیں۔ اس نے احادیث، اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم تیس کی تعداد میں بیان کیے اور پھر کہنے لگا۔ میں نے اس سلسلہ میں مالک سے سوال کیا۔ میں نے ابن ابی ذئب سے سوال کیا۔ میں نے فلاں سے دریافت کیا اور فلاں سے دریافت کیا۔ سنید کا بیان ہے کہ میں نے ہیثم کے چہرے کو دیکھا تو ان کا چہرہ متغیر ہو گیا تھا یہ دیکھ کر واقدی اُٹھ کر چلا گیا۔ ہیثم نے کہا اے سنید اگر یہ شخص سچا ہے تو دنیا میں اس کی مثال نہیں اور اگر جھوٹا ہے تب بھی اس کی کوئی مثال نہیں۔
یونس بن عبدالاعلیٰ کا بیان ہے کہ مجھ سے شافعی نے فرمایا کہ واقدی کی تمام کتابیں خالص جھوٹ ہیں۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں ہم نے واقدی کی احادیث پر غور کیا تو وہ اہل مدینہ کی جتنی روایات نقل کرتا ہے وہ سب مجہول راویوں سے ہوتی ہیں اور سب منکر ہوتی ہیں (جیسا کہ واقعہ حرہ اور مدینہ کو حلال کرنا اور ایک ہزار عورتوں کا حاملہ ہونا تو ہمیں یہ خیال پیدا ہوا کہ ہو سکتا ہے یہ سب منکرات اسی کی وضع کردہ ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ روایات ان مجہول راویوں نے گھڑی ہوں اور یہ صرف ناقل ہو۔ لیکن جب ہم نے ان روایات پر غور کیا جو اس نے ابن ابی ذئب اور معمر جیسے لوگوں سے نقل کی ہیں۔ حالانکہ وہ ان کی احادیث یاد رکھنے میں مشہور تھا۔ تو اس نے ان سے بھی منکر روایات نقل کی تھیں۔ جس سے ہمیں یہ یقین ہو گیا کہ یہ سب اسی کی کارستانی ہے۔
ابوزرعہ کا قول ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ الجرح والتعدیل ج ۸ ص ۲۰۔
بلکہ سمعانی وغیرہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ واقدی کی جانب جتنی کتابیں منسوب ہیں یہ اس کی کتابیں نہیں بلکہ ابراہیم بن محمد المدینی رافضی کی تصانیف ہیں اور چونکہ وہ بہت بدنام ہو چکا تھا اس لیے واقدی نے اس کی کتابوں کو اپنے نام سے پھیلایا۔ یہی بات نواب مہدی علی خان نے اپنی آیات بینات میں تحریر کی ہے اس سے یہ ثابت ہوا کہ واقدی بہت بڑا تقیہ باز شخص تھا اور تشیع کو پھیلانے میں اس کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

اس واقدی نے یہ کہانی اسامۃ بن زید المدنی سے نقل کی ہے۔اب مختصر سا خاکہ اس اسامہ کا ملاحظہ فرمائیں۔

اسامۃ بن زید اللیثی المدنی:

یہ حضرت اسامۃ بن زید صحابی نہیں بلکہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام زید بن اسلم کے صاحبزادے ہیں۔صحاح ستہ کے مصنفین میں سے ابن ماجہ کے علاوہ کسی نے اس سے روایت نہیں لی۔آدمی تو بے چارہ نیک تھا لیکن امام احمد کہتے ہیں اس کا حافظہ خراب تھا۔اس لیے اس کی کوئی بات قابل قبول نہیں۔نسائی وغیرہ کہتے ہیں قوی نہیں۔یحییٰ بن معین کہتے ہیں ضعیف ہے۔میزان ج۱ص۱۷۴۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ قوی نہیں۔الضعفاء الصغیر ص۲۰۔

نسائی لکھتے ہیں،اسامۃ بن زید بن اسلم قوی نہیں۔کتاب الضعفاء والمتروکین ص۲۰۔

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رقم طراز ہیں۔

مجھ سے صالح نے بیان کیا ہے۔اُنھوں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل کا یہ قول مجھ سے بیان کیا کہ اسامۃ بن زید بن اسلم منکر الحدیث اور ضعیف ہے اور عباس الدوری نے مجھ سے یحییٰ بن معین کا یہ قول بیان کیا ہے کہ اس کی حدیث کچھ نہیں اور قطوانی جن لوگوں سے روایت نقل کرتا ہے،یہ ان میں سب سے زیادہ ضعیف ہے۔

ابوزرعہ سے دریافت کیا کہ زید بن اسلم کے دونوں بیٹوں یعنی اسامہ اور عبداللہ بن کون زیادہ بہتر ہے۔اُنھوں نے فرمایا اسامہ(اس لیے کہ عبداللہ تو اس سے بھی بدتر ہے)الجرح والتعدیل ج۲ص۲۸۵۔

یہ ہے اس کہانی کی پہلی سند کا حال کہ اگر کچھ دیر کے لیے اسامہ سے چشم پوشی بھی اختیار کر لی جائے تو اس سے نقل کرنے والا واقدی ہے اور غالباً یہ کہانی اسی نے وضع کی ہے۔

جہاں تک ابن مردویہ کی روایت کا تعلق ہے یعنی میمون بن مہران والی روایت تو ابن مردویہ کی کتاب آج دنیا میں دستیاب نہیں اور ابن مردویہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان کم از کم سات آٹھ راوی درکار ہیں۔صرف ایک راوی کا نام ظاہر کرنے سے کوئی کام نہیں چلتا۔اس طرح اس روایت کی پوری سند مجہول ہے اور اس کا عدم وجود مساوی ہے۔

اب صرف ایک سند باقی رہتی ہے یعنی یحییٰ بن ایوب،ابن وہب،ابن عجلان،نافع اور ابن عمر۔

یہی وہ سند ہے جس کے باعث حافظ ابن حجر اور سخاوی نے اسے حسن اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دے کر اسے کسی جن کا کرشمہ قرار دیا۔غالباً ان حضرات کے پیش نظر یہ تخیل کارفرما ہوگا جو ہمیشہ متاخرین کی راہ میں حائل ہوتا رہا ہے کہ ابن وہب،یحییٰ بن ایوب اور نافع تمام صحاح ستہ کے راوی ہیں اور ابن عجلان بخاری کے علاوہ بقیہ تمام کتابوں کے راوی ہیں۔

غالباً یہ حضرات یہ بھول جاتے ہیں کہ اگر راوی ثقہ ہوں تب بھی روایت ناقابل قبول ہوسکتی ہے کیونکہ ثقہ

ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خطا اور بھول سے معصوم ہو۔

اور ایک یہ بھی اصول ہے کہ واقعہ ایسا ہے کہ اگر وہ پیش آتا تو سینکڑوں اور ہزار ہا افراد سے نقل کرتے ہیں لیکن صرف ایک یا دو افراد سے نقل کر رہے ہوں تو یہ صورتِ حال خود اس روایت کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہوتی ہے اور امام ابن القیم نے اسی اُصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے حدیث قلتین جو انتہائی صحت سند کے ساتھ مروی تھی اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

غور کیجیے کہ دوران خطبہ جمعہ بلند آواز سے یہ الفاظ دہرائے جا رہے ہیں۔ واقعہ مسجد نبوی کا ہے ہزار ہا افراد موجود ہیں لیکن بجز ایک ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اسے کوئی بیان نہیں کرتا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نافع کے علاوہ کوئی نقل نہیں کرتا۔ نافع سے ابن عجلان کے علاوہ کوئی ناقل نہیں۔ ابن عجلان سے یحییٰ بن ایوب کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا اور پھر یحییٰ سے ابن وہب کے علاوہ کوئی ناقل نہیں اور پھر کسی مشہور محدث نے اسے اپنی کتاب میں نقل کرنا پسند نہیں کیا، حتیٰ کہ صرف ایک حرملہ نے اپنی جمع میں اسے نقل کیا ہے اور وہاں سے بعد کے حضرات نے۔ حالانکہ حرملہ کی کتاب سے آج روئے زمین پر کوئی واقف کار موجود نہیں بلکہ مشہور محدثین کی صف میں حرملہ کا شمار تک نہیں ہوتا۔ آخر یہ تمام حضرات محدثین اتنی صحیح روایت سے کیسے غافل رہے یہ دو حال سے خالی نہیں یا تو متقدمین کے دور میں اس روایت کا کوئی وجود نہ تھا اور اگر اس کا وجود تھا تو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ ان سب حضرات محدثین نے اسے ناقابل قبول تصور کیا۔

نیز اس پر بھی غور کیجیے کہ سرزمین فارس میں اس آواز کو بقول راوی پورے لشکر نے سنا جو ظاہر ہے کہ ہزار ہا افراد پر مشتمل ہوگا لیکن ان میں سے بھی کوئی فرد اسے نقل نہیں کرتا۔

سندی لحاظ سے اگرچہ حرملہ نے ایسے راویوں سے نقل کیا جو بخاری و مسلم کے رواۃ ہیں۔ لیکن جب کتب رجال کے ذریعہ ان کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو ان میں سے بعض رواۃ پر اعتراضات ہیں اس سلسلہ میں سب سے اول یحییٰ بن ایوب کا حال ملاحظہ فرمائیں۔

یحییٰ بن ایوب الغافقی المصری:

ان کی کنیت ابو العباس ہے۔ اہل مصر کے عالم اور ان کے مفتی ہیں، تمام صحاح ستہ کے مصنفین نے ان سے روایات نقل کی ہیں۔

یحییٰ بن معین کہتے ہیں اس کی حدیث اچھی ہوتی ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں یہ میرے نزدیک سچا ہے امام احمد فرماتے ہیں اس کا حافظہ بہت خراب تھا۔ ابن القطان الفاسی کا قول ہے کہ میں اس کا حال اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس کی حدیث حجت نہیں۔ دار قطنی کا بیان ہے کہ اس کی بعض روایات مضطرب ہوتی ہیں۔ ابن عدی اور ذہبی نے اس کی دس روایات کو منکر قرار دیا۔ ۱۶۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ میزان ج ۴ ص ۳۶۴۔

نسائی لکھتے ہیں کہ یحییٰ بن ایوب قوی نہیں۔ کتاب الضعفاء والمتروکین ص ۱۱۸۔

عبدالرحمن بن ابی حاتم رقم طراز ہیں کہ عبداللہ بن احمد نے مجھے لکھ کر بھیجا ہے کہ ان کے والد امام احمد فرمایا کرتے تھے۔ یحییٰ بن ایوب کا حافظہ بہت تھا۔ یہ حدیث میں حیوہ اور سعید بن ابی ایوب سے کمتر سمجھا جاتا ہے۔

عبدالرحمن کا بیان ہے کہ میرے دادا ابو حاتم رازی سے سوال کیا گیا کہ آپ یحییٰ بن ایوب کو زیادہ پسند کرتے ہیں یا ابن ابی موالی کو۔ انھوں نے فرمایا ابن ابی الموالی کے مقابلہ میں مجھے یحییٰ زیادہ پسند ہے اور یحییٰ اگرچہ سچا آدمی ہے۔ اس کی حدیث لکھ لی جائے۔ لیکن اس کی حدیث کو حجت نہ سمجھا جائے۔ الجرح والتعدیل ج ۹ ص ۱۲۷۔

یعنی اکثر آئمہ محدثین کے نزدیک اس کی روایت حجت نہیں ہوسکتی اور نہ اس کی روایت کو دلیل بنایا جاسکتا ہے۔

جب اس روایت کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا اور یحییٰ بن ایوب کا حافظہ خراب تھا تو یہ روایت کرامتوں کے سلسلہ میں دلیل کیسے بن سکتی ہے۔ اب آیئے ایک اور راوی محمد بن عجلان کا حال ملاحظہ فرمائیں۔

محمد بن عجلان:

اس سے بخاری کے علاوہ تمام محدثین نے روایت نقل کی ہے حدیث میں مشہور امام ہے، سچا ہے۔ امام احمد یحییٰ بن معین ابن عتیبہ اور ابو حاتم کے نزدیک ثقہ ہے۔ حاکم کا بیان ہے کہ مسلم نے اس سے تیرہ روایات لی ہیں اور سب بطور شواہد لی ہیں۔ لیکن ہمارے آئمہ میں سے متاخرین نے اس پر کلام کیا ہے کہ اس کا حافظہ خراب تھا۔ یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں کہ اُسے نافع کی حدیث میں اضطراب ہوتا ہے۔

عبدالرحمن بن القاسم کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کچھ اہل علم حدیث بیان کرتے ہیں۔ اُنھوں نے فرمایا وہ کون لوگ ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ ابن عجلان۔ اُنھوں نے فرمایا: ابن عجلان تو احادیث کو پہنچانتا بھی نہیں اور وہ عالم شخص نہیں ہے۔ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۶۴۴۔

اگرچہ اکثر محدثین نے محمد بن عجلان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ لیکن یحییٰ بن سعید القطان کے بقول نافع کی روایت میں اسے اضطراب ہوتا ہے۔ گویا ابن عجلان کی وہ روایت قابل قبول نہیں جو وہ نافع سے نقل کرے اور یہ روایت بھی نافع سے نقل کی جارہی ہے۔

گویا اس روایت میں اولین نقص تو یہ ہے کہ محمد بن عجلان کی نافع والی روایت قابل قبول نہیں۔

ثانیاً یحییٰ بن ایوب کا حافظہ خراب تھا۔ اس کی حدیث قطعاً حجت نہیں۔

ہمیں حیرت تو اس پر ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دے کر اور پھر ذہنی طور پر جنات کو وسیلہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ حالانکہ یہ دونوں ہی امور غلط ہیں۔ کیونکہ اول تو روایت ہی درست نہیں اور جنات کا وسیلہ یہ صرف امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ذہنی پرواز ہے جو خود دلیل کی محتاج ہے اور اُنھوں نے غالباً یہ سوچ کر ایسا کہا ہوگا کہ کسی انسان کی آواز مدینہ سے فارس تک پہنچنا اور پھر وہاں آواز سنی جانا ایک امر محال ہے اور کرامتوں کے ذریعہ وہ اُمور ہرگز تبدیل نہیں ہوتے جو محال ہوں۔ لہٰذا یہ داستان بلحاظ روایت اور بلحاظ درایت ہر طرح سے غلط ہے۔

قصہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی وفات کا اور موت کی کیفیت و شدت بیان کرنا

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ زندگی میں اکثر کہا کرتے تھے، مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جن کی موت کے وقت حواس درست ہوتے ہیں، مگر موت کی حقیقت بیان نہیں کرتے۔ لوگوں کو یہ بات تھی، جب وہ خود اس منزل پر پہنچے، تو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ مقولہ یاد دلایا۔ ایک روایت میں ہے کہ خود اُن کے بیٹے نے سوال کیا تھا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ٹھنڈی سانس لی۔ جان من! اُنھوں نے جواب دیا: موت کی صفت بیان نہیں ہوسکتی۔ میں اس وقت صرف ایک اشارہ کر سکتا ہوں، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا آسمان زمین پر ٹوٹ پڑا ہے اور میں دونوں کے درمیان پڑ گیا ہوں۔

گویا میری گردن پر رضوی پہاڑ رکھا ہے، گویا میرے پیٹ میں کھجور کے کانٹے بھر گئے ہیں، گویا میری سانس سوئی کے ناکے سے نکل رہی ہے۔ ①

---

① اسنادہ موضوع - اس کی سند من گھڑت ہے۔ اس میں ہشام بن محمد السائب الکلبی غالی شیعہ ہے۔ المجروحین لابن حبان (۳/۹۱) ابن عراق نے اس کو تنزیہ الشریعۃ میں حرف العین رقم (۲۷۰) میں نقل کیا ہے۔ نیز عوانہ بن الحکم کی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔

نوٹ: حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سچے مومن تھے، اسلام قبول کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مسلمانوں کے امیر تھے اور مدبر اسلام تھے۔

ابوبکر ہذلی کے اشعار، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کا منظر

قاضی سلیمان منصور پوری کہتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نعل

مبارک کو پیوند لگا رہے تھے اور میں چرخہ کات رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پر پسینہ آ رہا ہے اور اس پسینہ کے اندر ایک نور ہے جو ابھر رہا ہے اور بڑھ رہا ہے۔ یہ ایسا نظارہ تھا کہ میں سراپا حیرت بن گئی نبی ﷺ کی نظر مبارک مجھ پر پڑی۔ فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا! تو حیران سی کیوں ہو رہی ہے؟ میں نے کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کی پیشانی پر پسینہ ہے اور پسینہ کے اندر چمکتا دمکتا نور ہے (اس پاک نظارہ نے مجھے سراپا چشم کر دیا ہے)

اے خنک چشمے کہ او حیران اوست
وے ہمایوں دل کہ آں قربان اوست

اللہ کی قسم! ابو کبیر (ایام جاہلیت کا مشہور شاعر) ہذلی حضور ﷺ کو دیکھ پاتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ اس کے اشعار کے صحیح مصداق نبی کریم ﷺ ہی ہو سکتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اس کے شعر کیا ہیں۔ میں نے یہ شعر پڑھ کر سنا دیے۔

وَمُبَرَّأً مِنْ كُلِّ غُبَّرِ حَيْضَةٍ
وَفَسَادِ مُرْضِعَةٍ وَدَاءٍ مُعْضَلِ
فَإِذَا نَظَرْتَ إِلَى أَسِرَّةِ وَجْهِهِ
بَرَقَتْ كَبَرْقِ الْعَارِضِ الْمُتَهَلِّلِ

"وہ ولادت اور رضاعت کی آلودگیوں سے پاک اور مبرا ہیں۔ ان کے درخشاں چہرے پر نظر کرو تو معلوم ہوگا کہ نورانی اور روشن برق جلوہ دے رہی ہے۔"

نبی کریم ﷺ کے ہاتھ میں جو کچھ تھا رکھ دیا۔ میری پیشانی کو چوما اور فرمایا:

((مَا سَرَرْتِ مِنِّي كَسُرُوْرِي مِنْكِ))

"جو سرور مجھے تیرے کلام سے حاصل ہوا وہ سرور تجھے میرے نظارہ سے نہ ہوا ہوگا۔"
یعنی تو نے مجھے نہایت مسرور اور خوش کر دیا ہے۔[1]

---

[1] اسنادہ ضعیف۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اتحاف السادۃ المتقین (۷/۴۹۵) تاریخ بغداد (۱۳/۲۵۳) رقم (۷۲۱۰) موسوعہ اطراف الحدیث (۸/۱۴۷) اس میں معمر المثنی اور علی بن احمد وغیرہ ضعیف راوی ہیں۔

قصہ مسجد ضرار کا

ابن کثیر رحمہ اللہ نے سعید بن جبیر، قتادہ اور عروہ رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ مدینہ میں قبیلہ خزرج کا ایک آدمی تھا جس کا نام ابو عامر الراھب تھا۔ عہد جاہلیت میں اس نے عیسائیت اختیار کر لی تھی۔ قبیلہ خزرج میں اسے بڑی قدر و منزلت حاصل تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے، مسلمانوں کی ایک اجتماعیت قائم ہوگئی اور اسلام کا بول بولا ہو گیا تو ابو عامر کے پر پرزے نکل آئے اور وہ کھل کر رسول اللہ ﷺ کی دشمنی پر اتر آیا۔ پھر وہ بھاگ کر کفار مکہ کے پاس پہنچا اور انھیں رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ پر اکساتا رہا۔ پھر جب اس نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ برابر ترقی کر رہا ہے تو وہ شاہِ روم ہرقل کے پاس پہنچا اور نبی ﷺ کے خلاف اس سے مدد چاہی۔ ہرقل نے اس سے وعدہ کیا اور اپنے تعاون کا یقین دلایا تو وہ اس کے پاس ٹھہر گیا۔ اس نے منافقین مدینہ کی اپنی جماعت کو ہرقل کے وعدے کی خبر دی اور انھیں حکم دیا کہ اس کے خطوط کے ساتھ جو شخص ان کے پاس پہنچے اس کے لیے ایک محفوظ پناہ گاہ تعمیر کر دیں جو اس کی واپسی کے بعد اس کے لیے بھی پناہ گاہ کا کام دے۔

ان لوگوں نے مسجد قباء سے قریب ایک مسجد کی تعمیر شروع کی اور ایک مضبوط عمارت کھڑی کر دی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے سفر تبوک سے قبل کا واقعہ ہے۔ تعمیر سے فارغ ہونے کے بعد وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ چل کر اس مسجد میں ایک دفعہ نماز پڑھا دیں تاکہ وہ معتبر ہو جائے۔ اُنھوں نے بیان کیا کہ یہ مسجد اُنھوں نے اس لیے تعمیر کی ہے کہ جو کمزور اور بیمار لوگ ٹھنڈی راتوں میں مسجد نبوی میں حاضری نہ دے سکیں، وہ یہیں نماز ادا کر لیا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس مسجد میں نماز ادا کرنے سے بچا لیا۔ آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا: ''اس وقت ہم سفر پر جا رہے ہیں۔ واپسی میں ان شاء اللہ ایسا کریں گے۔'' جب آپ ﷺ تبوک سے واپس ہوئے تو ابھی مدینہ پہنچنے میں ایک دن یا اس سے کچھ کم کی مسافت باقی تھی کہ

حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ کو خبر دی کہ ان لوگوں نے یہ مسجد کفر کرنے اور اہل ایمان کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے مقصد سے بنائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھیجا جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پہنچنے سے قبل اسے منہدم کر دیا۔ [1]

[1] اسنادہ ضعیف - اس کی سند ضعیف ہے۔ تفسیر ابن کثیر (۳۸۷/۲۔۳۸۸) ابن ہشام نے بھی اسے اپنی سیرت میں ملتے جلتے الفاظ میں روایت کیا ہے۔ (۳۲۲/۲) ابن ہشام نے اسے ابن اسحاق سے بلاسند روایت کیا ہے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اسے متعدد حضرات سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ تخریج فقہ السیرۃ للغزالی نے علامہ ناصر الدین البانی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

یوم عاشورہ کو ہونے والے کام، دن دسواں رات یارھویں

روایت ہے یوم عاشورہ وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی۔ اسی دن ادریس علیہ السلام کو بلند مقام پر اُٹھایا۔ اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نار نمرود سے نجات عطا کی۔ اسی دن حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے اترے۔ اسی دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ نازل کی۔ اسی دن اسماعیل علیہ السلام کے بدلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مینڈھا ذبح کیا۔ اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل سے رہائی ملی۔ اسی دن حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی واپس ہوئی۔ اسی دن حضرت ایوب علیہ السلام کو بیماری سے شفا نصیب ہوئی۔ اسی دن اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نکالا۔ اسی دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے جاری دریا میں سے رستے بنا دیے۔ اسی دن موسیٰ علیہ السلام کے لیے دریا کو خشک کیا۔ اسی دن اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اگلی پچھلی لغزشیں معاف فرمائیں۔ اسی دن یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ قبول ہوئی۔ جو شخص اس دن روزہ رکھے اس کے گذشتہ چالیس سال کے گناہ معاف ہو جاتے۔ اسی دن اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا۔ [1]

[1] اسنادہ موضوع - اس کی سند من گھڑت ہے۔ اخرجہ ابن الجوزی فی الموضوعات (۱۹۹/۲۰۱، ۲۰۲) ابن جوزی کہتے ہیں یہ روایت قطعی طور پر جھوٹی ہے۔

خانہ کعبہ پر نظر پڑھتے وقت آنحضرت ﷺ کی دعا

ابن سعد کہتے ہیں مکہ میں نبی ﷺ کا داخلہ بالائی حصے کی طرف سے ہوا۔ جب بیت اللہ نظر آنے لگا تو آپ ﷺ نے یہ دعا کی:

''اے اللہ اپنے اس گھر کی عزت وشرف، تعظیم وتکریم اور رعب وہیبت میں اضافہ فرما۔ اسی طرح جو لوگ اس کا حج اور عمرہ کریں اور اس کی تعظیم کریں اُن کی عزت و شرف، تکریم، ہیبت، تعظیم اور صالحیت میں اضافہ فرما۔''[1]

[1] اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ البانی کہتے ہیں یہ بہت زیادہ ضعیف ہے بلکہ موضوع ہے۔ ابن سعد نے اسے بلاسند بیان کیا ہے۔ (۱۷۳/۲) البتہ طبرانی نے اس کی تخریج المعجم الکبیر (۲/۱۴۹/۱) نے حذیفہ بن اسید سے کی ہے اس کی سند میں ایک راوی عاصم بن سلیمان الکوزی ہے۔ ذہبی نے المیزان میں اس کے بارے میں لکھا ہے: ابن عدی کہتے ہیں اس کا شمار حدیث گھڑنے والوں میں ہوتا ہے۔ فلاس نے کہا ہے یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ اس جیسا شخص میں نے نہیں دیکھا۔ دارقطنی نے کہا کذاب ہے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۲۳۸/۳) میں طبرانی کے حوالے سے اسے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: ''یہ متروک ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹے ابوشحمہ پر زنا کی حد نافذ کرنے کا قصہ

یہ داستان بھی ہر شخص کی زبان پر جاری ہے بلکہ اچھے اچھے لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عدل و انصاف ثابت کرنے کے لیے برسر منبر اس کہانی کو پیش کیا کرتے ہیں۔ لیکن اس داستان میں جو زہر بھرا ہوا ہے اس سے عوام تو کیا واقف ہوتے، ہمارے علماء کی بھی اس پر نظر نہیں جاتی۔ یہ داستان ایک فریب اور غلاظت کا ڈھیر ہے۔ جس پر سونے کا ورق چڑھا دیا گیا ہے اور ہر شخص صرف سونے کے ورق کو دیکھ رہا ہے۔ کوئی اس غلاظت کو کرید کر دیکھنے کے لیے تیار نہیں۔

اس عدل وانصاف کے پردے میں جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کو بدکار ثابت کیا

گیا ہے، وہاں ساتھ ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو احکامِ شریعت سے جاہل اور ظالم و جابر بنا کر دکھایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس رام کہانی میں اتنا زبردست اختلاف اور تضاد ہے کہ جس کا رفع ہونا قیامت تک ممکن نہیں۔ کسی فریب کار نے اسے مختصراً بیان کیا ہے اور کسی نے تفصیلاً ہم یہ تمام کہانیاں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

پہلی روایت سعید بن مسروق کی جانب منسوب ہے۔

سعید کا بیان ہے کہ ایک عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر میں آتی جاتی تھی، اس کے ساتھ ایک بچہ بھی ہوتا۔ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے اچانک سوال کیا کہ یہ تیرے ساتھ کس کا بچہ ہے؟ بولی یہ آپ کے لڑکے ابوشحمہ کا بیٹا ہے۔ جس نے میرے ساتھ غلط حرکت کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے ابوشحمہ رضی اللہ عنہ کو بلوایا۔ اس نے اقرار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اس کے کوڑے مارو، الغرض پچاس کوڑے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لگائے اور پچاس کوڑے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مارے۔ اس کے بعد اس لڑکے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے لایا گیا۔ وہ دم توڑ رہا تھا کہنے لگا۔ اے میرے باپ آپ نے مجھے قتل کر دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تو اللہ عزوجل سے ملاقات کرے تو بارگاہِ الٰہی میں عرض کرنا کہ تیرا باپ حدودِ الٰہی کو قائم رکھتا ہے۔

یہ واقعہ مختلف صورتوں میں مروی ہے اور ہر ایک قصہ گو نے اپنے اپنے تخیل کے مطابق اس میں رنگ آمیزی کی ہے۔ جس کی تفصیل آئندہ سطور میں پیش کی جائے گی۔ لیکن اس مختصر سی روایت سے جو جو امور سامنے آرہے ہیں پہلے وہ سن لیجیے۔

1. یہ گمنام عورت ایک عرصہ تک اپنے بچہ کو لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر آتی جاتی رہی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کرنے سے قبل اتنے عرصہ تک اس نے کسی پر یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ بچہ کس کا ہے؟
2. یہ عورت شادی شدہ تھی، اگر کنواری ہوتی تو بچہ پیدا ہوتے ہی لوگ اس سے پوچھ گچھ شروع

کر دیتے۔ لیکن یہاں معاملہ ایسا نہیں ہے۔

3. عورت کا بچے کو لیے پھرنا اور پھر خاموش رہنا اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ جرم میں برابر کی شریک تھی۔ لہٰذا فرد جرم اس پر بھی عائد ہوتی ہے۔ اگر وہ کنواری تھی تو اس کے بھی سو کوڑے لگنے چاہئیں تھے اور اگر وہ شادی شدہ تھی تو اسے سنگسار کرنا چاہیے تھا اور یہاں ان میں سے کوئی صورت عمل میں نہیں آئی۔ گویا راوی یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اتنے لاعلم لوگ تھے کہ ایسے معمولی دینی مسائل سے بھی واقف نہ تھے۔ اسی لیے سب صحابہ رضی اللہ عنہم خاموش رہے۔

4. اگر اس عورت کے ساتھ زبردستی کی گئی تھی تو اسی وقت اس عورت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہو کر دعویٰ کیوں نہیں کیا۔ پہلے تو نو ماہ تک یہ گناہ پیٹ میں چھپائے بیٹھی رہی۔ پھر بچہ پیدا ہونے کے بعد یہ گناہ کی پوٹلی لیے پھرتی رہی۔

5. یہ عورت کون تھی۔ اس کا نام کیا تھا۔ کس خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور کہاں کی رہنے والی تھی؟ یہ اُمور کوئی راوی بیان نہیں کرتا۔ ہمارے خیال میں یہ کوئی ایرانی النسل ہو گی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے پر حد جاری کرانے کے لیے وجود میں لائی گئی ہو گی۔

6. حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں غلطی سے زنا کر بیٹھے۔ بعد میں شرمندہ ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش ہو کر اقرار جرم کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا۔ اُنھوں نے تین بار اسی طرح اقرار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار منہ پھیرتے رہے۔ آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا۔ کیا تو پاگل تو نہیں ہے؟ اُنھوں نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا تو نے ایسے ہی چپٹا لیا ہو گا۔ الغرض آپ آخر تک یہ کوشش کرتے رہے کہ ماعز رضی اللہ عنہ اپنے اقرار سے منحرف ہو جائیں۔

اس سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ حتی الامکان اس کی سعی کرنی چاہیے کہ کسی پر حد جاری نہ ہو، اسی لیے یہ حکم دیا گیا۔

((ادر أدا الحدود ما ستطعتم))

''جہاں تک ہو سکے حد سے درگزر کرو۔''

لیکن یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹے سے زبردستی اقرار کرا رہے ہیں جو سراسر خلاف شریعت ہے۔

7. حد جاری کرنے کا مقصد جان سے مارنا نہیں۔ بلکہ سزا دینا اور ذلت و رسوائی مقصود ہے۔ سورۂ نور میں جہاں زنا کی سزا بیان کی گئی ہے۔ وہاں ساتھ ساتھ فرمایا گیا ہے۔

﴿ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ﴾

''یہ اللہ کی جانب سے رسوائی ہے۔''

الغرض ہم جس پہلو سے اس روایت کو دیکھتے ہیں۔ ہمیں یہ روایت عدل و انصاف کے پوشیدہ اوراق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تبرا نظر آتی ہے۔ اسی لیے تمام ناقدین حدیث اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((هذا حديث موضوع وضعه القصاص و قد شرح فيه و اعادوا و قد شرحوا اداطالوا))[موضوعات ج ٣ ص ٢٧٩]

''یہ روایت موضوع ہے۔ اسے قصہ گوؤں نے وضع کیا۔ اس میں فضولیات کو داخل کیا۔ بعض باتوں کی تکرار کی۔ کہیں تشریح کی اور کہیں بلا وجہ طویل کیا۔''

علامہ محمد طاہر پٹنی اور جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں۔

((حديث ابی شحمة ولد عمر ﷺ وزناه واقامة عمر عليه الحد و موته بطوله يصح بل وضعه القصاص))[تذکرہ الموضوعات ص ١٨٠، اللآلی المصنوعه فی احادیث الموضوعه ج ٢ ص ١٩٤]

''ابو شحمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے سلسلہ میں یہ روایت کہ انھوں نے زنا کیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر حد قائم کی جس سے ان کی موت واقع ہوئی۔ یہ صحیح نہیں بلکہ

قصہ گوؤں نے اسے وضع کیا ہے۔"

اس روایت کے کئی راوی مثلاً محمد بن عبید الاسدی اور ابو عبداللہ حسن بن علی مجہول ہیں اور آخری راوی سعید بن مسروق ہیں جن کا انتقال ۱۲۶ھ میں ہوا۔ یہ تبع تابعی ہیں۔ امام اعمش کے شاگرد ہیں اور امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے والد ہیں۔ اُنھوں نے اپنی زندگی میں کسی صحابی کو نہیں دیکھا اس لحاظ سے اوپر کے راوی غائب ہیں اور روایت منقطع ہے اور چونکہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کوفہ کے مشہور اہل سنت محدث وفقیہ اور ماہر رجال تھے۔ وہ خود نامعتبر راویوں پر جرح کرتے رہتے تھے۔ لہٰذا اس روایت کو اُن کے والد کی جانب منسوب کر کے سبائی برادری نے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کیا ہے۔ جہاں تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کا سوال ہے تو سبائیوں کا دین و مذہب تو یہ ہے۔

ع زآلِ عمر کینہ قدیم است عجم را

تفصیلی روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جانب منسوب کی گئی ہے۔ جو کسی صورت میں بھی داستانِ ہوشربا سے کم نہیں ہے۔ آپ حضرات بھی پڑھیں اور لطف اندوز ہوں۔

امام مجاہد کا بیان ہے کہ کچھ لوگ ایک دن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں بیٹھے مصروف گفتگو تھے۔ اتفاق سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فضائل کا بیان شروع ہوا، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا ذکر چل نکلا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر سنا تو اتنا روئے کہ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ پھر جب ہوش آیا تو فرمانے لگے۔ اللہ اُس شخص (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) پر رحمت نازل فرمائے۔ جس نے اللہ کے معاملہ میں کبھی کسی ملامت کرنے والے کا خوف نہیں کیا۔ اللہ اس شخص پر رحمت نازل فرمائے۔ جس نے قرآن کو پڑھ کر اس پر عمل کیا اور اللہ کی حدود کو اسی طرح قائم کیا۔ جس طرح اللہ نے حکم دیا تھا اور اس معاملہ میں اُنھوں نے کبھی اپنی قرابت داری کا خیال نہیں کیا اور نہ کبھی کسی کی دشمنی سے خوف کھایا۔

اللہ کی قسم عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے پر حد قائم کی اور اس حد میں اسے قتل کر دیا۔ پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما

رونے لگے۔ انھیں دیکھ کر لوگ بھی رونے لگے۔ ہم نے عرض کیا۔ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے۔ ہم سے آپ وہ واقعہ بیان کیجیے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے پر کس طرح حد قائم کی تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم نے مجھے وہ بات یاد دلا دی جو میں بھول گیا تھا۔

مجاہد کہتے ہیں میں نے عرض کیا۔ آپ کو مصطفیٰ کا واسطہ، ہم آپ کو قسم دیتے ہیں کہ آپ ہم سے اس واقعہ کی تفصیل بیان کریں۔

اُنھوں نے فرمایا: اے لوگو! میں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے اور ہجوم بھی ان کے اردگرد جمع تھا۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ لوگوں کو نصیحت کر رہے تھے اور لوگوں کے معاملات کے فیصلے کر رہے تھے۔ اتنے میں مسجد کے دروازے سے ایک لڑکی داخل ہوئی اور مہاجرین وانصار کی گردنوں کو پھلانگتی ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روبرو جا کر کھڑی ہوئی اور بولی السلام علیک یا امیر المؤمنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا وعلیک اسلام، اے اللہ کی بندی کیا مجھ سے کچھ کام ہے؟

وہ بولی سب سے بڑا کام تو آپ ہی سے ہے۔ یہ اپنا لڑکا آپ مجھ سے لے لیجیے۔ کیونکہ اس کے آپ مجھ سے زیادہ حقدار ہیں۔ پھر اس لڑکی نے نقاب اُٹھا دی۔ اس کے ہاتھ میں چند روز کا بچہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس لڑکی کو دیکھا اور فرمایا نقاب ڈال لو، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ لاحول پڑھنے لگے۔ پھر بولے میں تجھے نہیں پہچانتا۔ تو یہ میرا لڑکا کیسے بن گیا۔

اس بات پر وہ رونے لگی۔ حتیٰ کہ اس کی اوڑھنی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ پھر بولی، اے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ اگر یہ آپ کا بیٹا نہیں تو بیٹے کا بیٹا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا۔ کون سے بیٹے کا؟ اس نے جواب دیا ابو شحمہ کا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا یہ بیٹا حلال سے ہے یا حرام سے۔ بولی میری جانب سے حلال کا ہے اور اس کی جانب سے حرام کا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ کیسے ممکن ہے۔ وہ کہنے لگی۔ اے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ میری بات غور سے سنیے۔ اللہ کی قسم میں ایک حرف بھی کمی بیشی نہ کروں گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اللہ سے ڈر اور سچ بول۔

وہ بولی سچ بات تو یہ ہے کہ میں ایک روز بنونجار کے ایک احاطہ سے گزر رہی تھی کہ میں نے اچانک اپنے پیچھے سے ایک چیخ سنی دیکھا تو آپ کا بیٹا ابوشحمہ رضی اللہ عنہ نشہ میں جھوم رہا تھا اور اس نے ایک یہودی کی بھٹی سے شراب پی تھی۔ جب وہ جھومتا ہوا میرے قریب آیا تو مجھے ڈرایا دھمکایا اور احاطہ میں کھینچ کر لے گیا۔ میں گر پڑی اور بے ہوش ہوگئی۔ مجھے جب ہوش آیا تو وہ میرا سب کچھ لوٹ چکا تھا۔ میں نے اس بات کو اپنے چچا اور پڑوسیوں سے چھپایا جب حمل کے دن مکمل ہو گئے اور مدت پوری ہوگئی اور مجھے زچگی کا احساس ہونے لگا تو میں فلاں جگہ چلی گئی اور اس غلام (بچہ) کو جنم دیا۔ پہلے تو میں نے اسے مار ڈالنے کا ارادہ کیا۔ لیکن میں اس پر نادم ہوئی۔ اب میرے اور اپنے بیٹے کے درمیان حکم الٰہی کے مطابق فیصلہ کیجیے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منادی کا حکم دیا کہ لوگوں کو اعلان کر کے جمع کرے۔ لوگ دوڑ دوڑ کر مسجد میں جمع ہونے لگے۔ لوگوں کے جمع ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے اُٹھے اور لوگوں سے فرمایا: اے مہاجرین وانصار یہاں سے نہ ہٹنا جب تک میں خبر لے کر نہ آؤں، پھر مسجد سے نکلے اور میں آپ کے ساتھ تھا۔ پھر میری طرف دیکھ کر فرمایا۔ اے ابن عباس رضی اللہ عنہما میرے ساتھ جلدی چل۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تیزی سے گھر کے دروازے تک گئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک خادمہ نکل کر آئی۔ جب اُس نے آپ کے چہرے کو غضبناک دیکھا تو بولی۔ اے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کیا معاملہ ہے۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کیا میرا بیٹا ابوشحمہ ہے؟ بولی ہاں کھانا کھا رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے اور بیٹے سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔ اے میرے بیٹے کھا لے۔ شاید یہ تیرا دنیا میں آخری کھانا ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں نے غلام (لڑکے) کو دیکھا کہ اُس کا رنگ اُڑ گیا تھا اور وہ کپکپا رہا تھا اور لقمہ اس کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے سوال کیا۔ اے میرے بیٹے میں کون ہوں؟

ابوشحمہ: آپ میرے والد اور امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: کیا تجھ پر میری اطاعت کا حق نہیں؟

ابوشحمہ: جی ہاں۔ دو حق فرض ہیں۔ اول یہ کہ آپ میرے والد ہیں۔ دوئم آپ امیر المومنین رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: تجھے تیرے نبی اور تیرے باپ کا واسطہ۔ میں تجھ سے ایک وال کروں گا تو درست جواب دینا۔

ابوشحمہ: ہاں۔ میں بالکل صحیح جواب دوں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: کیا تو یہودی کی بھٹی پر مہمان بن کر نہیں گیا تھا؟ تو نے وہاں شراب پی اور نشہ میں مست ہوا؟

ابوشحمہ: جی ہاں۔ واقعتاً ایسا ہی ہوا تھا۔ لیکن اب میں نے توبہ کر لی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: گناہگاروں کا اصل سرمایہ توبہ ہی ہے۔ لیکن میں تجھے اللہ کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں، کیا تو اُس روز بنوالنجار کے احاطہ میں گیا تھا اور پھر تو نے ایک عورت دیکھی اور اس کے ساتھ غلط حرکت کی؟

اس پر وہ لڑکا خاموش ہو گیا اور رونے لگا اور اپنے چہرے کو طمانچوں سے پیٹ رہا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: سچ بتا۔ کیونکہ اللہ سچ بولنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

ابوشحمہ: ہاں میرے باپ۔ مجھ سے ایسی حرکت ہوئی تھی۔ شیطان نے مجھے ورغلا دیا تھا۔ جس پر میں اب تائب اور نادم ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ الفاظ سنے تو اس کا ہاتھ پکڑا۔ گردن دبوچی اور کھینچ کر مسجد لے جانے لگے جس پر وہ بولا۔

اے میرے باپ مجھے دنیا کے سامنے رسوا نہ کیجیے۔ یہیں میرا ایک ایک جوڑ کاٹ دیجیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: کیا تو نے اللہ عزوجل کا فرمان نہیں سنا۔

﴿ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴾[النور:۲]

''ان کی سزا کے وقت مؤمنین کی ایک جماعت موجود رہنی چاہیے۔''

پھر اسے کھینچ کر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے لے گئے اور فرمایا عورت سچ کہتی ہے۔ ابو شحمہ نے اقرار کرلیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جس کا نام افلح تھا۔ اس سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: اے افلح میرا تجھ سے ایک کام ہے۔ اگر تو وہ انجام دے دے تو تو اللہ کے لیے آزاد ہے۔

افلح: امیر المؤمنین حکم دیجیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: اس کو سو کوڑے مار اور اس مار میں کوئی کوتاہی نہ کر۔

افلح: میں یہ کام انجام نہیں دے سکتا۔ پھر افلح رونے لگا اور بولا کاش میری ماں نے مجھے اس دن کے لیے نہ جنا ہوتا کہ میں اپنے مالک کے بیٹے کو کوڑے ماروں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: میری اطاعت رسول کی اطاعت ہے۔ لہٰذا اس کے کپڑے اتار اور میرے حکم پر عمل کر۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اس پر لوگوں نے چیخنا اور رونا شروع کر دیا۔ غلام (لڑکا) اپنی انگلی سے اپنے والد کی جانب اشارہ کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا اے میرے باپ مجھ پر رحم کیجیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: اللہ تجھ پر رحم کرے اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی رو رہے تھے۔ پھر افلح سے فرمایا کوڑا مار۔ اُس نے پہلا کوڑا مارا۔

ابو شحمہ: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: اے میرے بیٹے تجھ نے اچھا نام لیا۔

جب دوسرا کوڑا پڑا تو ابو شحمہ کہنے لگا۔ اے ابا معاف کر دیجیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: جس طرح تو نے گناہ کیا تھا۔ اسی طرح صبر کر۔ جب تیسرا کوڑا لگا تو اس کی زبان سے نکلا امان۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: تیرا رب تجھے امان دے گا۔

جب چوتھا کوڑا پڑا تو اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔ واغوثاہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: مدد تو مصیبت کے وقت ہوتی ہے۔

پانچویں کوڑے پر اس نے اللہ کی حمد کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: ہاں حمد کے لائق اللہ ہی کی ذات ہے۔

جب دسواں کوڑا لگا تو کہنے لگا اے میرے باپ آپ نے مجھے قتل کر دیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: تجھے تیرے گناہ نے قتل کیا ہے۔ جب تیسواں کوڑا پڑا تو کہنے لگا اللہ کی قسم! آپ نے تو میرا دل جلا دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: دوزخ کی گرمی اس سے زیادہ ہوگی۔ جب چالیسواں کوڑا پڑا تو وہ کہنے لگا۔ اے میرے باپ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اپنے منہ کے بل واپس چلا جاؤں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: جب تجھ پر حد پوری ہو جائے تو تیرا جہاں جی چاہے جا۔ جب پچاسویں کوڑے کی نوبت آئی تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قرآن کی قسم دے کر بولا مجھے چھوڑ دیجیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: کیوں نہ تو نے قرآن سے نصیحت حاصل کی اور کیوں نہ تو اللہ کی نافرمانی سے محفوظ رہا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے افلح سے فرمایا اے غلام کوڑے مار۔ جب اس نے ساٹھواں کوڑا مارا تو ابوشحمہ کہنے لگا۔ اے میرے باپ میری مدد کیجیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: اے میرے بیٹے جب اہل جہنم دہائی دیں گے۔ تو ان کی دہائی کی کوئی شنوائی نہ ہوگی۔ جب سترواں کوڑا پڑا تو اس نے پانی مانگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: اگر اللہ تعالیٰ تجھے پاک کر دے گا تو تجھے محمد ﷺ ایسا پانی پلائیں گے کہ اس کے بعد تجھے کبھی پیاس نہ لگے گی۔ اے غلام کوڑے مار جب اسی واں کوڑا پڑا تو وہ بولا اے میرے باپ آپ پر سلام ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: تجھ پر بھی سلام ہو۔ اگر تو محمد ﷺ سے ملے تو میرا سلام عرض کرنا اور کہنا میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو قرآن پڑھتے اور حدود الٰہی قائم کرتے چھوڑا ہے۔ اے غلام کوڑے مار۔ جب نوے کوڑے لگے تو اس کی زبان بند ہو گئی۔

اس پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس کی جانب دوڑے اور بولے۔ اے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ بقیہ حدود کو مؤخر کر دیجیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: جس طرح گناہ میں تاخیر نہیں کی گئی۔ اسی طرح سزا میں بھی تاخیر نہیں کی جا سکتی۔ اس چیخ و پکار کی آواز ابوشحمہ کی ماں تک پہنچی۔ وہ روتی چیختی باہر آئی اور کہنے لگی۔ اے عمر رضی اللہ عنہ میں ہر کوڑے کے بدلے پیدل حج کروں گی اور اتنا اتنا صدقہ دوں گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: حج اور صدقہ حد کا کفارہ نہیں بن سکتے۔ اے غلام حد پوری کر۔ جب آخری کوڑا پڑا تو غلام (لڑکا) مر کر گر گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے لڑکے اللہ نے تجھ سے گناہ مٹا دیا۔ پھر اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر رونے لگے اور بولے میرا باپ اُس پر قربان جو حق کی خاطر قتل ہو جائے میرا باپ اس پر قربان جو حد کو پورا کرنے میں جان دے دے۔ میرا باپ اُس پر قربان جس پر نہ باپ رحم کھائے اور نہ اعزاء و اقارب۔

لوگوں نے لڑکے کی جانب نگاہ اُٹھا کر دیکھی تو لڑکا مر چکا تھا۔ اس دن سے زیادہ کوئی غمگین دن نہ تھا لوگ رو رہے تھے اور اُن کی چیخیں نکل رہی تھیں۔

جب اس واقعے کو چالیس دن گزر گئے۔ تو جمعہ کا دن تھا تو حذیفہ بن..........اور کہنے لگے۔

امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ میں رات جب اپنا وظیفہ ختم کر کے لیٹا۔ تو میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ کے ساتھ ایک جوان تھا۔ جو دو سبز حلے پہنے ہوئے تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا۔ میرا عمر رضی اللہ عنہ سے سلام کہنا اور اس سے کہنا اللہ نے تجھے اسی طرح قرآن پڑھنے اور حد قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے بعد لڑکا بولا۔ میرا بھی میرے والد کو سلام کہنا اور اُن سے کہنا اللہ آپ کو اسی طرح پاک کرے۔ جس طرح آپ نے مجھے پاک کیا تھا والسلام۔ (الموضوعات ج ۳ ص ۲۶۹)

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ یہ روایت موضوع ہے۔ خواہ کسی طرح اور کسی سند سے بھی مروی ہو۔ اسے جاہل قصہ گوؤں نے عوام الناس اور عورتوں کو رُلانے کے لیے وضع کیا ہے۔ متعدد باتیں اپنے دل سے گھڑ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب منسوب کی ہیں۔ حالانکہ اس واقعہ کے الفاظ اور جملے اتنے بیہودہ اور رکیک ہیں۔ جو اس واقعہ کے موضوع ہونے کا کھلا ثبوت ہیں اور اس امر کا ثبوت ہے کہ اس قصہ کا گھڑنے والا اول درجہ کا جاہل ہے۔ جو معمولی سے فقہی مسائل سے بھی واقفیت نہیں رکھتا۔

اس راوی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب یہ منسوب کیا ہے کہ اُنھوں نے قسم دے کر بیٹے سے اقرار جرم کرایا۔ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان سے بہت بعید ہے۔ کیونکہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اقرار کیا تو آپ نے اُن سے اعراض فرمایا۔ وہ بار بار اقرار کرتے رہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعراض کرتے رہے۔ حتی کہ آپ نے ماعز رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کیا تو پاگل تو نہیں ہے؟

یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جہاں تک ہو سکے حد جاری کرنے سے گریز کرو اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے شخص سے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خود اقرار جرم کیا تھا فرمایا تھا۔ جب اللہ نے تیری پردہ پوشی کی تھی تو تو نے اپنی پردہ پوشی کیوں نہیں کی۔ ایسی صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کو اقرار زنا کے لیے کیسے قسم دے سکتے ہیں۔

پھر ہر کوڑے پر یہ مکالمات اس کا ثبوت ہیں کہ یہ روایت کسی جاہل بازاری شخص نے وضع کی ہے۔ پھر ان جاہل راویوں نے یہ بھی بیان کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حد روکنے کا مشورہ دیا۔ اسی طرح لڑکے کی ماں کا قول یہ کہ میں ہر کوڑے کے بدلہ پیدل حج کروں گی۔ اس قسم کی لغویات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذات سے بہت بعید ہیں۔ اسی طرح حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا خواب نہایت مہمل ہے۔ (الموضوعات ج ۳ ص ۲۷۴)

سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ روایت موضوع ہے۔ اس کے کئی راوی مجہول ہیں۔ دارقطنی کہتے ہیں مجاہد والی روایت صحیح نہیں۔ (اللآلی المصنوعہ فی احادیث الموضوعہ ج ۲ ص ۱۹۸)

اس قصہ میں جو خامیاں ہیں اُن میں سے کچھ کی جانب پہلی روایت میں اشارہ کر چکے ہیں، کچھ کی امام ابن الجوزی نے وضاحت فرمادی۔ اب ہم مزید اور چند عیوب جو اس روایت میں پائے جاتے ہیں پیش کیے دیتے ہیں۔

1. اس کہانی کے راوی نے لفظ غلام جگہ جگہ استعمال کیا ہے اور یہ بھی مختلف معنی میں۔ کسی جگہ یہ لفظ خادم کے معنی میں استعمال کیا اور کسی جگہ لڑکے کے معنی میں۔ جو اس امر کا ثبوت ہے کہ اسے وضع کرنے والا کوئی ایرانی ہے۔ جس کی مادری زبان عربی نہیں۔ لہٰذا وہ اس لفظ کو کبھی عربی معنی میں استعمال کرتا ہے اور کبھی فارسی معنی میں۔ فارسی میں غلام بمعنی خادم آتا ہے۔ افلح کے لیے اس راوی نے ہر جگہ اسی معنی میں استعمال کیا۔ لیکن عربی میں غلام نابالغ لڑکے کو کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ابوشحمہ کے لیے لفظ غلام کا استعمال خادم کے معنی میں نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا جہاں جہاں ابوشحمہ کے ساتھ یہ لفظ آیا ہے اس سے عربی معنی مراد ہیں۔ یعنی لڑکا۔ لیکن ہر عمر کے لیے اس کا استعمال نہیں ہوتا۔ صرف نابالغ لڑکے کے لیے اس کا استعمال ہوتا ہے۔ اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس روایت کو وضع کرنے والا کوئی ایرانی ہے جو عربی زبان سے بہت معمولی سی شد بد رکھتا ہے۔

2. جب ابوشحمہ نابالغ ہوا تو یہ تمام کہانی خود بخود باطل ہوگئی۔
3. حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کسی غلام کا نام افلح نہیں۔ بلکہ اُن کے غلام کا نام اسلم ہے۔ افلح تو مسجد نبوی کے مؤذن کا نام تھا۔ ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں اذان دینے پر مامور کیا تھا۔
4. پہلی روایت میں یہ ذکر تھا کہ یہ عورت تھی اور امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے یہاں بچہ کو لے کر آتی جاتی رہتی تھی۔ جب کہ اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کنواری لڑکی تھی اور امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ اسے جانتے بھی نہ تھے اور پہلی مرتبہ مسجد نبوی میں آمنا سامنا ہوا۔
5. دونوں روایتیں اس پر متفق ہیں کہ خواہ وہ عورت ہو یا لڑکی، دونوں نے بچہ پیدا ہونے تک اس امر کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کام برضا و رغبت ہوا۔ لہٰذا سزا دونوں کو ملنی چاہیے تھی۔ صرف لڑکے کو اس صورت میں سزا دی جاتی ہے۔ جب کہ زنا بالجبر ثابت ہوجائے یا یہ بہتان ہو۔
6. ابوشحمہ کنیت ہے۔ نام نہیں اور ان دونوں روایتوں میں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ اس کا نام کیا تھا۔
7. پہلے قصہ میں مذکور تھا کہ حد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جاری کی۔ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ حد افلح نامی غلام نے جاری کی تھی جس کا کوئی وجود نہیں۔
8. پہلی روایت میں شراب کا کوئی تذکرہ نہ تھا۔ اس روایت میں یہ ایک نیا الزام وارد کردیا گیا۔
9. پہلی روایت میں نہ خواب کا ذکر تھا، نہ مکالمات کا وجود تھا اور نہ ابوشحمہ کی ماں کی منت کا ذکر تھا۔ لیکن اس کہانی میں کچھ مزید اضافات کیے گئے۔ اس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کہانی کسی نے وضع کی تھی اور بعد میں آنے والے لوگوں نے مزید حاشیہ آرائی کی۔ جس طرح آج کا مولوی یہ کہتا ہے کہ ابوشحمہ اسی کوڑوں میں مر گئے تھے اور بیس کوڑے اُن کی لاش پر لگائے گئے۔ آگے آگے دیکھیے کہ یہ جاہل ملا کیا کیا تماشے دکھاتے ہیں۔
10. اس روایت کو پڑھ کر اور سن کر قاری اور سامع کے ذہن پر یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر

رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ منورہ میں شراب عام تھی۔ جگہ جگہ بھٹیاں قائم تھیں۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی اولاد بھی اس ام الخبائث سے محفوظ نہ تھی۔ یہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا کتنا گھناؤنا تصور ہے۔

11. حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہود کو سرزمین عرب سے ملک بدر کر دیا تھا۔ تو اب یہودیوں نے وہاں شراب کی بھٹیاں کیسے قائم کر لیں۔ کہیں یہ قصہ کسی یہودی نے تو وضع نہیں کیا؟

12. ابوشحمہ نے جو یہ حرکت کی تو یہ بنوالنجار کے علاقے میں کی تھی۔ غالباً شراب بھی اسی کے قرب وجوار میں پی گئی۔ ہمارے مولوی کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ اس احاطہ سے کون سا احاطہ مراد ہے۔ قبیلہ بنوالنجار اسلام سے پہلے سے اُس جگہ آباد تھا جو آج مسجد نبوی کا علاقہ سمجھا جاتا ہے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ یہیں رہائش پذیر تھے۔ اسی علاقہ میں مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی۔ ظاہر ہے کہ مسجد کے قرب وجوار کی آبادی بنونجار پر مشتمل تھی۔ گویا ساری حرکات مسجد نبوی کے قرب وجوار میں ہوئیں۔ چنانچہ اس قسم کی بات وہی کہہ سکتا ہے جو اسلام کا بدترین دشمن ہو۔ ہمارے ملاؤں کی آنکھوں میں اگر نذر ونیاز کے پردے پڑ گئے ہیں اور عقلیں ماری گئیں ہیں تو ہمارے پاس اس کا کوئی علاج نہیں۔ لیکن ہم اپنے عوام سے نا اُمید نہیں ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ ناواقف ہیں۔

13. شروع کہانی میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے ساتھ لے کر گئے اور پھر گھر میں داخل ہوئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی گھر میں داخل ہوئے یا نہیں۔ اگر داخل ہوئے تھے تو وہ نامحرم تھے گھر میں کیسے گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کیسے گوارا کیا۔ اگر اندر نہیں گئے تھے تو اندر کی رام کہانی کس نے بیان کی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کس سے سنی ہے۔ کوئی مائی کا لال ہے جو اس کا اتہ پتہ بتائے؟

14. یہ بھی عجیب معمہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیٹے سے پوچھ گچھ سے پہلے ہی تمام اہل مدینہ کو جمع کر لیا۔ گویا وہ اپنے بیٹے کو قتل کرنے کے لیے ادھار کھائے بیٹھے تھے۔

اس روایت میں اور بھی بہت سے عیوب بھرے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ داستان ایک اور شخص کی زبانی سنیے۔ جس کا نام عبدالقدوس ہے۔ وہ اس کہانی کو صفوان کے ذریعہ نقل کر رہا ہے۔

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام عبداللہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے کا نام عبیداللہ تھا۔ اسی کو ابوشحمہ کہا جاتا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ ابوشحمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھا اور ہر وقت تلاوت قرآن میں مشغول رہتا۔

ایک بار شدید بیمار ہوا۔ اس کی عیادت کے لیے امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن آیا کرتی تھیں۔ ایک روز جب وہ اس کی عیادت کے لیے آئیں، تو انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا اے عمر رضی اللہ عنہ تو بھی ایسی ہی نظر مان لے، جس طرح علی رضی اللہ عنہ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے لیے نظر مانی تھی۔ تو اللہ نے انھیں صحت دی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ نے میرے اس بیٹے کو صحت دے دی تو میں تین روزے رکھوں گا۔ یہی نظر ابوشحمہ کی والدہ نے مانگی۔ نتیجتاً یہ لڑکا اچھا ہو گیا اور صحت پانے کے بعد ایک یہودی کی بھٹی میں جا گھسا اور وہاں نبیذ پی کر نشہ میں مست ہو گیا۔ پھر بنونجار کے احاطہ میں گھسا۔ تو وہاں ایک عورت سو رہی تھی۔ یہ اسے چمٹ گیا اور اپنے نفس کی آگ بجھائی۔ جب کھڑا ہوا تو عورت نے اسے گالیاں دیں اور اُس کے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اس راوی نے پھر آگے پورا پہلا والا واقعہ نقل کیا۔

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اول تو ان لوگوں نے ابوشحمہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ قرار دیا۔ پھر بدکاری کا الزام بھی عائد کیا۔ اس کا راوی عبدالقدوس بن الحجاج ہے جو کذاب ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں اس کی روایت بیان کرنا بھی حلال نہیں۔ (الموضوعات ج ۳ ص ۲۷۵)

اس تیسری روایت سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی کہ اس کے واضعین کس قسم کے لوگ ہیں۔ اُن کا مقصود نہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اُن کی اولاد پر تبرا ہے۔ بلکہ انھوں نے چند الفاظ کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر حملہ کیا اور چونکہ سبائی طبقہ اس قرآن کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس لیے قرآن پڑھنے والوں کا بھی مذاق اُڑایا گیا کہ یہ ابوشحمہ ہر وقت تلاوت کیا کرتا تھا۔ گو یہ اس

تلاوت کا نتیجہ تھا۔ عیاذاً باللہ۔

2. لیکن ان بدطینتوں کو یہ معلوم نہیں کہ ابوشحمہ عبیداللہ کی کنیت نہیں اور اگر واقعتاً ایسا ہے تو یہ ان کے اول درجہ کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جنگ صفین تک زندہ رہے اور میدان صفین میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ پھر ہمارے یہ سبائی مؤرخین یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے تو عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ہرمزان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش میں قتل کر دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے سب سے پہلا مقدمہ اسی قتل کا پیش ہوا۔ کیا یہ عبیداللہ رضی اللہ عنہ مر کر دوبارہ زندہ ہوئے تھے۔ دراصل اس طبقہ کو بغض عمر رضی اللہ عنہ میں یہ بھی نظر نہیں آتا کہ کون مرا اور کون زندہ رہا؟ انھیں تو بدنام کرنے سے غرض ہے۔

3. سبائی مذہب کے مطابق دس گھونٹ شراب جائز ہے۔ کیا یہ اسی کے جواز کے راستے تو تلاش نہیں کیے جا رہے ہیں۔ کیونکہ ہمیشہ سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ نکٹے ہمیشہ ناک والوں کو نکو بنایا کرتے ہیں۔

4. نبیذ بالذات حرام نہیں۔ تاوقتیکہ اس میں نشہ پیدا نہ ہو اور نبیذ میں نشہ دو تین روز بعد پیدا ہوتا ہے۔ ان احمقوں نے یہ کیوں تصور کر لیا کہ ہر نبیذ میں نشہ ہوتا ہے۔ جب کہ پہلی روایت میں شراب کا الزام قائم کیا گیا تھا۔

5. یہ روایت ثابت کر رہی ہے کہ جس کے ساتھ یہ حرکت کی گئی وہ امراۃ تھی۔ یعنی شادی شدہ عورت۔ وہ آخر بچہ ہونے تک اتنی بڑی حرکت کو کیوں چھپائے بیٹھی رہی اور شادی شدہ عورت کے بچہ پیدا ہوتا ہی ہے۔ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ یہ بچہ اس کے خاوند کا نہ تھا۔ اس کا دعویٰ خود ثبوت نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ ثبوت اور دلیل دعوے سے جداگانہ ہوتی ہے۔ خود دعویٰ ثبوت نہیں ہوتا۔ ہمارے نزدیک نو ماہ تک اس کا خاموش بیٹھے رہنا اس کے جھوٹے ہونے کا کھلا ثبوت ہے۔

6. یہ کہانی تین طریقوں سے مروی تھی جو ہم نے قارئین کے سامنے پیش کر دیے۔ لیکن کسی طریقہ میں کسی جگہ اور کسی راوی نے یہ بیان نہیں کیا کہ وہ عورت کون ذاتِ شریف تھی؟ اُس کا تعلق یہودیوں سے تھا یا یہ کہانی تیار کرنے کے لیے اسے ایران سے درآمد کیا گیا تھا۔

دراصل ابوشحمہ عبدالرحمٰن الاوسط کی کنیت ہے اور وقوعہ کی اصل صورت یہ ہے کہ عبدالرحمٰن الاوسط حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصر کے جہاد میں شریک تھے۔ ایک روز اُنھوں نے نبیذ پی۔ اتفاق سے انھیں نشہ پیدا ہو گیا۔ یہ صبح کو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے عرض کیا مجھ پر شراب کی حد جاری کیجیے۔ اُنھوں نے انکار کر دیا۔ کیونکہ اس وقت نہ نشہ کا اثر تھا اور نہ گواہ موجود تھے۔ اس پر عبدالرحمٰن بولے کہ اگر تم نے مجھ پر حد نہ لگائی تو میں اپنے والد کو تمھاری اس حرکت سے مطلع کروں گا۔ مجبور ہو کر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے خیمہ میں اُن پر حد جاری کر دی اور کسی کو خبر بھی نہ ہونے دی۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو اُنھوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو تنبیہ کی تم نے حد سب کے روبرو کیوں جاری نہیں کی اور اخفاء سے کیوں کام لیا۔ جب عبدالرحمٰن فتح مصر کے بعد مدینہ پہنچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تربیت کی غرض سے ان کے چند کوڑے مارے۔ اتفاق سے کچھ دن بعد وہ بیمار ہو گئے اور اسی بیماری میں اُن کا انتقال ہو گیا۔ امام ابن الجوزی اور سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ یہ ہے اصل واقعہ جسے قصہ گوؤں نے کچھ کا کچھ بنا کر پیش کر دیا ہے۔ (الموضوعات ج ۳ ص ۲۷۵)

ہمارے نزدیک یہ سب مجوسیت اور سبائیت کی کارفرمائیاں ہیں۔ قصہ گو اور صوفیاء تو صرف ٹیپ کا کام انجام دیتے رہے ہیں۔ یہ ہاتھ کی صفائی ان ہی کا کارنامہ ہے کہ اس ایک داستان کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر بھی تبرا کیا گیا۔ آل عمر رضی اللہ عنہ کو بھی بدنام کیا گیا اور ساتھ ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین بھی کی گئی۔

لیکن چونکہ یہ سب افراد ایک ذہن کے مالک نہ تھے۔ اس لیے اس داستاں میں اختلاف

پیدا ہوا۔ کسی نے ابوشحمہ کو فلح کے ذریعہ پٹوایا اور کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں۔ کسی نے اس نامعلوم فاحشہ کو کنواری بیان کیا اور کسی نے شادی شدہ عورت۔ لیکن ہر ایک کے پیش نظر عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو بدنام کرنا تھا اور خاص طور پر عبید اللہ بن عمر کو۔ لیکن اُن سے غلطی یہ سرزد ہوئی کہ اُنھوں نے عبید اللہ کو ابوشحمہ قرار دے دیا۔ یا یہ کہتے کہ عمداً ایسا کیا گیا تاکہ کوئی اُن پر اُلٹا یہ الزام ثابت نہ کر سکے کہ عبید اللہ جنگ صفین تک حیات تھے۔ اس لیے اتنی قلابازیاں کھانے کی ضرورت پیش آئی۔ [1]

---

[1] اسنادہ موضوع - اس کی سند من گھڑت ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا تحقیق سے واضح ہے۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ جلد ۷ ص ۱۷۸ تذکرہ ابو شحمہ بن عمر بن خطاب حدیث (۱۰۱۱۸)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر بے پردگی کے معاملے میں ایک افترائی قصہ

سلمہ بن قیس (کمانڈر اسلامی فوج) کے قاصد کہتے ہیں جب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اندر گیا، پہلے تو میں نے سلام کیا اور دیکھا کہ آپ دو گدوں کے ایک بچھونے پر بیٹھے ہوئے تھے جو چمڑے کے تھے اور اس کے اندر کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ آپ نے مجھے ان میں سے ایک گدا دے دیا جس پر میں بیٹھ گیا پھر آپ نے آواز لگائی اے ام کلثوم! ہمارا کھانا لاؤ۔ اُنھوں نے روغن زیتون کے ساتھ ایک روٹی بھیجی جس میں ایک نمک کی ڈلی بھی رکھی ہوئی تھی آپ نے پھر فرمایا اے اُم کلثوم! تم باہر کیوں نہیں نکل رہی ہو؟ تم ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ اس پر اُم کلثوم نے فرمایا کہ میں آپ کے پاس ایک اجنبی مرد کی آواز سن رہی ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں اور میرے خیال میں وہ اس شہر کا رہنے والا بھی نہیں ہے۔

حضرت اُم کلثوم نے پھر فرمایا اگر آپ چاہتے ہیں کہ مردوں کے سامنے نکلوں تو آپ مجھے بھی ویسا ہی لباس پہنائیں جیسا کہ ابن جعفر نے اپنی بیوی کو پہنایا ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تمھارے لیے یہ اعزاز کافی نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ اُم کلثوم علی بن ابی طالب کی بیٹی اور امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی ہے۔ پھر آپ قاصد سے بولے کہ تم کھانا کھاؤ۔ [1]

---

[1] اسنادہ موضوع - اس کی سند من گھڑت ہے۔ تاریخ الامم والملوك (۲/۵۵۷، ۵۵۸) واوردہ الامام ابن عدی فی الکامل فی الضعفاء الرجال (۷/۲۱۲، ۵۹، ۲۱۱۲) اس میں ابو جناب کلبی جس کا نام یحییٰ بن ابی حیہ ہے متروک الحدیث ہے۔ واوردہ الامام ابن حبان فی کتاب المجروحین (۳/۱۱۱، ۱۱۲) ابو جناب راوی مدلس ہے، یحییٰ بن معین کہتے ہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یحییٰ القطان نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ الضعفاء الصغیر للبخاری ترجمہ (۲۹۵) نسائی کہتے ہیں ضعیف ہے۔ الضعفاء والمتروکین ترجمہ (٦٤٠) ابن ابی حاتم کہتے ہیں قوی نہیں۔ الجرح والتعدیل (۹/۱۳۸، ۵۸۷) نیز اس میں ابو المحجل الردینی مجہول ہے۔
جس راوی نے یہ قصہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے اس کی عمر سے ملاقات ثابت نہیں۔
غرض کہ اس میں انقطاع ہے، ایک راوی مجہول ہے اور ایک راوی متروک ہے۔

شیخ ابن باز نے اس قصے کو باطل کہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اپنی بیوی اُم کلثوم کو غیر محرم کے ساتھ کھانے پر نہیں بلا سکتے تھے۔

ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے بخشش مانگنے قبر نبوی پر، قبر سے آواز آئی جا اللہ نے تجھے بخش دیا ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر دینے کے تین دن بعد ایک دیہاتی ہمارے پاس آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر گر پڑا اور قبر کی مٹی اپنے سر پر ڈالنے لگا اور کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے سنا اور قبول کیا، ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو کلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا اس کا ایک حصہ یہ بھی ہے۔

﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾[النساء:٦٤]

”اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے اگر تمھارے پاس آتے اور اللہ سے بخشش مانگتے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ان کے لیے بخشش طلب کرتے تو اللہ کو معاف کرنے والا رحیم پاتے۔“

اور میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور آپ کے پاس آیا ہوں کہ میرے لیے معافی چاہیں۔ قبر سے آواز آئی کہ اللہ نے تم کو بخش دیا۔

اس حدیث کا غیر یقینی ہونا تو خود اس کے متن سے ظاہر ہے، سند کی بحث تو چھوڑیے اور اس میں بعض ایسی باتیں ہیں جن کی وجہ سے اس حدیث کے موضوع ہونے میں کسی مسلمان کو بھی شک نہ ہوگا مثلاً:

1. یہ تو سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں

دفن کیے گئے اور جیسا کہ کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ دیہاتی آیا اور اس نے قبر پر مذکورہ حرکتیں کیں تو سوچئے کہ اس نے حجرہ میں داخلہ کی اجازت کب لی؟ اجازت کا ذکر تو اس حدیث میں ہے نہیں۔ اگر فرض کر لیجیے کہ اس نے اجازت لے لی تھی تب بھی عقل یہ تسلیم نہیں کرتی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں وہ قبر پر گر پڑتا اور قبر کی مٹی سر پر پھینکتا اور حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا اسے نہ روکتیں۔

2. یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ نے اس دیہاتی کا قصہ بیان فرمایا۔ معلوم نہیں خود دیکھا یا کسی سے سن کر بیان کیا۔ اگر کسی سے سن کر بیان کیا تو اس شخص کا نام روایتوں میں ملنا چاہیے، جس کا کوئی ذکر نہیں، اگر خود دیکھ کر بیان کیا ہے تو عقل باور نہیں کرتی کہ آپ نے ایسا غیر شرعی عمل اپنی آنکھ سے دیکھا ہو اور اس کی روک ٹوک نہ کی ہو، جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ نیز اسی سند میں ابوصادق کا نام آتا ہے، جبکہ ابوصادق کا سماع حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہی نہیں ہے۔

3. اس حدیث میں دیہاتی کا یہ بیان کہ ''اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے فرمایا ہم نے سنا۔ آپ نے اللہ کی طرف سے یاد کیا ہم نے آپ کی طرف سے یاد کیا۔'' جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ دیہاتی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے۔ آپ سے سننے اور سمجھنے والا شخص سمجھدار اور صاحب بصیرت ہوگا۔ لہٰذا جس صحابی کی یہ شان ہو کہ وہ بصیرت اور دانا ہو وہ اس جاہلی حرکت کا مرتکب ہوگا کہ قبر پر لیٹنے لگے اور قبر کی مٹی اپنے سر پر اُڑانے لگے، جس فعل سے کہ آپ نے صراحت کے ساتھ منع فرمایا۔

4. دیہاتی نے قرآن کی یہ آیت ﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا﴾ کی تلاوت کی، جس سے استدلال اس موقع پر بالکل بے محل ہے، کیونکہ اس آیت کا تعلق آپ کی زندگی سے تھا نہ کہ آپ کی وفات کے بعد سے۔ جب تک آپ حیات تھے آپ کی دعائیں قبول ہوتی تھیں۔ آپ مستجاب الدعوات بھی تھے۔ جس کے لیے بھی دعا فرما دیتے قبول ہو جاتی تھی۔ لیکن وفات

کے بعد دعا کرنا اور آپ سے دعا کی درخواست کرنا سب محال ہے، کیونکہ موت کی وجہ سے آپ کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اب آپ قیامت تک اپنی قبر میں آرام فرما ہیں اور آپ پر موت کے سارے احکامات نافذ ہیں۔ اب آپ کی نہ زبان ہل سکتی ہے، نہ جسم اور قیامت تک عمل وحرکت سے مجبور و بے خبر ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے۔

((اِذَا مَاتَ ابْنُ اٰدَمَ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ، صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ وَعِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ وَوَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْلَهٗ))

''جب انسان مر چکا تو تین راستوں کے سوا باقی اس کے تمام اعمال منقطع ہو گئے، صدقہ جاریہ، نفع دینے والا علم اور وہ نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔''

رہی حیات برزخی تو یہ ایک ایسی زندگی ہے جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں اور اس کا دنیا کی زندگی سے کچھ تعلق نہیں، بلکہ وہ ایک مستقل زندگی ہے جس کی حقیقت کا علم ہمیں نہیں، لیکن ہم اس پر دل سے ایمان رکھتے ہیں اور مردوں اور زندوں کے درمیان برزخ ایک حد فاصل ہے، ایک حجاب اور روک ہے، جس کی بناء پر دونوں کا اتصال خواہ ذاتی ہو یا صفاتی، کسی طرح کا بھی ممکن نہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾[المومنون:۱۰۰]

''اور ان کے پیچھے برزخ ہے جہاں وہ اس دن تک رہیں گے جب تک کہ دوبارہ اُٹھائے جائیں۔''

برزخ اس کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اور دونوں کو ملنے سے روک رکھے۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾[المومنون:۸۰]

''بے شک آپ مردوں کو بات نہیں سنا سکتے۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾[فاطر:۲۲]

''اور تم ان کو جو قبروں میں ہیں نہیں سنا سکتے۔''

اور جب اللہ نے آپ کو وفات دے دی تو آپ بھی مُردوں میں شامل ہو گئے۔ لہٰذا آپ بھی دنیا والوں میں سے کسی کی پکار نہیں سن سکتے۔ اگرچہ یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا جسم اطہر خاک میں مل کر خاک نہیں ہوتا، لیکن ان کا جسم مردہ اور بلا روح ہوتا ہے۔ جسم کا فنا نہ ہونا اور بات ہے، لیکن موت حقیقی کے واقع ہونے میں ذرا بھی شک نہیں۔ اور میت کے لیے ممکن نہیں کہ وہ زندوں کی آواز سن سکے اور جب سننا ممکن نہیں تو جواب دینا بھی ممکن نہیں۔ لہٰذا آپ جب استغفار کی درخواست سن نہیں سکتے تو استغفار کر کیسے سکتے ہیں؟

اس تفصیل سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اعرابی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استغفار کی درخواست کرنا عبث اور بے فائدہ ہے۔

آخر کیا حرج تھا اگر وہ خود اللہ کی طرف متوجہ ہوتا اور اپنے گناہوں سے تائب ہوتا اور اللہ سے مغفرت کا طالب ہوتا؟ یا زندہ لوگوں میں سے کسی صالح بزرگ کو منتخب کرتا اور ان سے درخواست کرتا کہ وہ اس کے لیے دعا فرمائیں جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا استسقاء کی درخواست کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی قبر پر یا کہیں سے آپ کو دعا استسقاء کے لیے نہیں پکارا، اگر یہ فعل جائز ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ہرگز دعا کے لیے نہ کہتے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا محض اس لیے نہیں کیا کہ وہ جانتے تھے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے وفات پا چکے ہیں اور اب پکارے جانے کے مستحق نہیں ہیں اور نہ ہی آپ دعا وغیرہ کر سکتے ہیں۔

پھر اس آیت کا اس واقعہ سے کوئی تعلق بھی نہیں۔ یہ آیت تو ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جو لوگوں کو اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روکتے تھے، اور طاغوت کو حکم بناتے تھے اور جب کسی معاملے میں مجبور پڑ جاتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور قسم کھا کر معذرت کرتے تھے

کہ ہم دوسروں کے پاس محض ان کی دلجوئی کے لیے گئے تھے ورنہ ہمارا ان پر ایمان و اعتقاد نہیں۔ لٰہذا یہ منافقین جب آپ کی مجلس میں آ کر اللہ سے استغفار کرتے اور آپ سے بھی استغفار کی درخواست کرتے تو اللہ ان کو بخش دیتا۔ ان کی اسی عادت کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا کہ اگر یہ منافقین آتے اور استغفار کرتے تو اللہ کو تواب و رحیم پاتے۔ لیکن یہ بدنصیب آئے ہی نہیں، نہ ہی استغفار کیا نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے استغفار کیا۔

لٰہذا اعرابی کے واقعہ سے اس آیت کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ واقعہ محض گمراہی اور فساد کے لیے خاص طور پر گڑھا گیا ہے۔ لیکن اللہ کے واضح ارشادات کے ہوتے ہوئے ان موضوع احادیث کا اثر دین پر کچھ نہیں پڑتا۔

5. اس حدیث کا یہ ٹکڑا کہ ((فنودی من القبر انه غفرلك)) ''قبر سے آواز دی گئی کہ اللہ نے تم کو بخش دیا'' اس ذہن کی ترجمانی کر رہا ہے جو ہر قسم کے وسیلہ کو حق اور مشروع سمجھتا ہے، چاہے اس سے دین کی بنیاد ہی کیوں نہ ہل جاتی ہو۔

دین سے ناواقف سیدھے سادے عوام جب اس واقعہ کو سنیں گے تو انھیں اپنی مغفرت کے لیے یہ آسان نسخہ معلوم ہوگا اور اس دیہاتی کی طرح وہ بھی اس کی نقل کرنے کی کوشش کریں گے، جیسا کہ آج عملاً اس کا رواج عام ہو چکا ہے۔ ناخواندہ تو کیا بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ اس جہالت و ضلالت کا شکار ہیں۔ فَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ

اس آخری ٹکڑے سے یہ لوگ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور بات کرنے والوں کی باتیں سنتے ہیں اور ان کا جواب بھی دیتے ہیں اور آپ کا جواب قبر سے سنا بھی جاتا ہے۔

اس واقعہ کو اگر صحیح مان لیا جائے تو قرآن مجید کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہوتا ہے کہ ''مردے نہ سنتے نہ جواب دیتے ہیں۔'' اس واقعہ میں اللہ پر زبردستی قسم کھائی گئی ہے کہ اس نے فلاں کو بخش دیا، جب کہ یہ ایک غیبی امر ہے جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی کتاب میں خبر دی ہے کہ:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾[آل عمران:١٨٥]

''ہر نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾[آل عمران:١٤٤]

''اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، آپ سے پہلے بھی رسول ہو گزرے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ﴾[الزمر:٣٠]

''بے شک آپ بھی مرنے والے ہیں اور سب لوگ بھی مرنے والے ہیں۔''

ان تمام آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی اسی طرح انتقال کر گئے جس طرح آپ ﷺ سے قبل دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام نے انتقال فرمایا۔ اور موت کی وجہ سے جس کا سلسلہ ختم ہو جائے اس کا عمل بھی ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ بھی بشر تھے۔ لہٰذا مرنے کے بعد آپ نہ سن سکتے، نہ بول سکتے اور نہ اب اس دنیا سے آپ کا کسی قسم کا تعلق قائم ہے۔ اگر دنیا سے آپ کا تعلق ممکن ہوتا تو سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد والوں سے قائم ہوا ہوتا، کیونکہ آپ ﷺ کے بعد جو حادثات رونما ہوئے اس کے پیش نظر آپ ﷺ سے تعلق قائم کرنا ضروری تھا۔ لیکن اس تعلق کا تاریخ میں کہیں نشان نہیں ملتا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یقینی طور پر جانتے تھے کہ آپ ﷺ وفات پا کر ہم سے بالکل بے تعلق ہو چکے ہیں اور قیامت تک دنیا میں آپ ﷺ سے رابطہ و تعلق ممکن نہیں۔ اس صورت میں دیہاتی کا یہ عمل نا قابل فہم ہے۔

قرآن نے تو صاف واضح کر دیا ہے کہ مردے نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں اور وہ دوسری دنیا میں ہیں جہاں سے اس دنیا کا کوئی ربط نہیں۔ ارشاد ہے:

﴿وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴾[المومنون:۱۰۰]

اور قبر بھی ایک برزخ ہے جس کے حالات سے ہم بے خبر ہیں، وہاں سے اس دنیا کا کوئی ربط نہیں، لہٰذا اس اعرابی کو کس طرح قبر سے جواب مل گیا اور اس کو مغفرت کی بشارت ہوگئی، عقل سے بعید اور حقیقت کے خلاف ہے۔

اس کے سوا اور کوئی بات نہیں کہ یہ سارا قصہ من گھڑت ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی طرف غلط منسوب ہے۔ لہٰذا اس کی روایت کرنے والوں کو بھی خوف کھانا چاہیے کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کریں گے ان کا مقام جہنم ہوگا۔ (اعاذنا اللہ منہ)

اس حدیث کی سند پر بحث:

''الصارم المنکی'' میں ہے کہ یہ حدیث منکر اور موضوع ہے۔ یہ گھڑی ہوئی بناوٹی خبر ہے، اس پر اعتماد صحیح نہیں۔ اس کی سند پر تاریکی کے تہہ بہ تہہ پردے پڑے ہوئے ہیں۔

اس کے راوی ھیثم بن عدی کی بابت یحییٰ بن منیر کا کہنا ہے کہ ھیثم بن عدی کوفی کذاب تھا۔ ابو داؤد نے بھی کہا کہ وہ کذاب ہے، ابو حاتم رازی، نسائی اور ارزی کا کہنا ہے کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ ھیثم کی لونڈی کا بیان ہے کہ میرا مالک رات بھر تو نماز پڑھتا تھا اور دن کو مجلس میں بیٹھ کر جھوٹ بولتا تھا۔

اس حدیث کے متن سند، تعلیق و تحقیق اور مفہوم سب کا جائزہ آپ نے لے لیا۔ آپ پر واضح ہو چکا کہ یہ ہر اعتبار سے ناقابل حجت ہے۔

اس سلسلے میں دوسری روایات کا جائزہ بھی لے لیں، تاکہ سب کی حقیقت واضح ہو جائے۔

(۲) حدیث العتبیٰ:

دوسری روایت حدیث ''العتبیٰ'' کے نام سے مشہور ہے جو ابو منصور الصباغ کی کتاب ''الشامل'' میں بلا سند بیان کی گئی ہے جس کا متن یہ ہے۔

((کُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ قَبْرِ النَّبِیِّ ﷺ فَجَاءَ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْكَ

یَارَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِعْتُ اللّٰهَ یَقُوْلُ ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُو اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ وَقَدْ جِئْتُكَ مُسْتَغْفِرًا لِذَنْبِيْ مُسْتَشْفِعًا بِكَ اِلٰى رَبِّيْ ثُمَّ اَنْشَاَيَقُوْلُ))

''میں نبی ﷺ کی قبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک دیہاتی آیا اور کہا ''السلام علیک یا رسول اللہ'' میں نے اللہ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ ''جب یہ اپنے نفسوں پر ظلم کر بیٹھے تو آپ کے پاس آجاتے ہیں اور اللہ سے معافی مانگتے ہیں اور رسول بھی ان کے لیے معافی کی درخواست کرتا تو یقیناً اللہ کو بخشنے والا، رحم کرنے والا پاتے'' اور اب میں آپ کے پاس اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے آیا ہوں، آپ کے ذریعہ اپنے رب سے شفاعت کا طالب ہوں۔ پھر وہ یہ اشعار پڑھنے لگا۔

یَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ فِي الْقَاعِ اَعْظُمُهٗ
فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ
نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ
فِيْهِ الْعَفَافُ وَ فِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

''اے بہترین شخص جس کی ہڈیاں اس مسطح پہاڑی میں دفن کی گئیں جن کی خوشبو سے پہاڑیاں اور ٹیلے معطر ہو گئے۔''

''میری جان اس قبر پر فدا ہو جس میں آپ بسے ہوئے ہیں، اسی قبر میں پاکدامنی اور جود و کرم بھی بسے ہوئے ہیں۔''

پہلی اور اس دوسری روایت میں معمولی سا فرق ہے۔ پہلی روایت میں ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ کو دفن کرنے کے تین دن بعد ایک دیہاتی ہمارے پاس آیا اور خود کو حضور ﷺ کی قبر پر ڈال دیا اور قبر کی مٹی سر پر پھینکنے لگا۔''

اور دوسری روایت (عتبی کی روایت) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک دیہاتی آیا۔

1. ذرا غور فرمایئے کہ یہ عتبی جو خود کو اس واقعہ کا شاہد بتا رہا ہے۔ ۲۲۸ھ میں وفات پاتا ہے، اس صورت میں کیا یہ ممکن ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے تیسرے دن اس واقعہ کے وقت موجود رہا ہو؟ فرض کر لو اس کی کل عمر سو سال رہی ہو، پھر بھی اس کی زندگی میں اس واقعہ کے درمیان ایک سو بیس سال کا فرق باقی رہ جاتا ہے۔ ایسی صورت میں اس روایت کی صحت کے بارے میں آپ کیا کہہ سکتے ہیں؟
2. دونوں ہی روایتوں میں آیت ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ﴾ کا ذکر آتا ہے کہ اعرابی کہ اعرابی نے اس آیت کو قبر نبوی ﷺ پر پڑھا۔ جب کہ ہم پچھلے صفحات میں تفصیل سے یہ بتا چکے ہیں کہ آیت مذکورہ کا حیات نبوی ﷺ سے تعلق ہے، وفات کے بعد اس سے استدلال بے محل ہے، اور مخلوقات کی ذات کے وسیلے کا اس سے جواز تلاش کرنا تو بالکل ہی بے موقع اور غلط ہے۔ یہ آیت تو دراصل چند منافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھی، نہ کہ مخلوقات کی ذات کے وسیلہ کے لیے۔
3. دونوں روایتوں میں لفظی اختلاف بھی ہے۔ العتبی کی روایت میں یہ نہیں ہے کہ دیہاتی نے خود کو قبر نبوی ﷺ پر ڈال دیا تھا اور قبر کی مٹی سر پر پھینکنے لگا جب کہ پہلی روایت میں یہ تفصیل موجود ہے یہ لفظی اختلاف اور دونوں روایتوں کا اضطراب خود اس کی دلیل ہے کہ روایت سخت مضطرب، مشکوک وغیر صحیح اور ناقابل حجت واستدلال ہے۔
4. دونوں روایات کا مفہوم آیت ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا﴾ سے ٹکراتا ہے، کیونکہ ان دونوں ہی روایتوں میں دیہاتی آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے کہتا ہے ((وَجِئْتُكَ مُسْتَغْفِرًا لِذَنْبِيْ)) جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ دیہاتی حضور ﷺ کی قبر پر آپ ﷺ سے گناہ کی معافی کی درخواست کر رہا ہے، جب کہ قرآن کہتا ہے کہ ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ

جَاءُ وْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ ﴾ یعنی اپنے اوپر ظلم کر جانے کے بعد ان منافقین کو چاہیے تھا کہ آپ کے پاس آ کر اللہ سے بخشش چاہتے، نہ کہ آپ سے بخشش چاہتے۔ کیونکہ اللہ سے مغفرت مانگنا تو اللہ کی بندگی ہے اور یہ بندگی کسی طرح مخلوق کے لیے جائز نہیں، صرف اللہ کے لیے کرنی جائز ہے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ سے گناہوں کی معافی مانگنا تو صاف شرک ہے۔ لہٰذا یہ روایت قرآن کی آیت سے صاف طور پر ٹکراتی ہے، جو اس کے غلط اور من گھڑت ہونے کی واضح دلیل ہے۔

آیت قرآنی کا تو سیدھا سادہ مطلب یہ تھا کہ یہ منافقین رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آتے اور اللہ سے اپنی غلطی کی معافی مانگنے پر رسول اللہ ﷺ کو گواہ بناتے اور خود آنحضرت ﷺ بھی ان لوگوں کے لیے اللہ سے استغفار کرتے تو اللہ کو تواب ورحیم پاتے۔ لیکن یہ تو اس آیت میں کہیں نہیں کہ یہ لوگ خود آنحضور ﷺ سے استغفار کرتے، جیسا کہ دونوں روایتوں میں مذکور ہے۔

5. العتبیٰ کی روایت میں یہ ٹکڑا مزید ہے ((مُسْتَشْفِعًا بِكَ اِلٰی رَبِّیْ)) یعنی دیہاتی کہتا ہے کہ یا رسول اللہ (ﷺ)، میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ سے میری شفاعت کر دیں۔ یہ ایک ایسی درخواست ہے جو حضور ﷺ کی وفات کے بعد ممکن العمل ہی نہیں ہے۔ کیونکہ وفات پا جانے کے سبب آپ کا عمل منقطع ہو گیا، لہٰذا آپ شفاعت فرما ہی نہیں سکتے تھے اور آپ سے یہ سوال کرنا ہی غلط تھا۔ نیز شفاعت کے لیے اللہ کی اجازت ضروری ہے اور یہ اجازت قیامت کے دن کے لیے خاص ہے اور اس دن بھی اللہ تعالیٰ صرف ان کے لیے اجازت دے گا جن سے وہ راضی ہوگا۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو سب سے زیادہ اہم و نازک وقت آپ کی ملاقات کا وہ تھا جب آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سخت خونریز جنگ چھڑ گئی تھی جس کے سبب ہزاروں صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ حق کس فریق کے ساتھ ہے؟ یہ کتنے تعجب کی بات ہو گی کہ اپنی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ ایک دیہاتی سے تو کلام فرمائیں، لیکن جب آپ

کی اُمت پر اختلاف وخونریزی کا سیلاب اُمڈ پڑا ہو اس وقت خاموش رہ جائیں۔

کیا یہ باتیں اس امر کی واضح علامت نہیں ہیں کہ سرے سے یہ سارا قصہ ہی غلط اور من گھڑت ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

سند حدیث پر بحث:

یہ روایت اپنی سند کے اعتبار سے بھی نا قابل اعتماد و حجت ہے، کیونکہ اس روایت کا اصل راوی العتبی جو اس قصہ کو دیہاتی سے روایت کرتا ہے، اس دیہاتی اور عتبی کے درمیان دوسو برس کا فاصلہ ہے۔ دیہاتی کا یہ قصہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے تیسرے دن بعد کا ہے اور عتبی کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوتی ہے۔ راوی اور صاحب واقعہ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا ہوگا؟ العتبی کے حالات اور سنہ وفات کو تمام مشہور مؤرخین نے بصراحت لکھا ہے۔

شفاعت کے بارے میں یہ ایسی بنیادی باتیں ہیں جو ہر مومن کے عقیدہ سے تعلق رکھتی ہیں اور تمام مسلمانوں کو اس کا علم بھی ہے اور شاید ہی کوئی مسلمان اس سے ناواقف ہو۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں کوئی ایسی بنیادی غلطی اور کھلی جہالت کا ارتکاب کرے یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اور وہ بھی کوئی مجہول اور غیر معروف شخص نہیں، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے معروف و مخصوص صحابی سے اس کا صدور تعجب خیز ہی نہیں ناممکن بھی ہے ایسی صورت میں ہر صاحب ایمان یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ پورا واقعہ ہی سرے سے غلط اور من گھڑت ہے۔

6. پہلی اور دوسری روایتوں میں کھلا ہوا تضاد ہے۔ پہلی روایت میں ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے اس کو قبر سے جواب دیا کہ اللہ نے تم کو بخش دیا۔" اور دوسری روایت میں ہے کہ "رسول اللہ ﷺ عتبی کو خواب میں نظر آئے اور عتبی سے کہا کہ اعرابی سے مل کر کہو کہ اللہ نے اس کو بخش دیا۔"

غور فرمایے کہ جب پہلی روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے اعرابی کو مغفرت کی بشارت خود بہ نفس نفیس دے دی تھی تو پھر دوسری روایت کے مطابق اسی کام کے لیے عتبی کو پابند کرنے کی

کیا ضرورت تھی؟ دونوں روایتوں کا یہ لاحاصل تکرار و تضاد خود اس کی دلیل ہے کہ واقعہ من گھڑت اور موضوع ہے۔

اس حدیث کا گھڑنے والا یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا وفات کے بعد بھی اپنی اُمت سے ملنا ممکن ہے حالانکہ یہ محال و ناممکن ہے۔

تیسری روایت:

یہ روایت عتبی سے بھی نہیں بلکہ کبھی محمد بن حرب الہلالی، عن الاعرابی سے روایت کی جاتی ہے اور کبھی محمد بن حرب الہلالی عن ابی محمد الحسن الزعفرانی عن الاعرابی سے روایت کی جاتی ہے۔ اور الزعفرانی امام شافعی رحمہ اللہ کے اجلہ اصحاب میں سے ہیں جن کی وفات ۲۴۹ھ میں ہوئی ہے لہٰذا جو واقعہ آنحضرت ﷺ کی تدفین کے تیسرے دن بعد کا ہے اس کی روایت وہ شخص کیسے کر سکتا ہے جو ڈھائی سو سال بعد کا ہے۔ غور کیجیے کہ اس قصے کو کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت کیا جاتا ہے اور کبھی العتبی کی روایت سے اور کبھی محمد بن حرب الہلالی کی روایت سے اور کبھی حسن الزعفرانی سے روایت کیا جاتا ہے۔ راویوں کا یہ اختلاف اور راوی اور مروی عنہ کے زمانوں کا تفاوت، یہ سب باتیں اس روایت کے اضطراب اور وضع و کذب کی واضح علامات ہیں۔

ابن عبدالھادی رحمہ اللہ نے اس روایت کی بابت لکھا ہے کہ "اس روایت کو بعض نے عتبی سے بلا سند روایت کیا ہے، بعض نے محمد بن حرب الہلالی عن الاعرابی کی روایت سے بعض نے محمد بن حرب عن الحسن الزعفرانی عن الاعرابی کی روایت سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں مجہول سند عن محمد بن روح بن یزید البصری حدثنی ابو حرب الہلالی سے روایت کی ہے اور بعض راویوں نے اس کو علی بن ابی طالب کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔

الغرض دیہاتی کا یہ قصہ اس قابل نہیں کہ اس کو دلیل بنایا جائے اور اس پر اعتماد کیا جائے۔

پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ دیہاتی کون ہے جس کا نہ نام مذکور نہ دیگر کوئی تفصیل۔ لہٰذا ایسے مجہول اعرابی کی اس حکایت پر عمل و تنقید کی بنیاد قائم نہیں کی جا سکتی۔ یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ اعرابی صحابی تھا یا نہیں؟ لیکن کسی صحابی اعرابی کا کوئی ایسا فعل احادیث و تاریخ میں مذکور نہیں فرض کر لو کہ

یہ واقعہ صحیح تھا تو بھی اس سے مخلوقات کی ذات کا وسیلہ کہاں ثابت ہوتا ہے؟ یہ دیہاتی تو محض اس وہم میں قبر پر گیا کہ ممکن ہے آپ (معاذ اللہ) وفات کے بعد بھی شفاعت فرماتے ہوں۔ حالانکہ شفاعت کا صحیح وقت تو قیامت کے دن کا ہے اور اللہ کی اجازت و مرضی کے ساتھ مشروط ہے۔ چنانچہ بعض روایات میں اعرابی کے پڑھے ہوئے دونوں اشعار کے علاوہ ایک تیسرا شعر بھی موجود ہے جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اعرابی کو یہ یقین و علم حاصل تھا کہ شفاعت کا صحیح وقت قیامت کا دن ہے چنانچہ اس کا تیسرا شعر یہ ہے۔

اَنْتَ النَّبِیُّ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُهٗ
عَنْدَ الصِّرَاطِ اِذَا مَا زَلَّتِ الْقَدَمْ

”آپ ہی وہ نبی ہیں جن کی شفاعت کی اُمید کی جاتی ہے، پل صراط سے گزرتے وقت جب قدم ڈگمگا جائیں گے۔“

یہ شعر بتا رہا ہے کہ اعرابی کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ شفاعت کا وقت قیامت کا دن ہے۔ اس کے باوجود دنیا میں آپ سے شفاعت کا طالب کیوں کر ہو رہا ہے؟ یہ تناقض اور اختلاف اس روایت کے اضطراب کی پوری دلیل ہے اور صاف واضح ہے کہ اعرابی کا یہ قصہ ہی دراصل موضوع اور طبع زاد ہے۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ واقعہ اپنی اصل اور بنیاد کے اعتبار سے ہی غلط ہے۔ یہ محض ان لوگوں کے وہم و تخیل کی پیداوار ہے جنھوں نے مخلوقات کی ذات کے وسیلہ کے ثبوت میں اس کو گھڑا اور وضع کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کذب و افتراء کے ان بیوپاریوں کو قرار واقعی سزا دے اور اُمت مسلمہ کو ان کی ضلالتوں سے محفوظ رکھے۔ آمین [1]

[1] مذکورہ بالا تحقیق سے ظاہر ہے کہ یہ قصہ واہی اور باطل ہے۔

دوزخی جنتی کے کندھوں پر سوار ہے، خواجہ فرید الدین گنج شکر کا مبلغ علم

خواجہ فرید الدین گنج شکر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید پلید کو کندھے پر بٹھائے ہوئے لیے جا رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے تبسم کیا اور فرمایا: سبحان اللہ! دوزخی بہشتی کے کندھے پر سوار ہوئے جا رہا ہے۔ جب یہ کلمہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سنا، تو حال پوچھا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! یہ تو معاویہ رضی اللہ عنہ کا لڑکا ہے۔ دوزخی کہاں سے ہے؟ کہا اے علی رضی اللہ عنہ یہ یزید وہ بدنصیب لڑکا ہے، جو میرے حسن و حسین رضی اللہ عنہما اور میری ساری آل کو شہید کرے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور تلوار نیام سے نکال لی کہ میں اسے مارے ڈالتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے علی رضی اللہ عنہ! ایسا نہ کر۔ خدا کا حکم ایسا ہی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! اس وقت آپ سر پر ہوں گے؟ فرمایا: نہیں! کہا یاروں میں سے کوئی ہوگا؟ کہا نہیں! کہا کیا میں ہوں گا؟ کہا نہیں! کہا، فاطمہ ہوگی؟ کہا وہ بھی نہیں۔ کہا یا رسول اللہ ﷺ! میرے بچوں کی کون ماتم داری کرے گا۔ کہا ''میری اُمت''

''پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ دونوں گریہ کرنے لگے اور دونوں شاہزادوں سے بغلگیر ہوئے اور نعرہ مارا کہ میں نہیں جانتا کہ اس دشت (کربلا) میں تمھارا کیا حال ہوگا۔''

''اس کے بعد شیخ الاسلام زبان مبارک سے فرمانے لگے کہ جس روز امیر المؤمنین حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی اس رات ایک بزرگ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خواب میں دیکھا کہ آپ کل انبیاء علیہم السلام کی بیویوں کو ساتھ لائی ہیں۔ دامن کمر مبارک سے بندھا ہوا ہے۔ دشتِ کربلا میں جہاں کہ امیر المؤمنین حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہادت پا دیں گے، جھاڑو دے رہی ہیں اور پانی آستین مبارک سے صاف کرتی جاتی ہیں۔ اُنھوں نے پوچھا کہ: ''اے خاتونِ قیامت اور اے بنت شفیع روزِ محشر! یہ کیا مقام ہے جسے آپ اپنی آستین سے صاف کر رہی ہیں؟'' فرمایا: ''یہ

وہ مقام ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ میرا بیٹا یہاں سر دے گا اور شہادت پائے گا۔"

"اس کے بعد اسی موقع پر آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے یہ حکایت پوچھی کہ جب ان میں سے کوئی بھی نہ ہوگا، تو کون اِن کی تعزیت کرے گا؟ کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کی اُمت آپ کے فرزندوں کی تعزیت کرے گی اور ایسی ماتم داری کرے گی کہ اس کی صفت بیان نہیں ہوسکتی۔" (دراحۃ القلوب، ص ۲۰۶، ۲۰۷، ملفوظات خواجہ فرید الدین گنج شکر، مرتبہ خواجہ نظام الدین اولیاء، ترجمہ غلام احمد بریاں، مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۹۱۶ء)

اس بیان سے مندرجہ ذیل باتیں مستفاد ہوتی ہیں:

مندرجہ بالا بیان شیخ الاسلام کی تاریخ وجغرافیہ دانی کا ایسا نادر شاہکار ہے کہ خواہ مخواہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ مثلاً:

(ا) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، یزید کو کندھے پر اُٹھائے حضور اکرم ﷺ کے سامنے نکلے حالانکہ یزید تو اس وقت پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ وہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے پندرہ سال بعد ۲۶ھ میں خلافتِ عثمان کے دور میں پیدا ہوئے تھے، تو پھر بہشتی کے کندھے پر دوزخی کا کیا سوال؟

(ب) حضور اکرم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں شہزادوں سے بغل گیر ہوئے اور فرمایا میں نہیں جانتا دشت میں تمھارا کیا حال ہوگا۔" حالانکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ واقعہ کربلا ۶۱ھ سے گیارہ سال پہلے ۲۰ صفر ۵۰ھ کو وفات پا چکے تھے۔

(ج) جب آپ کی ساری آل کو یزید نے دشتِ کربلا میں شہید کر دیا تھا، تو یہ اتنے کثیر تعداد میں سید کہاں سے تشریف لائے۔

(د) دشت کربلا تو ریت کا میدان تھا، وہاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کیا جھاڑو دے کر ریت کے تودے ہٹائے تھے۔ امیر المؤمنین کیسے ہو گئے جبکہ ان کی خلافت ایک لمحہ کے لیے بھی منعقد نہیں ہوئی۔

(ر) امیر المؤمنین کوئی اعزازی لقب نہیں، حضرت حسین رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین کیسے ہو گئے جبکہ ان کی خلافت ایک لحہ کے لیے بھی منعقد نہیں ہوئی۔

(۲) اسی طرح یہ بیان شیعہ نوازی کا بھی شاہکار ہے۔ یزید کو دوزخی قرار دینا۔ وقوعہ شہادت سے پہلے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گریہ وزاری کرنا۔ پھر زبانِ نبوت سے اُمت کی طرف سے تعزیہ اور ماتم داری کا اعلان۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے خود خدا کا اعلان کہ یہ ماتم داری صرف جائز ہی نہیں، بلکہ ایک اچھی صفت ہے۔ یہ سب باتیں شیعیت کی پوری پوری تائید کر رہی ہیں۔[1]

[1] بحوالہ شریعت وطریقت۔ از عبدالرحمٰن کیلانی صفحہ ۲۴۴، ۲۴۶۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مرض الموت میں یزید کو وصیت

مؤرخ خضری لکھتے ہیں کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو اپنے بیٹے یزید کو یہ وصیت لکھوا کر بھجوائی۔

اے میرے بیٹے! میں نے تمھیں گھر بیٹھے ہی سب کچھ دے دیا (یعنی آنے جانے کی کوئی ضرورت نہیں پڑی) سارے معاملات تمھارے لیے درست کر دیے۔ دشمنوں کو تمھاری خاطر مغلوب کیا اور سارے عرب کی گردنیں تمھارے آگے جھکا دیں اور تمھارے لیے وہ کچھ اکٹھا کر دیا جو کسی نے نہ کیا ہوگا۔ اہل حجاز (مکہ و مدینہ و طائف) کا خیال کرنا۔ تمھارا اناس وہیں سے ہے ان میں سے جو شخص تمھارے پاس آئے اس کی عزت کرنا۔ جو غائب ہو اس کو خوش رکھنے کی فکر کرنا اہل عراق پر توجہ رکھنا۔ اگر وہ تم سے روزانہ ایک عامل کو بدل دینے کی درخواست کریں تو ایسا کر ڈالنا۔ کیونکہ ایک عامل کا بدل دینا اس سے کہیں سہل ہے کہ ایک لاکھ تلواریں تمھارے خلاف بے نیام ہو جائیں۔

اہل شام پر نگاہ رکھنا۔ انھی کو اپنا ہمراز و دمساز بنانا۔ کسی دشمن کی طرف سے خطرہ ہو تو انھی سے مدد لینا۔ اور جب ان لوگوں پر (یعنی دشمنوں پر) قابو پالو تو پھر اہل شام کو ان کے گھروں کو واپس کر دینا۔ کیونکہ یہ اپنے شہروں کے علاوہ کہیں اور رہیں گے تو ان کے اخلاق بدل جائیں گے۔

حکومت کے بارے میں تم سے اختلاف کرنے کا خطرہ مجھے کسی کی طرف سے نہیں۔ سوائے قریش کے چار آدمیوں کے۔ یعنی حسین بن علی رضی اللہ عنہما۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما تو ایسے شخص ہیں کہ عبادت نے انھیں نیم جان کر رکھا ہے اگر سوائے ان کے اور کوئی شخص بیعت سے نہ رکا رہا تو وہ بیعت کر لیں گے۔

حسین بن علی رضی اللہ عنہما کم سواد شخص ہیں۔ اہل عراق ان کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ جب تک تمھارے خلاف کھڑا نہ کر دیں۔ اگر وہ خروج کریں اور تم ان پر قابو پالو تو معاف کر دینا۔ کیونکہ ان سے تمھارا قریبی رشتہ ہے۔ ان کا بڑا حق ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ عزیز ہیں۔

عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما ایسے شخص ہیں کہ جو اپنے ساتھیوں کو کرتے دیکھیں گے وہی کرنے لگیں گے، ان کے اندر ہمت نہیں۔ ان کی دلچسپی عورتوں میں اور کھیل تماشوں میں ہے۔

البتہ جو شخص تمھارے سامنے شیر کی طرح ڈٹے گا اور لومڑی کی طرح تم سے چالیں چلے گا، وہ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ ہیں اگر وہ ایسا کریں اور تم ان پر قابو پالو تو ان کا ایک ایک عضو کاٹ ڈالنا اور جہاں تک ممکن ہوا اپنی قوم کا خون بہانے سے گریز کرنا۔ (محاضرات تاریخ الامم اسلامیہ ج ۲ ص ۱۲۲)

ہم نے یہ وصیت حکیم علی احمد عباسی صاحب کی کتاب ''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاسی زندگی'' سے نقل کی ہے اور انھوں نے اسے خضری بک مصری کے حوالہ سے پیش کیا ہے۔ لہٰذا انھوں نے اس روایت پر جو بحث کی ہے اول ہم اسے پیش کریں گے۔ اگر اس میں کچھ اضافہ کی ضرورت سمجھیں گے تو وہ اضافہ ان کی بحث کے بعد تحریر کیا جائے گا۔ آیئے پہلے تو ہم یہ دیکھیں کہ حکیم صاحب نے نبض دیکھ کر کیا بیماری تشخیص کی ہے۔ حکیم صاحب لکھتے ہیں۔

خضری نے یہ وصیت نقل کی ہے اور تعجب ہوتا ہے کہ اُنھوں نے امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے امام الصحابہ کی طرف سے وصیت کا یہ مضمون کس طرح منسوب کرنا قبول کر لیا۔ از اول تا آخر یہ وصیت نامہ مصنوعی ہے اور اس کا ایک لفظ بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکلا ہوا نہیں ہے۔ سب سے اہم چیز جسے خضری جیسے شخص کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں رہنا چاہیے تھا۔ وہ سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے۔ یہ امر متفق علیہ ہے کہ سیدنا عبدالرحمن رضی اللہ عنہ ۵۳ھ میں انتقال فرما چکے تھے۔ یعنی یہ وصیت لکھنے سے سات برس پہلے۔ تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے، کہ حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ ان کا تذکرہ کرتے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ولایت کی بیعت کر لی تھی۔ جیسا کہ صحیح بخاری کے حوالہ سے ہم دوسری جگہ بیان کر چکے ہیں اور وہیں اس بات کی وضاحت بھی ہو چکی ہے کہ خلافت کا جو تھوڑا سا خیال آپ کے دل میں اس وقت پیدا ہوا تھا۔ وہ اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ان کے دل سے نکال دیا تھا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ اُنھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بیعت نہیں کی تھی۔ لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے بیعت کر لی تھی۔ لہٰذا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کا خطرہ کیوں کر ہو سکتا تھا کہ جو عہد وہ علی رؤس الاشہاد مسجد نبوی میں کر چکے تھے اسے توڑ دیں گے۔ یہ نام بھی اس وصیت میں ہرگز نہیں ہو سکتا۔

جس شخص نے یہ وصیت نامہ وضع کیا ہے۔ اس کے دل میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت نہ تھی اور وہ انھیں ایک دنیا دار حکمراں سمجھتا تھا۔ جو اپنے بیٹے کی محبت میں دنیا و آخرت سے بے خبر ہو چکے تھے۔ اس لیے اپنی ذہنیت کے مطابق اس نے یہ وصیت نامہ مرتب کر کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کی طرف منسوب کر دیا اور خضری جیسے لوگ اسے قبول کر بیٹھے۔

سبائیوں نے ولایت عہد کے مسئلہ کو جس طرح امیر المؤمنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذاتی ہوس اور خاندانی خواہش کی نمود بنا دیا ہے۔ اس کے ثبوت میں یہ مردود وصیت نامہ مرتب کر دیا گیا اور یہ کرامت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ اس وصیت نامہ کے مفتری مصنف کو سیدنا

عبدالرحمٰن کا نام لکھتے وقت یہ خیال نہ رہا کہ وہ اس وقت زندہ نہ تھے۔

غالباً یہ وصیت نامہ کسی سبائی کا مرتب کردہ ہے جو اس نے اہل عراق کو ایسا متحد الخیال اور طاقت ور دکھایا ہے کہ ہر موقعہ پر وہ ایک لاکھ تلواریں سونت کر کھڑے ہو سکتے تھے۔ حالانکہ کسی اہم موقعہ پر سو دو سو تلواریں بھی نہیں سوتی گئیں۔ بلکہ جس کسی کو بھی ورغلا کر حکومت کے خلاف کھڑا کیا، اسے عین وقت پر بے یارو مددگار چھوڑ کر جا بیٹھے۔ ایسے مکار اور بزدل لوگوں کا رعب امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیا ہو سکتا تھا۔ جو اپنی آنکھوں سے ان کے سب احوال دیکھے ہوئے تھے۔

اس وصیت نامہ میں سیدنا حسین اور سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے جو نام ٹانک دیے گئے ہیں۔ تو وہ بعد کے احوال دیکھ کر۔ ورنہ اس وقت ان دونوں سے کسی کو کوئی خطرہ نہ تھا۔

اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ عنہ نے عراق کے والیوں کو عراقیوں کے مطالبہ پر جلد از جلد بدلنے کی وصیت کی ہو۔ آپ کو کیا یہ معلوم نہ تھا کہ کس طرح یہ لوگ امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اپنے ہر والی کے خلاف محاذ قائم کر کے اس کی تبدیلی کا مطالبہ کیا کرتے تھے اور انھیں کس قدر پریشان کیا کرتے تھے اور حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں ان کا رویہ کیسا متمردانہ ہوا کرتا تھا۔

امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رفع شر کے لیے ہمیشہ ان کی بات مانی۔ جس کے یہ ہولناک نتائج مرتب ہوئے کہ اُمت کا حال و مستقبل تاریک ہو گیا۔ ان کو تو ضرورت صرف حجاج بن یوسف جیسے والی کی تھی۔ جس نے ان کے سب کس بل نکال دیے۔ امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے مدبر اور دور بین امام ایسی لغو وصیت کر سکتے تھے جو پچیس برس کے ذاتی تجربہ کے خلاف تھی؟

لہٰذا یہ وصیت نامہ اپنے ایک ایک جزئیہ کے ساتھ بالکل وضعی ہے اور اس کے کسی ایک حرف کی نسبت بھی امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف درست نہیں۔

حکیم صاحب نے اس کہانی پر جو تبصرہ کیا ہے اس کے بعد مزید تبصرہ کی چنداں ضرورت تو نہ تھی لیکن چند گوشے ابھی مخفی رہ گئے ہیں۔ لہٰذا ان کا واضح کرنا انتہائی ضروری ہے۔

1. یزید نے اس وصیت نامہ کے برعکس کوفہ کے گورنر حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ صحابی کو ان کی نرم مزاجی کے باعث وہاں سے ہٹا کر عبید اللہ بن زیاد جیسے شخص کو کوفہ بصرہ کا گورنر بنایا۔ جسے تا زندگی تبدیل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس کا مقصد یہ ہوا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ وصیت کہ عراق کے والیوں کو ان کی منشاء کے مطابق تبدیل کرتے رہنا حرف بہ حرف غلط تھی۔ جسے بعد کے تجربات نے بھی غلط ثابت کر دیا۔

2. عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی شجاعت سے تو کوئی ان کا دشمن بھی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن ہمیں تاریخ میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نظر نہیں آیا جس سے یہ ثابت ہو کہ واقعتاً وہ لومڑی کی طرح چالیں چلتے تھے۔ بلکہ ہم تو یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ ان سے اگر چند سیاسی غلطیاں سرزد نہ ہوتیں تو تاریخ کے اوراق ہی کچھ اور ہوتے۔ اُنھوں نے دو سیاسی غلطیاں ایسی کیں جس کی وجہ سے نہ صرف ان کی خلافت ختم ہوئی بلکہ ان کی زندگی بھی اس کی نذر ہو گئی۔

الف: اگر وہ مروان اور بنو امیہ کو حجاز بدر نہ کرتے تو ان کے خلاف کوئی محاذ نہ کھڑا ہوتا۔

ب: ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے مشورے پر عمل پیرا ہوتے ہوئے شام چلے جاتے اور اہل شام ان کی بیعت کر لیتے تو ان کی خلافت ایک متفقہ خلافت ہوتی اور وہ فتنہ جو ان کے خلاف اُٹھا ہر گز نہ اُٹھتا۔

ہاں سبائیوں کو ان سے یہ ناراضگی ضرور ہو گی کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرح قطعی ناکام نہیں رہے بلکہ جب اُنھوں نے خلافت کا دعویٰ کیا تو شام کے کچھ حصہ کے علاوہ تمام ممالک اسلامیہ نے ان کی بیعت کی۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس دور کے لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے زیادہ ان پر جان دیتے تھے اور انھیں لوگوں کے دلوں میں جو مقام حاصل تھا وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قطعاً حاصل نہ تھا۔ پھر ان کے ساتھی اہل حجاز تھے جن پر کبھی بے وفائی کا الزام نہ آیا۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دعوت دینے والے عراق غدار تھے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے ابو مخنف رافضی اسی قسم کا وصیت نامہ تیار کر سکتا تھا۔ اس لیے اس ابلیس نے دل کا غبار کبھی امیر

معاویہ رضی اللہ عنہ پر نکالا، کبھی ابن الزبیر رضی اللہ عنہ اور کبھی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما پر۔

3. اس کہانی میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما پر یہ الزام قائم کیا گیا ہے کہ ان کی دلچسپی عورتوں اور کھیل تماشوں میں ہے حالانکہ ان کی تمام زندگی جہاد میں گزر گئی اور یہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ ان کا انتقال امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے سات سال قبل ہو چکا تھا۔لیکن اگر بالفرض والمحال وہ حیات بھی ہوتے تو ۶۰ھ میں ان کی عمر کسی صورت میں اسی سال سے کم نہ ہوتی اور یہ عمر عورتوں سے دلچسپی کی ہرگز نہیں ہوتی۔ان کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے چہیتے بھائی ہیں۔ان پر تبرا کیے بغیر کسی سبائی کا دل کیسے ٹھنڈا ہو سکتا ہے۔جب کہ ان کے یہاں کوئی نماز بھی اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک آلِ محمد کے دشمنوں پر تبرا نہ کیا جائے اور ان کے نزدیک ہر وہ شخص آلِ محمد کا دشمن ہے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو صحیح سمجھتا ہے اور سقیفۂ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو جو فیصلہ کیا گیا اسے قبول کرتا ہو۔یہ سب سقیفانی لوگ ہیں اور یہ آلِ محمد کے دشمن ہیں۔ان کے رئیس حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔جنھوں نے سب سے اول ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔لہٰذا سب سے بڑے مجرم وہ ہیں۔اسی لیے سبائیوں کا اصل مسلک یہ ہے۔ ع

که ز آں عمر کینه قدیم است عجم را

4. **ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مسلک:** رہا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مسئلہ تو بے شک وہ اس وقت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑے عالم، سب سے افضل اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے سب سے زیادہ فیض یافتہ تھے۔ان کی موجودگی میں بلحاظ علم و فضل خلافت کسی اور کا حق ہو بھی نہیں سکتا تھا۔حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں جنگ صفین کے بعد حکمین پر جو فیصلہ چھوڑا گیا تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو خلیفہ بنا دیا جائے۔جبکہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کا نام لے رہے تھے۔

بے شک عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کسی معاملہ میں بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کم نہ تھے۔لیکن

چونکہ کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اس لیے یہ معاملہ یہیں ختم ہو گیا۔ اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کو ولی عہد نہ بناتے اور سبقت اسلام اور فضیلت پر اس مسئلہ کو چھوڑا جاتا تو ان دونوں حضرات کے ہوتے ہوئے خلافت نہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا حق تھا اور نہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا۔

لیکن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا نقطہ نگاہ بالکل جداگانہ تھا۔ اُنھوں نے کبھی بھی اختلاف کی علامت کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا اور جب بھی اُمت میں اختلاف پیدا ہوا تو اُنھوں نے دونوں طبقوں سے علیحدگی اختیار کر لی اور بیعت سے انکار کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اسی اختلاف کے پیش نظر نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور نہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی۔ لیکن جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اتفاق ہو گیا تو ان کی بیعت کر لی۔ اسی طرح جب یزید کی وفات کے بعد ابن الزبیر رضی اللہ عنہ اور آل اور مروان میں اختلاف ہوا تو اُنھوں نے کسی کی بیعت نہیں کی۔ لیکن جب ابن الزبیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور عبدالملک پر سب کا اتفاق ہو گیا تو اُنھوں نے عبدالملک بن مروان کی بیعت کر لی۔ اس کا ذکر مؤطا امام مالک اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔

چونکہ اُمت نے یزید کی ولی عہدی کو قبول کر لیا تھا اور تمام اہل مدینہ نے اس کی بیعت کر لی تھی۔ جن میں خاندان بنی ہاشم کے شیخ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی اُس کی بیعت کی۔ اگرچہ کچھ دیر کے لیے ان کے دل میں یہ خیال گزرا تھا کہ انھیں خلیفہ بنایا جائے۔ لیکن اس تخیل سے انھیں ان کی بڑی بہن ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا نے منع کر دیا۔ صحیح بخاری میں خود ان کی زبانی یہ تفصیل مروی ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا۔ ان کی زلفوں سے پانی ٹپک رہا تھا (غالباً نہا کر آتی ہوں گی) میں نے عرض کیا۔ آپ لوگوں کا حال دیکھ رہی ہیں کہ اُنھوں نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ اس معاملہ میں میرا کوئی حق ہی نہیں رکھا۔ ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ جاؤ لوگ تمھارا انتظار کر رہے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ تمھارے خاموش بیٹھ رہنے سے کہیں اختلاف پیدا نہ ہو جائے اور اُنھوں نے اس وقت تک ابن عمر رضی اللہ عنہما کو نہ چھوڑا جب تک وہ باہر نہ چلے گئے۔

(بخاری ج ۲ ص ۵۸۹)

بخاری کی اس حدیث سے وضاحت کے ساتھ یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یزید کی ولی عہدی پر تمام اُمت کا اجماع ہو گیا تھا اور مدینہ کے کسی فرد نے بھی اس سے اختلاف نہ کیا تھا اور تمام علماء کے نزدیک اجماع اُمت حجت شرعیہ ہے جس کا منکر فاسق کہلاتا ہے۔

اس وقت صرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے دل میں اپنی خلافت کی تمنا پیدا ہوئی تھی جوان کی بڑی بہن امام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا نے ان کے ذہن سے نکال دی۔ تاکہ اُمت میں از سر نو انتشار پیدا نہ ہو۔

اس سے یہ بات بھی سامنے آ گئی کہ ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا یزید کی ولی عہدی تک حیات تھیں اور اس ولی عہدی سے انھیں کوئی اختلاف نہ تھا اور چونکہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا حجرہ مسجد سے ملحق تھا اور اجلاس میں حاضری کے لیے صرف ابن عمر رضی اللہ عنہما کی کمی رہ گئی تھی۔ لہٰذا اسی لیے فرمایا کہ لوگ تمھارا انتظار کر رہے ہیں اور کہیں تمھاری تاخیر کے باعث اُمت میں اختلاف پیدا نہ ہو جائے۔

بعض وہ حضرات جن کی تمام سوچ یزید دشمن تک محدود ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ وقوعہ اس وقت پیش آیا جبکہ حکمین اذرح میں جمع تھے اور یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ خلافت کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کس کا انتخاب کیا جائے۔ تو اُم المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی کو شرکت پر مجبور کیا۔ لیکن یہ موضوع سراسر غلط ہے جس کی متعدد وجوہات ہیں۔

ا۔ اُم المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا اتنا طویل سفر کر کے مقام اذرح کس لیے تشریف لے گئی تھیں؟

ب۔ اس وقت کسی کی بیعت نہیں ہو رہی تھی جو کسی تفریق کا اندیشہ ہو۔

ج۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نہ خود حکم تھے اور نہ کسی حکم کے مشیر، ان کی غیر موجودگی سے کسی فیصلہ پر کیا اثر پڑ سکتا تھا۔ وہ تو صرف فیصلہ سننے تشریف لے گئے تھے۔

د۔ اس وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما کسی گروہ کے ساتھ نہ تھے اور نہ اُنھوں نے کسی کی بیعت کی تھی۔

ھ۔ یہ بات صرف اس لیے کہی گئی ہے تاکہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا یزید کی ولی عہدی کے وقت حیات نہ تھیں۔ اس لیے ان کا سن وفات ۴۵ھ بیان کیا جاتا ہے۔ جبکہ

یہ وقوعہ ثابت کر رہا ہے کہ ان کا انتقال ۵۳ھ کے بعد ہوا۔

و۔ اس حدیث کے آخر الفاظ اس امر کی تردید کے لیے کافی ہیں کہ یہ اذرح کا واقعہ نہیں ہے۔

((فلما تفرق الناس خطب معاويت قال من كان يريد ان يتكلم في هذا الامر فليطلع لنا قرنه فنحن احق بدمنه ومن ابيه))

"جب لوگ متفرق ہو گئے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور کہا کہ جو شخص اس خلافت کے سلسلہ میں کچھ گفتگو کرنا چاہے وہ اپنا سر اُٹھائے ہم اس سے اور اس کے باپ سے بھی زیادہ اس خلافت کے حق دار ہیں۔"

حالانکہ مقام اذرح میں نہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ موجود تھے، نہ اُنھوں نے کوئی خطبہ دیا تھا اور نہ وہاں کسی ولی عہدی کا مسئلہ درپیش تھا۔ آگے ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ میں یہ کہوں کہ اس خلافت کا تجھ سے بھی زیادہ حق دار وہ ہے جس نے تجھ سے اور تیرے باپ سے اسلام کی خاطر جنگ کی ہے (یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما) لیکن مجھے اس بات کا ڈر پیدا ہوا کہ میرے اس قول سے جماعت میں تفریق پیدا نہ ہو جائے اور لوگ میری اس بات کا مقصد غلط نہ لے بیٹھیں اور لوگوں کا خون بہنا شروع ہو جائے۔ لیکن پھر میں نے جنت کی نعمتوں کو یاد کر کے خاموشی اختیار کر لی۔ (بخاری ج ۲ص ۵۹۰)

گویا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فیصلہ یہ تھا کہ وہ کسی صورت میں کوئی ایسا قدم اُٹھانے کے لیے تیار نہیں، جس سے اُمت میں اختلاف پیدا ہو اور لوگوں کا خون بہنا شروع ہو جائے۔ خواہ اس کام کے لیے ان کی ذاتی خواہشات کیوں نہ پامال ہو جائیں۔ اور خواہ اپنے سے کم تر درجہ کے شخص کی اتباع کیوں نہ کرنی پڑے اس سے بڑا جہاد کیا ہوگا۔ یہ تو صوفیاء کی اصطلاح میں جہاد اکبر تھا اور پھر اس کے باوجود ابن عمر رضی اللہ عنہما کو حجاج نے شہید کرا دیا۔ لیکن اُنھوں نے اپنی ذات سے کوئی اختلاف پیدا نہیں ہونے دیا۔ اس سے بڑی شہادت کون سی ہو سکتی ہے۔

الغرض اُنھوں نے نہ صرف یزید کی بیعت کی بلکہ ان تمام لوگوں کو غدار قرار دیا جنھوں نے

یزید کو بیعت کر کے بیعت توڑ دی تھی۔ اب اُن کے بارے میں یہ وصیت کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خطرہ ہے کہ وہ تمھاری مخالفت کریں گے۔ یہ قطعاً ایک فریب ہے۔

ان فرضی وصیتوں کے نام سے سبائیوں نے اُمت کو جو فریب دیا ہے۔ اس کی وجہ صرف اتنی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید کی مخالفت سوائے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کسی نے نہیں کی اور سبائیوں کو اس کے لیے جواز تلاش کرنا تھا۔ لہٰذا زبردستی عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما اور ابن عمر رضی اللہ عنہما جیسی ہستیوں کو بھی اس میں گھسیٹ لیا گیا۔ کیونکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے اس مخالفت کی سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ اپنی خلافت کے خواہاں تھے۔ لیکن اگر ابن عمر رضی اللہ عنہما کی موجودگی میں یزید خلافت کا حق نہ رکھتا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی خلافت کا حق نہ رکھتے تھے۔ بلکہ سبقت اسلام اور بلحاظ فضیلت ان کا نمبر تو پندرہ سولہ افراد کے بعد آتا تھا۔ بلکہ خاندان بنی ہاشم میں بھی ایسے متعدد افراد موجود تھے جو اپنے اسلام اور علم وفضل کے لحاظ سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہیں زیادہ درجہ رکھتے تھے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ اور ربیعہ رضی اللہ عنہ بن حارث بن عبدالمطلب وغیرہ۔

لیکن چونکہ سبائیوں کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے علاوہ سبھی غاصب تھے۔ لہٰذا جب وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حق کی خاطر جان دی تو ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ چونکہ خلافت آل علی ہونے کی وجہ سے ان کا حق تھا اور وہ یہ حق وصول کرنے عراق گئے تھے اور اسی حق کی وصولی کے لیے جان دی۔ یعنی حق خلافت۔ لہٰذا انھوں نے حق کے لیے جان دی۔ واہ رے سنی قربان جایئے تیری سادگی کے کہ تو کچھ بھی نہ سمجھا۔

5. خضری نے وصیت کے جو الفاظ نقل کیے ہیں وہ قطعاً صحیح نہیں ہیں۔ بلکہ ابتدائی الفاظ میں ترمیم کی گئی ہے۔ یہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہ ترمیم کس نے کی۔ خضری نے وقوعہ کی صورت یہ نقل کی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وصیت لکھوا کر ضحاک رضی اللہ عنہ بن قیس اور مسلم بن عقبہ کے سپرد کی اور ان سے کہا کہ یہ وصیت یزید کو دے دینا۔ ہمارے نزدیک یہ الفاظ قطعاً درست نہیں۔

کیونکہ حافظ ابن کثیر ؒ نے ابن جریر کے حوالہ سے ابو مخنف کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

کہ معاویہ رضی اللہ عنہ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو اپنے بیٹے یزید کو بلایا اور اس سے کہا، اے میرے بیٹے! پھر وہ وصیت مذکور ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۱۵)

ان الفاظ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ وصیت لکھوا کر کسی کے ہاتھ بھجوائی نہیں گئی تھی۔ بلکہ براہ راست یزید کو کی گئی تھی۔ لیکن روایتوں کے پجاریوں نے جب یہ دیکھا کہ یزید تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت موجود نہ تھا۔ جس سے اس وصیت نامہ کا موضوع ہونا ثابت ہو رہا تھا اور یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ سب بکواس ابو المخنف رافضی کی ہے اور چونکہ ہمارے سنی بھائی کسی روایت کو کبھی رد نہیں کرتے لہٰذا اس میں ترمیم کر کے اسی پر ایمان لے آئے۔ حالانکہ یہی ابو مخنف یہ بھی بیان کر رہا ہے۔

کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ کی موت واقع ہوئی تو ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور خطبہ دیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا کفن ان کے ہاتھ میں تھا۔ خطبہ سے فراغت کے بعد نیچے اترے اور یزید کو اطلاع دینے کے لیے سوار روانہ کرائے۔ تاکہ یزید جلد از جلد دمشق آ جائے۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۴۳)

یہ دونوں روایات متضاد ہیں اور دونوں روایتیں محمد بن جریر طبری شیعہ نے ابو مخنف رافضی سے نقل کی ہیں اور ابو مخنف نے یہ دونوں روایتیں عبدالملک بن نوفل سے نقل کی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے ایک جھوٹ ہے اور اس پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت یزید دمشق میں موجود نہ تھا۔ لہٰذا ابو مخنف کی پہلی کہانی یعنی یہ وصیت نامہ بغض معاویہ رضی اللہ عنہ میں وضع کیا گیا اور اس کا واضع ابو مخنف ہے اور مبلغ طبری ہے۔

ابو مخنف:

اس کا نام لوط بن یحییٰ ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس نے داستان کربلا "مقتل حسین رضی اللہ عنہ" کے نام سے وضع کر کے سبائیوں کے ہاتھوں میں تھمائی ہے۔ یہ ان کی سب سے متبرک کتاب ہے۔ اس کی داستانیں محرم میں تلاوت کی جاتی ہیں۔ مؤرخ ابن جریر ؒ نے اس کی داستانوں کو اپنی کتاب کی زینت بنایا ہے۔ یہ دونوں مودودی صاحب مرحوم کے بہت چہیتے مؤرخ ہیں بقول ان

کے اگر ان کی روایات کو چھوڑ دیا گیا تو ہمارے پاس کیا بچے گا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''لسان المیزان'' اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ ''میزان الاعتدال'' میں لکھتے ہیں۔
یہ شخص مؤرخ ہے۔ مصنف ہے، اسے ابو حاتم وغیرہ نے متروک قرار دیا ہے۔ دار قطنی کہتے ہیں ضعیف ہے۔ یحیٰی بن معین کہتے ہیں یہ کچھ نہیں۔

ابن عدی کا بیان ہے کہ یہ تو ایک آگ پھیلانے والا شیعہ ہے اور شیعوں کا مؤرخ ہے۔ صعق بن زہیر اور جابر جعفی جیسے رافضیوں سے روایات نقل کرتا ہے۔ اس سے مؤرخ مدائنی اور عبدالرحمٰن بن مغرا وغیرہ نے روایات لی ہیں۔ ۱۷۰ھ سے قبل اس کی وفات ہوئی۔ (لسان المیزان ج ۴ ص ۴۹۲، میزان الاعتدال ج ۳ ص ۴۱۹)

ابو عبید الآجری کا بیان ہے کہ میں نے ابو حاتم رازی سے اس کے بارے میں دریافت کیا۔ اُنھوں نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے فرمایا کہ کیا اس جیسے شخص کے بارے میں بھی کسی سے کچھ پوچھا جاتا ہے؟ عقیلی نے اس کا ذکر کتاب الضعفاء میں کیا ہے۔ (لسان المیزان ج ۴ ص ۴۹۲)

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ میرے والد ابو حاتم رازی فرماتے تھے۔ ابو مخنف متروک ہے۔ (الجرح والتعدیل ج ۷ ص ۱۸۲)

قارئین کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اس وصیت کی آگ کس نے لگائی ہے۔ ہمیں تو اس پر افسوس ہے کہ جسے شیعوں کا مؤرخ قرار دیا جا رہا ہے۔ اس سے خضری اور ابن کثیر رحمہ اللہ جیسے لوگ روایات لے رہے ہیں اور خاص طور پر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ایک محدث ہونے کے ناطے یہ ضرور جانتے ہوں گے کہ ابو مخنف کے بارے میں محدثین کا کیا فیصلہ ہے۔ لیکن پھر بھی تمام سنی آنکھیں بند کر کے شیعہ داستانیں نقل کرتے چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایسی لغزشوں سے محفوظ رکھے۔

جب طفیل بن عمرو دوسی نے کانوں میں روئی ٹھونس لی تا کہ قرآن نہ سن سکیں

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ طفیل ابی عمرو دوسی اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ جب میں مکہ میں آیا

اور رسول خدا مکہ ہی میں تشریف رکھتے تھے تو قریش کے بہت سے لوگ میرے پاس آئے اور کہنے لگے اے طفیل تم ہمارے شہر میں آئے ہو اور یہاں یہ ایک ایسا شخص پیدا ہوا ہے جس نے ہم کو پریشان کر دیا ہے۔ ہماری جماعت متفرق کر دی ہے اور اس کی باتیں جادو کی سی ہیں۔ جن سے یہ آدمی اور اُس کے ماں باپ اور اُس کے بھائی اور بیوی میں تفرقہ ڈال دیتا ہے۔ ہم کو تمھاری اور تمھاری قوم کی نسبت اندیشہ ہے کہ کہیں تم میں تفرقہ نہ ڈال دے۔ اس وجہ سے تم کو فہمائش کرتے ہیں کہ تم اُس کی باتیں نہ سننا کہ کہیں اس کے جال میں پھنس جاؤ۔

طفیل کہتے ہیں اُن لوگوں نے مجھ کو اس قدر رسول اللہ ﷺ سے ڈرایا کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی رکھ لی۔ اس خوف سے کہ شاید کہیں حضور ﷺ مل جائیں تو میں آپ کی کوئی بات نہ سنوں۔

قرآن کریم کا تاثیر:

پھر صبح کو میں مسجد الحرام میں آیا تو نبی کریم ﷺ کو میں نے کعبہ کے قریب نماز میں مشغول دیکھا۔ میں بھی آپ ﷺ کے قریب کھڑا ہو کر سننے لگا تو میں نے اچھا کلام سنا۔ جس سے روح کو تروتازگی ہوتی تھی اور خود بخود قلب کو اپنی طرف کشش کرتا تھا۔ اُس کے سنتے ہی میں نے اپنے دل سے کہا کہ میں بھی ایک صاحب عقل وتمیز اور شاعر ہوں۔ اچھی بری مجھ پر چھپی نہیں رہتی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ میں بخوبی اس شخص کا کلام نہ سنوں۔ اگر واقعی اس شخص کا کلام بہتر اور عمدہ ہوگا میں اُس کو قبول کروں گا ورنہ اپنا راستہ لوں گا۔ یہ سمجھ کر میں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ جب آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہو کر اپنے دولت خانہ میں تشریف لائے تو میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ آیا اور میں نے کہا اے محمد ﷺ! آپ کی قوم نے مجھ سے ایسا ایسا کہا تھا اور یہاں تک مجھ کو خوف زدہ کیا تھا کہ میں نے آپ کا کلام سننے کے ڈر سے اپنے کانوں میں روئی رکھ لی تھی۔ پھر خدا نے مجھ کو آپ کا کلام سنوا دیا۔ چنانچہ جب میں نے اُس کو سنا تو مجھ کو بہت خوب معلوم ہوا اور میری روح کو قوت

اور فرحت نصیب ہوئی۔ اب میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے کچھ احکام مجھ کو سنائیں۔[1]

[1] اسنادہ ضعیف ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ سیرت النبی لابن کثیر (۷۲/۲) تھذیب سیرۃ ابن ھشام (۱۱۰/۱) سیر اعلام النبلاء للذھبی (۳۴۴/۱) اس میں کلبی متروک ہے۔ ابن اسحاق نے اس کو صالح بن کیسان سے روایت کیا ہے۔ لہٰذا یہ مرسل (ضعیف) ہے اور اس میں عثمان بن الحویرث کی توثیق بھی نامعلوم ہے لہٰذا یہ مجہول راوی ہے۔ طبقات ابن سعد میں یہ واقعہ مروی ہے اس میں محمد بن عمر واقدی متروک ہے۔ تاریخ دمشق کی روایت میں مسلمہ بن فضل راوی ضعیف ہے۔ اس واقعہ کی کوئی سند صحیح نہیں۔

حضور ﷺ کو معراج کی رات ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لہجہ میں مخاطب کیا گیا

عبدالسلام بستوی اسلامی خطبات میں لکھتے ہیں حدیث میں مذکور ہے کہ پھر مجھ کو نور میں پیوست کر دیا گیا اور ستر ہزار حجاب مجھ کو طے کرا دیے گئے کہ ان میں ایک حجاب دوسرے کے مشابہ نہ تھا اور مجھ سے تمام انسانوں اور فرشتوں کی آہٹ منقطع ہوگئی۔ اس وقت مجھ کو وحشت ہوئی تو اس وقت پکارنے والے نے مجھ کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لہجہ میں پکارا کہ ٹھہر جائیے۔ آپ کا رب صلوۃ میں مشغول ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ میں نے عرض کیا کہ مجھ کو ان دو باتوں پر تعجب ہوا، ایک تو یہ کہ کیا ابو بکر رضی اللہ عنہ مجھ سے آگے بڑھ آئے اور دوسرا یہ کہ میرا رب صلوۃ سے بے نیاز ہے، ارشاد ہوا کہ اے محمد ﷺ یہ آیت پڑھو۔

﴿هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾[الاحزاب:۴۳]

تو میری صلوۃ سے مراد رحمت ہے، آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی آواز کا قصہ یہ ہے کہ ہم نے ایک فرشتہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی آواز اور صورت کا پیدا کیا کہ آپ کو ان ہی

کے لہجہ میں پکارے تاکہ آپ کی وحشت دور ہو اور آپ کو ایسی ہیبت لاحق نہ ہو، جو آپ کے فہم مقصود سے مانع ہو اور شفاء الصدور کی ایک روایت میں ہے کہ بعد قطع حجابات کے ایک رفرف یعنی مسند سبز میرے لیے اتاری گئی اور میں اس پر رکھا گیا، پھر مجھ کو اوپر اُٹھایا گیا، یہاں تک کہ میں عرش تک پہنچا، تو میں نے ایسا امر عظیم دیکھا کہ زبان اس کو بیان نہیں کر سکتی، مواہب نے ابن غالب سے حوالہ سے ان روایات کو شفاء الصدور سے نقل کیا ہے۔[1]

---

[1] شفاء الصدور نامی کتاب میں بے سند روایات درج ہیں۔ یہ روایت بھی بے سند ہونے کی وجہ سے بے اصل ومردود ہے۔

جبریل علیہ السلام نے معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دیا اور کہا اگر میں آگے جاؤں گا تو میرے پر جل جائیں گے

عبدالسلام بستوی اسلامی خطبات میں لکھتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ معراج والی حدیث میں یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آپ جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ آسمان میں حجاب تک پہنچے، پھر اس حجاب کے اندر سے ایک فرشتہ باہر آیا، جس کو حضرت جبرائیل نے کبھی نہیں دیکھا تھا، شفاء الصدور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ آپ ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے مقام پر کوئی دوست اپنے دوست کو نہیں چھوڑتا ہے، آپ میرا ساتھ کیوں چھوڑ رہے ہیں، تو جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں اس مقام سے آگے بڑھوں، تو نور سے جل جاؤں گا، شیخ سعدی رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے ۔

بدو گفت سالار بیت الحرام
کہ اے حامل وحی برتر خرام

چوں	دردوستی	مخلصم	یافتی!!
غائم	زصحبت	چرا	تافتی
بگفتا	فراتر	مجالم	نماند
بما ندم	کہ نیروی	بالم	نماند
اگر یک	سرموئے	برتر	پرم!
فروغ	تجلی	بسوزد	پرم ①

① اسنادہ موضوع - اس کی سند من گھڑت ہے۔ اس قصے کو امام ابن عراق نے تنزیہ الشریعة المرفوعة من الاخبار الشنیعة والموضوعة (۱/۱۰۰، ۱۶۹) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طویل روایت سے نقل کیا ہے۔ واخرجه ابن حبان فی المجروحین (۳/۱۱) یہ قصہ موضوع اور من گھڑت ہے۔ ذہبی اور ابن حجر نے اس قصے کو موضوع کہا ہے۔

معراج کی رات فرشتے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اذان کی تعلیم دی

حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شب اسراء میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر پہنچے تو آپ نے توقف فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو بھیجا اور آسمان پر وہ اس جگہ کھڑا ہوا جہاں اس سے پہلے کوئی نہ کھڑا ہوا تھا۔ اس کو حکم ملا اذان دو۔ تو فرشتے نے کہا: ''اللہ اکبر، اللہ اکبر'' اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میرے بندے نے سچ کہا، میں ہی اللہ اکبر ہوں۔''

پھر فرشتے نے کہا: '' اشهد ان لا اله الا الله '' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میرے بندے نے سچ کہا، میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔'' پھر فرشتے نے کہا: ''اشهد ان محمدا رسول الله '' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میرے بندے نے سچ کہا میں نے ہی محمد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنایا اور ان کو پسند کیا اور میں ہی ان کی حفاظت کروں گا۔'' پھر فرشتے نے کہا: '' حی علی الصلوة '' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے سچ کہا وہ میرے فریضے اور حق کی طرف بلاتا ہے تو جو کوئی اس

کی طرف یکسو ہو کر آئے گا، وہ اس کے ہر گناہ کا کفارہ ہوگا۔"

پھر فرشتے نے کہا: "حی علی الفلاح" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "میرے بندے نے سچ کہا، میں نے ہی اس فریضہ کو قائم کیا اور اس پر وعدہ دیا اور اس کے لیے اوقات مقرر کیے۔"

اس کے بعد نبی کریم ﷺ سے کہا گیا، آپ آگے بڑھیے تو نبی کریم ﷺ آگے بڑھے اور تمام اہل آسمان کھڑے ہوئے، اس طرح آپ کی بزرگی کو ساری مخلوقات پر قائم فرمایا۔ [1]

[1] اسنادہ موضوع - اس کی سند من گھڑت ہے۔ مسند البزار (۷۸/۱) حدیث رقم (۳۵۲)

جب ایک تابعی کا مردہ گدھا زندہ ہو گیا

دیوبندیوں کی تبلیغی جماعت کے نامور واعظ مولانا طارق جمیل بیان کرتے ہیں کہ نباتہ بن یزید نخعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یمن کے علاقے سے اللہ کے راستے میں نکلے، راستے میں گدھا مر گیا، ساتھیوں نے کہا، سامان ہمیں دے دو، کہا نہیں، چلو میں آتا ہوں، ان کو آگے روانہ کیا، خود مصلی بچھایا، اللہ اکبر دو نفل پڑھے (اور دعا کی) اے میرے مولا، تو ہر چیز سے غنی، میں ہر چیز میں محتاج، تو مردوں کا زندہ کرنے والا۔ گدھے کی روح تو نے قبض کی ہے، مجھے لمبا سفر کرنا ہے، مجھے اس کی ضرورت ہے، اے اللہ اسے زندہ کر دے، یہ کہہ کر اُٹھے، چھڑی اُٹھائی اور ایک ماری، کہا اُٹھو اللہ کے حکم سے۔ اور ایک دم گدھا کود کے کھڑا ہو گیا۔ [1]

[1] اسنادہ موضوع - اس کی سند من گھڑت ہے۔ دلچسپ اصلاحی واقعات ص ۲۲۳ اس کو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب الاصابہ (۴۹۱/۶) ترجمہ رقم (۸۸۵۶) میں ابوبکر بن درید کی کتاب الاخبار المنثورہ سے ابن الکلبی عن ابیہ عن مسلمہ بن عبداللہ بن شریک النخعی کی سند سے نقل کیا ہے۔ اس کا راوی محمد بن اسائب الکلبی مشہور کذاب ہے۔ سلیمان التیمی کہتے ہیں کوفے میں دو کذاب تھے ان میں ایک کلبی ہے۔ تہذیب التہذیب (۱۵۷/۹) رقم (۲٦۸)

یزید بن ذریع کہتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ کلبی کافر ہے۔ تہذیب التہذیب (۱۵۸/۹) رقم (۲٦۸)
اس کا دوسرا راوی ہشام بن محمد السائب الکلبی ہے دارقطنی کہتے متروک ہے۔ ابن عساکر کہتے ہیں یہ رافضی ہے ثقہ نہیں۔ لسان المیزان (۱۹٦/٦) رقم (۷۰۰)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غریب صحابی کو کہا جاؤ فلاں امیر صحابی سے کہو اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کردو

دیوبندیوں کی تبلیغی جماعت کے مشہور واعظ طارق جمیل واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں ایک صحابی آتے ہیں، حضرت سعد سلیمی، یارسول اللہ، "ایمنعنی سوادی و دوامت وجھی من دخول الجنة" میرا کالا رنگ مجھے جنت سے روک دے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں کیا بات ہے اگر تو ایمان والا ہے تو تجھے کون جنت سے روک سکتا ہے۔ فرمایا، پھر بات یہ ہے میں غریب آدمی ہوں، میرا رنگ کالا ہے، میں بدصورت ہوں، لیکن میں بنو سلیم کے اشراف میں سے ہوں، بنو سلیم ایک قبیلہ تھا۔ اب بات یہ ہے کہ مجھے کوئی لڑکی نہیں دیتا، میرے کالے رنگ کی وجہ سے میری غربت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "احضر الیوم عمر بن وھب الثقفی" آج عمرو بن وھب آئے ہیں۔

یہ مدینے کے چوہدری تھے، بڑے مالدار تھے، بیٹی ان کی بڑی خوبصورت تھی کہا گیا، آج مجلس میں موجود نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جاؤ عمرو سے کہو اپنی لڑکی تیرے نکاح میں دے دے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ جا کر دروازہ پر پہنچے، سلام کیا کون سے بڑے بڑے گھر ہوتے تھے، ایک کمرہ ہوتا تھا، چھوٹا سا صحن ہوتا تھا، دروازے پر دستک دی، باہر نکلے بھائی کیا ہوا کہا، "انا قاصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" میں اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قاصد ہوں۔ اپنے لیے تیرے پاس تیری بیٹی کے ساتھ شادی کا پیغام لایا ہوں۔

انھیں یقین نہیں آیا، بظاہر کہنے لگے، بھاگ جا، کہاں کی بات کرتا ہے، وہ تو بے چارہ پہلے ہی غریب تھا، غم کھایا ہوا وہ تو ڈر کے مارے وہاں سے پیچھے ہٹا بیٹی خوبصورت حسن و جمال میں مشہور اور میرے بھائیو! مال میں مشہور بیٹی کے کان میں، باپ کی اور سعد کی آواز پڑی بیٹی نے پیچھے سے آواز دی۔

((یا ابا انجاہ انجاہ قبل ان یفتحتہ الوحی))

اے ابا جان یہ سوچ لو، کیا کر رہے ہو، تم نبی (ﷺ) کی بات کو ٹھکرا رہے ہو، ہلاک ہو جاؤ گے، میں تیار ہوں، نبی (ﷺ) کے حکم کے سامنے میں کالے گورے کو نہیں دیکھ رہی، میں نبی (ﷺ) کے حکم کو دیکھ رہی ہوں، جاؤ میں تیار ہوں اور کہہ دو میں شادی کروں گی، دوڑے بھاگے پیچھے گئے، آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ جب دیکھا عمرو آئے ہیں:

((انت الذی رددت امر رسول اللہ ﷺ))

تو نے اللہ کے رسول کی بات کو ٹھکرایا ہے، کہنے لگے، میرے ماں باپ قربان ہوں، یا رسول اللہ! خطا ہوئی، معاف فرمایے، حکم کیجیے، کیا حکم ہے۔

فرمایا، اس سے شادی کراؤ عرض کیا آپ ﷺ نکاح پڑھیں، آپ ﷺ نے نکاح پڑھا چار سو درہم مہر مقرر ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا سعد جاؤ لڑکی کو لے کر آؤ، کوئی برات تو ہوتی نہیں تھی۔

میرے بھائیو! ہائے کتنے لاکھوں کروڑوں روپے، صرف اس پر آج مسلمان کے خرچ ہو رہے ہیں، بڑے بڑے سفر کرنے والے جب شادی کا وقت آتا ہے کہتے ہیں کیا کریں برادری سے مجبور ہیں حضور ﷺ نے اپنی بیٹی کی شادی کی اور شام کو حضرت ام ایمن کو بلایا، کہا ام ایمن جاؤ، میری بیٹی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر چھوڑ کر آ جاؤ۔

فرمایا، سعد رضی اللہ عنہ جاؤ، بیوی کو لے کر آؤ یا رسول اللہ (ﷺ) میرے پاس تو ایک دمڑی بھی نہیں ہے، میں چار سو کہاں سے پیدا کروں اور اس کو لے کر آؤں۔

آپ ﷺ نے فرمایا، اچھا چلو گھبرانے کی بات نہیں جاؤ، علی رضی اللہ عنہ کے پاس، عثمان رضی اللہ عنہ کے

پاس اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے پاس، ان سے کہو کہ تمھیں دو دو سو درہم دے دیں، پھر تیرے پاس چھ سو درہم ہو جائیں گے، چار سو درہم سے مہر ادا ہو جائے گا اور دو سو سے اور کوئی اپنا کام کر لینا، نہ گھر، نہ در، کوئی کپڑا ہی لینا۔

تو فرمانے لگے، بہت ہی اچھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، حضرت عبدالرحمٰن کے پاس گئے۔ اُنھوں نے خوش ہو کر دو دو سو درہم سے بھی زیادہ دیا کتنا زیادہ دیا، بس اتنے لفظ زیادہ آتے ہیں، "وما زاد" دو دو سو اور اس سے کچھ زیادہ، اب کتنا زیادہ دیا یہ معلوم نہیں، بہرحال چھ سو سے زیادہ ہو گیا، ہزار ہو گیا، نو سو ہو گیا۔

اب سعد بڑے خوش کیوں بھائی ایک نوجوان جو بڑی خوبصورت لڑکی سے نکاح کرنے والا ہو، اس کے جذبات کو کوئی سمجھ سکتا ہے، سوائے اس کے جس پر یہ خود گزر رہی ہو، کیا خیال ہے؟

آپ کا کیا جذبہ ہوگا۔ سعد کا کیا جذبہ ہوگا اور بڑی خوشی سے کہنے لگے لڑکی لینے تو بعد میں جاؤں گا پہلے کچھ بازار سے سودا تو خرید لوں، چار سو تو مہر میں گیا، باقی کیا کروں، اُنھوں نے کہا کہ کوئی چارپائی تو خرید لوں گا، کوئی کپڑا خرید لوں گا، کوئی کھانے پینے کا سامان ہی خریدوں گا تاکہ کچھ میرا کام چل سکے، گھر کی شکل بن سکے، جب بازار میں داخل ہوئے اور پیسہ پکڑے بازار میں قدم رکھا، کان میں آواز پڑی:

((یاخیل الله ارکبی، والی ثواب الله ارغبی النفیر، النفیریا خلیل الله ارکبی، والی ثواب الله ارغبی))

اے اللہ کے سوارو! اللہ کے راستے کی پکار ہے نکلو۔ [1]

---

[1] اسنادہ موضوع - اس کی سند من گھڑت ہے۔ کتاب المجروحین لابن حبان (۲/ ۲۹۱، ۲۹۲) لسان المیزان (۵/ ۱۳۸) اس میں محمد بن عمرو الکلاعی راوی سخت ضعیف ہے۔

ضعیف اور من گھڑت واقعات

حصہ سوم ③

ان شاء اللہ جلد قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ جو کہ مندرجہ ذیل عنوانات پر مشتمل ہوگا۔

① بسلسلہ حیات انبیاء علیہم السلام، سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تک کے مقتدر انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق غیر مستند، ضعیف اور من گھڑت قصے اور روایات۔

② واقعہ کربلا کے متعلق من گھڑت اور ضعیف واقعات۔

③ جنگ جمل کے متعلق غیر مستند قصے و روایات۔

④ جنگ صفین کے متعلق غیر ثابت شدہ واقعات و روایات۔

⑤ واقعہ حرہ کے سلسلے میں ضعیف روایات۔

⑥ اس کے علاوہ عام مشہور تاریخی واقعات پر بے لاگ ریسرچ و تحقیق۔
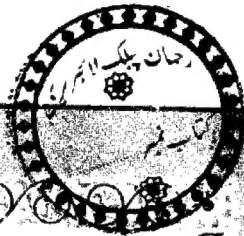
الشیخ وحید عبدالسلام بالی کی
جنات، شیاطین اور جادو کے موضوع پر لکھی مشہور زمانہ کتاب
"وقایۃ الانسان من الجن والشیطان"
کا اردو ترجمہ
جنات اور جادو کا توڑ
(قرآن وسنت کی روشنی میں)
الحمد للہ اس مشہور ترین کتاب میں قرآن الکریم اور احادیث نبویؐ کے دلائل کے ساتھ درج ذیل امور (عنوانات) کو واضح کیا گیا ہے۔
باب اول : جنات حقیقت ہیں کوئی خیالی چیز نہیں۔ ایمان بالغیب کی اہمیت۔ جنات کو کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ اگر جنات آگ سے پیدا ہوئے ہیں تو ان کے کافروں کو آگ سے عذاب کیسے ہوگا؟ جنات کی اقسام' جنات کی رہائش' جنات کی غذا' جنات انسانوں سے ڈرتے ہیں؟ کیا جنات کی شادی ہوتی ہے اور ان سے اولاد ہوتی ہے؟ حیوانات شیطان کو دیکھتے ہیں؟ جنات کے لیے ذبح کرنا شرک ہے۔ گھر سے جنات کو کیسے نکالا جائے؟ کیا جنات لوگوں کو ایذاء پہنچاتے ہیں؟
باب دوم : حقیقت مرگی اور اس کا علاج۔ جنات انسانوں میں کیسے داخل ہوتے ہیں اور کہاں ٹھہرتے ہیں' انسانی جسم میں جن کے داخلے کی علامات' جن کے داخلے کی اقسام' معالج کے اوصاف' علاج کی مرحلہ وار تفصیل۔ آپ غیر مسلم جن سے کیسے معاملات طے کریں؟ معالج کے لیے ضروری ہدایات' مرگی سے بچنے کے لیے چند نصیحتیں۔
باب سوم : جادو۔ جادو کی تعریف۔ جادو کی تعلیم وتعلم' جادو کی اقسام' جدائی ڈالنے والے جادو کی علامات' جادو کا علاج' (محبت کا جادو) کی علامات اور اسباب' جادو کی جائز قسم' نظر بندی کا جادو اور اس کی علامات' نظر بندی کے جادو کا علاج' شادی میں رکاوٹ ڈالنے کا جادو اور اس کی علامات' جادو کی رکاوٹوں کا علاج اور اس کے متعلق اہم نکات' قرآنی معالج میں شرائط' جادو کے مقام کی تلاش۔
باب چہارم: یہ باب شیطان کے تعارف' شیطان کے جال اور انسانوں میں اس کے داخلے کے بارے میں ہے۔
باب پنجم: لوگوں کے دل فساد زدہ کرنے کے لیے شیطان کے داخلی راستے کون سے ہیں؟
باب ششم: شیطان کے بچاؤ کی تدابیر۔ یہ آخری باب ان اذکار مسنونہ سے مزین ہے جن سے ہر مسلمان فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ یہ کتاب آپ کے شہر کے ہر اسلامی کتب خانے میں دستیاب ہے۔ صرف 90 روپے میں بذریعہ منی آرڈر درج ذیل ایڈریس سے منگوا کر گھر بیٹھے یہ کتاب پڑھیے۔
یہ کتاب اپنے ہر قریبی بک سٹال یا ذیلی ایڈریس سے طلب فرمائیں۔
نعمانی کتب خانہ
حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
E-Mail: nomania2000@hotmail.com
Tel:042-7321865 Mob: 0333-4229127
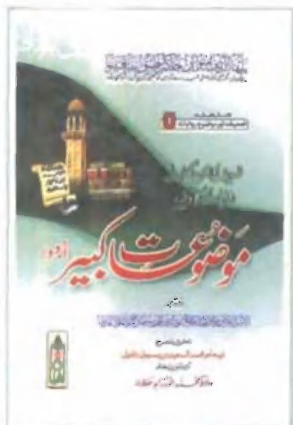
اردو ترجمہ

الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة نور الدين علي بن سلطان الملا علي القاري

تحقیق وتخریج

ابو هاجر محمد السعید بن بسیونی زغلول

ترجمہ وتہذیب واضافہ

حافظ محمد انور زاہد حفظہ اللہ

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم

خوش بیاں اور دل پذیر خطابت کے لیے

توحید ورسالت پر مبنی دلکش اور منفرد اشعار کے مجموعے

از قلم: حافظ محمد انور زاہد حفظہ اللہ 0300-4312019